تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد ہشتم (8)

سورہ النساء آیت ۱۱۵ تا ۱۷۶

سورہ المائدہ آیت ۱ تا ۳۱

تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد ہشتم (8)

سورہ النساء آیت ۱۱۵ تا ۱۷۶

سورہ المائدہ آیت ۱ تا ۳۱

جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب========= تفسیر الفرقان

نام مصنف========= محمد طاہر بھٹی چک قاسمکا

جلد نمبر=========ہشتم (8)

صفحات ========= ۵۰۰

قیمت ========= 0

ڈاکٹر اسلامی ریسرچ اسکالر محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

موبائل نمبر

03477172726 , 03030144460

ایڈریس

چک قاسمکا تحصیل وضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

E-mail:Tahirbhatti697@gmail.com

فہرست

عنوانات	نمبر شمار
شان نزول: (آیت) "ومن یشاقق الرسول"	15
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرنا حرام ہے	18
شان نزول:	20
شان نزول: (آیت) "ان یدعون من دونہ"	22
مشرکین کے بتوں کا مونث ہونا	23
شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی	30
شیطان کی جھوٹی آرزوئیں ڈالنے کا معنی	30
مویشیوں کے کان چیرنے کا معنی	31
تغیر خلق اللہ کا معنی	32
شیطان کو کیسے علم ہوا کہ اس کے پیروکار زیادہ ہوں گے	34
بلاضرورت خصی کرنا ناپسندیدہ عمل ہے	35

ضروریات کے لیے خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں	37
انسانی بالوں کی پیوند کاری حرام ہے	39
غزوہ تبوک کے موقع پر خطبہ	41
شان نزول: لیس بامانیکم"	46
ہر گناہ پر سزا ہونے کے اشکال کا جواب	48
صدیق اکبرؓ پر خوف طاری ہونا	53
دنیاوی تکالیف مومن کے گناہوں کا کفارہ ہے	54
مؤمن کو ہر مصیبت پر اجر ملتا ہے	60
مصیبت پر صبر کے بدلہ میں اونچا مقام	62
بیماری سے گناہ معاف ہوتے ہیں	64
بیماری کی حالت میں رات اجر کی رات ہے	66
شان نزول: ومن یعمل من الصلحت"	68
سبب نزول: (آیت) ومن احسن دینا ممن اسلم	70
حضرت ابراہیم (علیہ السلام) خلیل اللہ تھے	73

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حبیب اللہ ہیں	76
شان نزول: (آیت) "ویستفتونک فی السمآء"	79
وارثت اور نکاح میں عورتوں کے حقوق کا بیان	79
یتیم لڑکیوں کے حقوق کا بیان	84
نابالغ کو میراث سے محروم کرنا بڑا گناہ ہے	85
مال کی خاطر نکاح کرنا درست نہیں	87
شان نزول: (آیت) "وان امراۃ خافت"	91
شوہر سے صلح کرنا	96
میاں بیوی میں محبت کم ہو جائے تو صلح کر لے	98
ایک سے زیادہ بیویوں میں باری مقرر کرنا	100
بیویوں میں عدل نہ کرنے والوں کی سزا	105
شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا کونوا"	107
انصاف کے ساتھ شہادت دینا	120
شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا امنوا"	123

مسلمانوں سے وعدہ غلبہ کے باوجود غلبہ کفار کی توجیہ	139
منافقوں کے دھوکے کی سزا اور شان نزول:	142
تقویٰ کے ساتھ عمل کرو	151
کافروں کے نابالغ بچوں پر عذاب نہیں ہوگا	154
درک کا معنی اور دوزخ کے طبقات	158
نفاق کی علامتوں پر اشکال کے جوابات	159
منافقین کو سخت عذاب ہوگا	161
کامیاب کی شرائط	163
شان نزول: (آیت) "لا یحب اللہ الجہر"	168
مظلوم کے لیے اپنی مظلومیت بیان کرنا جائز ہے	176
شان نزول: (آیت) "۔یسئلک اھل الکتب"	185
شریعت توراۃ کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد	191
اہل کتاب، قاتلان انبیاء، عیسیٰؑ کی روداد اور مراحل قیامت	196
حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نزول کا بیان	226

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نزول کی حکمتیں	228
یہودیوں کے خودساختہ حلال وحرام	231
راسخین فی العلم کا قرآن پر ایمان لانا	235
شان نزول: (آیت) "انا اوحینا الیک"	239
نبیوں اور رسولوں کی تعداد کے متعلق احادیث	242
آدمؑ کے بعد پہلے نبی ادریسؑ ہیں	246
قرآن میں انبیاءؑ کے نام	249
شان نزول: (آیت) "لکن اللہ یشہد"	253
مہاجرین حبشہ سے نجاشی کی گفتگو	267
شان نزول: (آیت) "لن یستنکف المسیح"	269
نبیوں کے فرشتوں سے افضل ہونے کی بحث	270
شان نزول: (آیت) "یستفتونک قل اللہ"	282
کلالہ کا لغوی معنی	284
کلالہ کا شرعی معنی	285

کلالہ کے متعلق حضرت جابرؓ کی حدیث	286
کلالہ کی وراثت کے چار احوال	287
سورہ مائدہ	289
وجہ تسمیہ	289
زمانہ شان نزول	290
سورہ النساء اور المائدہ میں ارتباط اور مناسبت	294
مضامین کا خلاصہ	295
عقود کا لغوی اور عرفی معنی	298
عقود کا شرعی معنی	298
عقود کی اقسام	300
بھیمۃ الانعام کا معنی	301
عہد پورا کرنا ضروری ہے	303
شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا لاتحلوا"	309
شان نزول: (آیت) "حرمت علیکم المیتۃ"	319

مردار کا معنی اور اس کے شرعی احکام	319
خون کے شرعی احکام	321
خنزیر کے نجس اور حرام ہونے کا بیان	322
"ما اھل لغیر اللہ بہ" کا معنی اور اس کے شرعی احکام	323
"المنخنقۃ" کا معنی اور اس کا شرعی حکم	324
"الموقوذۃ" کا معنی اور اس کا شرعی حکم	324
"المتردیۃ" کا معنی اور اس کا شرعی مفہوم	326
"النطیحۃ" کا معنی اور اس کا شرعی حکم	326
جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو اس کا شرعی حکم	327
"الا ماذکیتم" کے مستثنیٰ منہ کا بیان	327
نصب کا معنی اور اس کا شرعی حکم	329
ازلام کا معنی	330
نجومیوں، کاہنوں اور ستارہ شناسوں سے غیب کی باتیں دریافت کرنے کی ممانعت	330

شان نزول: (آیت) "یسئلونک ماذا احل لہم"	335
شکاری پرندے اور درندے	340
کتے اور باز پر بسم اللہ پڑھنا	342
قرآن اور حدیث میں بیان کردہ حرام جانور	344
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پالتوں گدھوں کے کھانے کو بھی حرام فرمادیا	348
اہل کتاب کی تعریف اور ان کے ذبیحہ کی تحقیق	354
آزاد اور پاک دامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ	360
شان نزول: یایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ"	362
شرائع سابقہ اور مکی دور میں فرضیت وضو کے متعلق احادیث	364
وضو کے اجر وثواب کے متعلق احادیث	367
وضو کے متفق علیہ فرائض	371
سر کے مسح کی مقدار میں مذاہب ائمہ	371
پیروں کے دھونے پر دلائل	374
وضو کے مختلف فیہ فرائض	378

وضو کی سنتیں	381
تیمم کی شرط، طریقہ اور دیگر احکام	390
میثاق سے مراد	392
شان نزول: (آیت) "یا ایھا الذین امنوا اذکروا نعمت اللہ علیکم"	399
بنو اسرائیل کی عہد شکنی کا بیان	406
بنی اسرائیل کے لیے بارہ چشمے پھوٹنا	408
توراۃ کی تحریف میں علماء کے نظریات	413
اللہ کے احکام کو بھلانا قابل مذمت ہے	417
شان نزول: (آیت) "یا ھل الکتب قد جآئکم رسولنا"	423
توراۃ اور قرآن کریم کی مشترکہ باتیں	428
شان نزول: (آیت) "وقالت الیھود والنصری"	433
یہود کے دعوی کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب	434
ایک عورت کا اپنے بچے سے محبت کا ذکر	435
شانِ نزول: (آیت) "یا ھل الکتب قد جآءکم رسولنا"	437

فترت کا لغوی اور اصطلاحی معنی	438
بنو اسرائیل کے انبیاء کا بیان	444
بنو اسرائیل کے ملوک (بادشاہوں) کا بیان	445
بنی اسرائیل پر انعام اور ان کی ناشکری	446
ارض مقدس کا وعدہ اور بنی اسرائیل	450
جبارین کا بیان	455
موسیٰ (علیہ السلام) سے بے وفائی کا ذکر	462
میدان تیہ میں بنو اسرائیل کا بھٹکنا	463
حضرت یوشع ؑ کے لیے سورج کو ٹھہرانا	465
نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سورج کو لوٹانا	466
موسیٰ (علیہ السلام) کی قبر	471
قابیل اور ہابیل کو قتل کرنے کی تفصیل	473
آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کی قربانی	475
قربانی قبول ہونے کی علامت	477

قتل سے کنارہ کشی اختیار کرنا	484
فتنوں سے پناہ مانگنی چاہیے	490
قابیل کے قتل کرنے کی کیفیت	492
ہر قتل کا گناہ قابیل کے سر پر	496
قابیل کا انجام	498

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ﴾

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت ظاہر ہو چکی اور مسلمانوں کے راستے کے خلاف کسی دوسرے راستے کا اتباع کرے تو ہم اس کو وہ کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

شان نزول: (آیت) "ومن یشاقق الرسول"

جب قرآن کریم کا یہ حکم نازل ہوا تو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہتھیار لے کر آئے اور رفاعہؓ کو دے دیے اور بشیر منافق مشرکوں کے ساتھ جا کر مل گیا اور سلافہ بنت سعد کے پاس جا کر اترا، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں، امام حاکمؒ فرماتے ہیں امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

اور ابن سعدؒ نے طبقات میں اپنی سند کے ساتھ محمود بن لبیدؒ سے روایت نقل کی ہے کہ بشیر بن حارثؒ نے قتادہ بن نعمانؓ کے چچا علیبۃ رفاعۃ بن زید پر زیادتی کی اور اس کے گھر میں نقب لگا کر ان کا کھانا اور دو

زرہیں چرالیں، قتادہؓ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو واقعہ بتایا، آپ نے بشیر کو بلایا اور اس سے اس کی تحقیق کی، اس نے اسی گھرانے میں سے لبید بن سہل کو جو حسب ونسب والے تھے مہتم کیا، چنانچہ آیات قرآنیہ بشیر کی تکذیب اور لبیدؓ کی برأت میں نازل ہوگئیں جب آیات قرآنیہ بشیر کی تکذیب میں نازل ہوئیں تو وہ مرتد ہوکر مکہ مکرمہ سے بھاگ گیا اور سلافہ بنت سعد کے پاس پڑاؤ کیا اور وہاں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کی ہجو میں اشعار کہنا شروع کیے۔ (سازش کے طور پر مسلمان ہوا تھا اب ظاہری اسلام کا پردہ اتار کر اپنے اصل روپ میں سامنے آگیا جو ارتداد وکفر کا تھا وگرنہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تربیت پایا ہوا کوئی شخص اسلام سے نہیں پھرا، یہ شخص حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گستاخ تھا اس کا اسلام تھا ہی نہیں (مترجم) تب اس کے بارے میں (آیت) "ومن یشاقق الرسول"۔ (الخ) یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس کی ہجو کی یہاں تک کہ وہ وہاں سے لوٹ آیا۔ اور یہ واقعہ ماہ ربیع ٤ ھ میں پیش آیا۔

یعنی جو شخص یا گروہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس طرح مخالفت کرے کہ آپ کے مقابلے میں آجائے، ایک طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہوں دوسری طرف یہ شخص یا گروہ ہو اور حق معلوم ہوجانے کے باوجود مومنوں کے سیدھے اور صاف رستے سے (جو کہ ہر حال میں اتباع رسول ہے) ہٹ جائے تو ہم بھی اسے اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ پھرے گا اور اسی ٹیڑھی راہ پر جانے دیں گے جو کہ اسے جہنم میں لے جا کر ڈال دے گی اور وہ بہت برا راستہ ہے۔ ہدایت کے واضح ہوجانے کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی، دین اسلام سے خروج ہے، جس پر یہاں جہنم کی وعید بیان فرمائی گئی ہے۔ مومنین سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں جو دین اسلام

کے اولین پیروکار اور اس کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھے، کیونکہ ان آیات کے نزول کے وقت ان کے سوا مومنین کا کوئی اور گروہ موجود نہیں تھا کہ وہ مراد ہو۔ اس لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت اور غیر سبیل المومنین کا اتباع دونوں حقیقت میں ایک ہی چیز کے نام ہیں، اس لیے صحابہ کرامؓ کے راستے اور منہج سے انحراف بھی کفر ہے۔ اتباع رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر زور دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)[آل عمران:۳۱] "کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہیں تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔" اور فرمایا: (فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ)[النور:۶۳] "سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کا حکم ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آ پہنچے، یا انھیں دردناک عذاب آ پہنچے۔"

ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی، دین اسلام سے خروج ہے جس پر یہاں جہنم کی وعید بیان فرمائی ہے۔ بعض علماء نے سبیل المومنین سے مراد اجماع امت لیا یعنی اجماع امت سے انحراف بھی کفر ہے۔ اجماع امت کا مطلب ہے کسی مسئلے میں امت کے تمام علماء وفقہا کا اتفاق۔ یا کسی مسئلے پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق یہ دونوں صورتیں اجماع امت کی ہیں اور دونوں کا انکار یا ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔ اجماع صحابہؓ کے بعد کسی مسئلے میں پوری امت کے اجماع و اتفاق کے دعوے تو بہت سے مسائل میں کئے گئے ہیں لیکن فی الحقیقت ایسے اجماعی مسائل بہت ہی کم ہیں۔ جن میں فی الواقع امت کے تمام علما وفقہا کا

اتفاق ہو۔ تاہم ایسے جو مسائل بھی ہیں، ان کا انکار بھی صحابہؓ کے اجماع کے انکار کی طرح کفر ہے اس لیے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے"۔ [1]

ابن ابی حاتمؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ مجھ کو معاویہ نے بلایا اور کہا کہ اپنے بھائی کے بیٹے سے بیعت کرلو میں نے عرض کیا کہ اے معاویہ لفظ آیت "ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا" اس آیت نے ان کو مجھ سے خاموش کر دیا۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے مجاہدؒ "نولہ ما تولی" کے بارے میں روایت کیا کہ ہم اس کو باطل معبودوں کی طرف پھرنے دیتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرنا حرام ہے

ابن ابی حاتمؒ نے مالکؒ سے روایت کیا کہ عمر بن عبد العزیزؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے بعد (یعنی خلفائے راشدین) نے کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں ان کو اپنانا اللہ کی کتاب کی تصدیق اور اللہ کی اطاعت کو کمال تک پہنچانا اللہ کے دین کو قوت دینا ہے اب کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس میں تغیر وتبدیل کرے یا اس کے خلاف کسی چیز میں نظر کرے جو شخص اس کی اقتداء کرے گا وہ ہدایت پانے والا ہے اور جو شخص اس کے ذریعہ مدد طلب کرے وہ مدد کیا ہوا ہے اور جس شخص نے اس کی مخالفت کی اور مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستے کی تابعداری کی تو اللہ تعالیٰ پھرنے دیتا ہے اس کو جس طرف وہ پھرے اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ برا ٹھکانا

۱۔ (صحیح ترمذی)

ہے۔

ترمذی اور بیہقیؒ نے الاسماء والصفات میں ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائیں گے اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے (جو حق پر ہو) الگ ہوا وہ جہنم کا ایندھن بنا۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾ ﴾

بیشک اللہ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور وہ بخش دے گا اس کے سوا جو بھی گناہ ہوگا، جس کے لیے چاہے گا، اور جس نے شرک کیا، تو وہ یقینا (راہ حق سے) بھٹک کر جا پڑا دور کی گمراہی میں۔

ربط آیات: گزشتہ آیات میں مومن کے قتل پر شدید وعید تھے اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ احکام شرعیہ کے اجراء کے لیے مومن کا صرف ظاہری اسلام کافی ہے۔ پس جو شخص اسلام کا اظہار کر دے اس کے قتل سے ہاتھ روکنا واجب ہے۔ محض شک وشبہ کی بنا پر قتل کرنا جائز نہیں۔ اس کے بعد جہاد اور ہجرت کی ترغیب اور سعادت دارین کا وعدہ اور جہاد کے دوران دشمن کے خوف اور سفر کی رعایت سے نماز میں تخفیف کی سہولت کا بیان ہے۔ پھر منافقوں کے ایک شرانگیز واقعہ کا بیان اور خیانت کرنے والے کی حمایت کرنے سے منع کیا گیا اگرچہ وہ کلمہ گو ہی ہو اور یہ بتایا گیا کہ مقدمات کا فیصلہ عدل وانصاف سے ہونا چاہیے۔ یہاں شرک کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ توبہ کے بغیر کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہوگا۔

البتہ شرک وکفر کے علاوہ دوسرے گناہ اگر اللہ چاہے تو، توبہ کے بغیر بھی معاف فرمادے گا۔

شان نزول:

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ایک معمر اعرابی کے حق میں نازل ہوئی اس نے سید عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دربار میں حاضر ہوکر عرض کی حضور میں بوڑھا ہوں اور بے حد سیاہ کار مگر میں نے جب سے اللہ تعالیٰ پر یقین کیا اس پر ایمان لایا اس وقت سے کبھی میں نے اس کا شریک نہیں مانا اور اس کے سوا کسی کو اپنا حمایتی اور مددگار حقیقی نہ جانا اور جرأت کر کے کبھی گناہ میں مبتلا نہیں ہوا اور ایک پل بھی میں نے یہ گمان نہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے بھاگ سکتا ہوں۔ شرمندہ ہوں اور توبہ کرتا ہوں اس کی مغفرت چاہتا ہوں فکرمند ہوں کہ یوم حشر میرا کیا حال ہوگا اس پر یہ آیت نازل ہوئی یہ نص صریح ہے کہ شرک کرنے والا اگر شرک کرتا مرجائے تو بخشا نہ جائے گا۔ البتہ اگر مشرک اپنے شرک سے توبہ کرے اور اس کے بعد مرے تو اس کی توبہ اور ایمان مقبول ہے۔ [1]

پچھلی چند آیات سے منافقوں کا ذکر چلتا آرہا ہے، جو پیغمبر کے فیصلوں کو ناپسند کرتے اور جدا راستے پر چلتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشتا، تو معلوم ہوا کہ اگر اسلام کے سوا کسی دوسرے دین (یعنی طریقہ) کو محبوب رکھا جائے تو یہ شرک ہے، کیونکہ اسلام کے سوا جو دین بھی ہے سب شرک ہے، اگرچہ پرستش کا شرک نہ بھی کیا جائے اور شرک ناقابل معافی جرم ہے، جسے اللہ کسی صورت میں بھی معاف نہیں کرے گا، ارشاد فرمایا: (وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ)[الحج:۳۱] "اور جو اللہ کے ساتھ شریک

۱۔ (روح المعانی، مدارک)

ٹھہرائے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لیتے ہیں، یا اسے ہوا کسی دور جگہ میں گرا دیتی ہے۔"

سیدنا معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا: "اے معاذ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟" عرض کی، اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "(اللہ کا بندوں پر حق) یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کریں۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہوئے مر جائے وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔"[2]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سب سے کم عذاب والے دوزخی سے فرمائے گا، اگر زمین کی تمام چیزیں تیرے پاس ہوتیں تو کیا تو اس عذاب سے نجات پانے کے لیے (وہ سب کچھ بطور فدیہ) دے دیتا۔ وہ عرض کرے گا، ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے تو تجھ سے اس سے (بہت) زیادہ آسان چیز کا سوال کیا تھا اور تو اس وقت صلب آدم میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا (لیکن) تو نے شرک ہی کا ارتکاب کیا۔"[3]

یہ آیت اس سے پہلے النساء: ٤٨ میں بھی گزر چکی ہے' یہاں اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ذکر فرمایا

۱۔[بخاری، کتاب التوحید، باب ماجاء فی دعاء النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) أمتہٗ إلی توحید اللہ تعالیٰ: ۷۳۷۳]

۲۔[بخاری، کتاب الجنائز، باب ومن کان آخر کلامہ لا إلہ إلا اللہ: ۱۲۳۸۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی من مات لا یشرک باللہ شیءا: ۹۲]

۳۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریتہٗ: ۳۳۳٤۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب طلب الکافر الفداء: ۲۸۰۵]

ہے' کیونکہ قرآن مجید میں عمومات وعد اور عمومات وعید کا بار بار ذکر کیا گیا ہے' اس سے پہلی آیات میں زرہ چوری کرنے والے منافق کے متعلق آیات وعید ذکر فرمائی تھیں' اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ شرک نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا۔

﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ ﴾

یہ (مشرک) لوگ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر کچھ عورتوں (کے ناموں) کو، اور یہ نہیں پکارتے مگر اس بڑے سرکش شیطان کو۔ (۱۱۷) جس کو اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے۔ (وہ شیطان) جس نے اللہ سے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔ (۱۱۸)

شان نزول: (آیت) "ان یدعون من دونہ"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "ان یدعون من دونہ"۔ یعنی من دون اللہ، (آیت) "الا اناثا"۔ یہ اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ بتوں کی عبادت کرتے تھے، ان نافیہ بمعنی ما ہے، اناثا" سے مراد بت ہیں یعنی لات، عزی اور مناۃ، ہر قبیلہ کا ایک بت تھا۔ جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے: انثی بنی

فلاں" یہ حسنؒ اور حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ [1]

ہر بت کے ساتھ اس کا شیطان ہوتا تھا وہ بتوں کے مجاروں اور کاہنوں کو نظر آتا اور ان سے کلام کرتا، یہ کلام بطور تعجب ذکر کی گئی ہے، کیونکہ ہر جنس سے مونث کمزور اور گھٹیا ہوتی ہے۔ پس یہ ان لوگوں کی جہالت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پتھروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کا نام مونث رکھتے ہیں یا اس کے بارے عقیدہ مونث کا رکھتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا: (آیت) "الا انثا" سے مراد موات (مردے) ہیں، کیونکہ مردوں میں روح نہیں ہوتی۔ [2]

مشرکین کے بتوں کا مونث ہونا

اللہ تعالیٰ نے ان کے بتوں کو مونث فرمایا ہے کیونکہ یہ خود اپنے بتوں کو مونث کہتے تھے' ابو مالک نے کہا کہ لات' منات اور عزی سب مونث ہیں' ابن زیدؒ نے کہا لات' عزی' سیاف اور نائلہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے تھے وہ مونث ہیں' ضحاکؒ نے اس کی تفسیر میں کہا وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے' اور بعض نے یہ کہا کہ وہ اپنے بتوں کا نام مونث رکھتے' اس لیے اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے سوا صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ [3]

اس آیت کریمہ میں شرک کی انتہا درجہ کی پلیدگی اور مشرکین کی انتہا درجہ کی حماقت بیان کی گئی ہے کہ وہ ایسے بتوں کی پوجا کرتے ہیں جنھیں انھوں نے عورتوں کے نام دے رکھے ہیں، جیسے لات، منات، عزیٰ

۱۔ (تفسیر الحسن البصری، جلد ۲ صفحہ ۳۶۵)

۲۔ (تفسیر الماوردی جلد ۱ صفحہ ۵۱۹)

۳۔ (جامع البیان ج ٤ ص ۳۷۸۔۳۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

وغیرہ، تو یہ دراصل ابلیس کی عبادت کرتے ہیں، کیونکہ شیطان ہی نے انھیں اس کا حکم دیا اور مزین اور خوبصورت کر کے پیش کیا، لہٰذا درحقیقت یہ ابلیس ہی کی پوجا ہے۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنَاثًا: "اِنَاثٌ" یعنی عورتیں، اس سے مراد یا تو وہ بت ہیں جن کے نام مونث تھے جیسے لات، منات اور عزیٰ وغیرہ اور یا مراد فرشتے ہیں، کیونکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے اور ان کی عبادت کرتے تھے جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى. وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى. اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى. تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى. اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى) [النجم: ۱۹ تا ۲۳] "پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔ اور تیسری ایک اور (دیوی) منات کو۔ کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اس کے لیے لڑکیاں؟ یہ تو اس وقت ناانصافی کی تقسیم ہے۔ یہ (بت) چند ناموں کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ یہ لوگ صرف گمان کے اور ان چیزوں کے پیچھے چل رہے ہیں جو ان کے دل چاہتے ہیں اور بلاشبہ یقیناً ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی۔" اور فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى) [النجم: ۲۷] "بیشک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقیناً وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے ناموں کی طرح رکھتے ہیں۔" اور فرمایا: (اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا) [بنی اسرائیل: ۴۰] "پھر کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ چن لیا اور خود فرشتوں میں سے بیٹیاں بنا لی ہیں؟ بیشک تم یقیناً

ایک بہت بڑی بات کہہ رہے ہو۔

"وَاِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا : بتوں، فرشتوں اور دیگر ہستیوں کی عبادت دراصل شیطان کی عبادت ہے، کیونکہ شیطان ہی انسان کو اللہ کا در چھڑوا کر دوسروں کے آستانوں اور چوکھٹوں پر جھکاتا ہے، ارشاد فرمایا: (اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَیۡكُمۡ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّیۡطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ")[یٰسٓ: ٦٠] "کیا میں نے تمہیں تاکید نہ کی تھی اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" اور فرمایا: (یٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّیۡطٰنَ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ عَصِیًّا)[مریم: ٤٤] "اے میرے باپ! بیشک شیطان کی عبادت نہ کر، بیشک شیطان ہمیشہ سے رحمٰن کا نافرمان ہے۔"

عبداللہ بن احمدؒ نے الزوائد المسند میں وابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے ابی بن کعبؓ سے لفظ آیت "ان یدعون من دونہ الا اناثا" کے بارے میں روایت کیا کہ ہر بت کے ساتھ ایک جنی عورت ہوتی ہے۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذرؒ نے ابو مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ "ان یدعون من دونہ الا اناثا" یعنی لات عزی اور منات سب مونث ہیں۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا ہے کہ "ان یدعون من دونہ الا اناثا" کہ ان کے نام عورتوں والے رکھتے تھے (جیسے لات، منات اور عزی)۔

ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ان یدعون من دونہ الا اناثا" سے مردہ مراد ہے۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے حسنؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا

کہ "اناث" سے ہر وہ چیز مراد ہے جس میں روح نہ ہو جیسے خشک لکڑی اور خشک پتھر۔

عبد بن حمید وابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ "الا اناثا" سے میت مراد ہے جس میں روح نہ ہو۔

سعید بن منصور وابن جریر وابن المنذرؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ عرب کے قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کے لیے ایک بت تھا جو اس کی عبادت کرتے تھے اور جنہیں وہ انثی بنی فلاں کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "ان یدعون من دونہ الا اناثا"۔

ابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے ضحاکؒ سے لفظ آیت "ان یدعون من دونہ الا اناثا" کے بارے میں روایت کیا کہ مشرکوں نے کہا فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تا کہ یہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں پھر فرمایا انھوں نے ان کو رب بنا رکھا تھا اور ان کی عورتوں والی صورتیں بنا رکھی تھیں۔ ان کے زیور اور ہار پہنائے اور کہتے ہیں یہ (مورتیاں) اللہ کی بیٹیوں کے مشابہ ہیں جن کی ہم عبادت کرتے ہیں اور اس سے فرشتے مراد لیتے ہیں۔

عبد بن حمیدؒ نے کلبیؒ سے روایت کیا کہ ابن عباسؓ اس حروف کو یوں پڑھتے تھے "ان یدعون من دونہ الا اناثا وان یدعون الا شیطنا مریدا" پھر فرمایا ہر بت کے ساتھ ایک شیطان عورت ہوتی ہے۔

عبد بن حمید وابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ "الا اناثا" سے "الا اناثا"۔

ابو عبیدؒ نے فضائل القرآن میں ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن الانباریؒ نے مصاحف میں عائشہؓ سے روایت کیا کہ وہ اس کو اس طرح پڑھتی تھیں لفظ آیت "ان یدعون من دونہ الا اناثا" اور ابن جریرؒ کا الفاظ: حضرت عائشہؓ کے مصحف میں یوں تھا "الا اوثانا"۔

الخطیبؒ نے اپنی تاریخ میں عائشہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یوں پڑھا"

ان یدعون من دونہ الا انثیٰ"۔

ابن ابی حاتمؒ نے مقاتل بن حیانؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ان یدعون الاشیطنا" میں شیطان کا معنی ابلیس ہے۔

سفیانؒ سے روایت ہے کہ "ان یدعون من دونہ الاشیطنا" سے مراد ہے کہ کوئی بت ایسا نہیں ہوتا جس میں شیطان نہ ہو۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ "مریدا" سے مراد ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں سرکشی کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "وقال لاتخذن من عبادک نصیبا مفروضا"۔ یہ شیطان نے کہا تھا یعنی میں اپنی گمراہ کن چالوں کے ساتھ ان کو تیری اطاعت سے نکالوں گا اور اپنی گمراہی کے ساتھ انھیں گمراہ کروں گا، یہ کفار اور نافرمان لوگ ہیں خبر میں ہے "ہر ہزار میں سے ایک اللہ کے لیے ہوگا باقی شیطان کے لیے ہوں گے"۔ [1]

اس آیت کا تعلق "شیطان مرید" سے ہے کہ اللہ نے ابلیس پر لعنت بھیج دی تو اس نے کہا کہ میں تیرے بندوں کی عبادت سے اپنا حصہ ضرور نکالوں گا۔ مقرر شدہ حصہ سے مراد وہ نذر و نیاز بھی ہوسکتی ہے جو مشرکین اپنے بتوں اور قبروں میں مدفون اشخاص کے نام نکالتے تھے اور جہنمیوں کا وہ کوٹہ بھی ہوسکتا ہے جنھیں شیطان گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گا۔

سیدنا ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ

۱۔ (معالم التنزیل، جلد ۲، صفحہ ۱۵۹

(قیامت کے دن) فرمائے گا کہ اے آدم! پس وہ کہیں گے کہ اے اللہ! میں تیری خدمت میں بار بار حاضر ہوں اور سب بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ پھر اللہ فرمائے گا کہ دوزخ کا لشکر نکال (دوزخی لوگوں کو نکال)۔ وہ پوچھیں گے کہ کتنے لوگوں کو نکالوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ پس اس وقت (مارے خوف کے) بچہ بوڑھا ہوجائے گا: (وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ)[الحج:۲]" اور ہر حمل والی اپنا حمل گرادے گی اور تو لوگوں کو نشے میں دیکھے گا، حالانکہ وہ ہرگز نشے میں نہیں ہوں گے اور لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔" صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! وہ (ہزار میں سے) ایک (جنتی) ہم میں سے کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "خوش ہوجاؤ! تم میں سے ایک آدمی کے مقابلے میں یاجوج ماجوج (اور دوسرے کافروں) میں سے ہزار آدمی ہوں گے۔"[1]

ابن ابی حاتمؒ نے مقاتل بن حبانؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "وقال لاتخذن من عبادک" سے شیطان کا قول ہے "نصیبا مفروضا" یعنی ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم میں اور ایک جنت میں جائے گا۔

ابن ابی حاتمؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وقال لاتخذن من عبادک نصیبا مفروضا" سے مراد ہے کہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کریں گے اور وہ میری جماعت میں ہوں گے۔

ابن جریرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "نصیبا مفروضا" سے مراد ہے حصہ جو معلوم ہے۔

ابن المنذرؒ نے ربیع بن انسؒ سے "وقال لاتخذن من عبادک نصیبا مفروضا" کے بارے میں روایت کیا

۱۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، قصۃ یأجوج ومأجوج:۳۳۴۸]

کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے (دوزخ کے لیے)۔

﴿ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ
الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ
الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا
مُّبِيْنًا ؕ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا
غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا
مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ
حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ ﴾

اور یقینا میں انھیں ضرور گمراہ کروں گا اور یقینا میں انھیں ضرور آرزوئیں دلاؤں گا
اور یقینا میں انھیں ضرور حکم دوں گا تو یقینا وہ ضرور چوپاؤں کے کان کاٹیں گے اور
یقینا میں انھیں ضرور حکم دوں گا تو یقینا وہ ضرور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت بدلیں
گے اور جو کوئی شیطان کو اللہ کے سوا دوست بنائے تو یقینا اس نے خسارہ اٹھایا، واضح

خسارہ۔(۱۱۹) وہ لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انھیں امیدیں دلاتا ہے' اور شیطان کے وعدے سراسر فریب ہیں۔(۱۲۰) ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں پاسکیں گے۔(۱۲۱) اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے ہم انھیں ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا؟۔(۱۲۲)

شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے چار دعوے ذکر کیے ہیں' پہلا دعوی اس نے یہ کیا تھا کہ میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ہدایت کے راستہ سے ہٹا دے گا' اور دوسروں نے کہا کہ شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دے گا' اور یہی صحیح ہے۔

شیطان کی جھوٹی آرزوئیں ڈالنے کا معنی

شیطان کا دوسرا دعوی یہ تھا کہ میں ضرور لوگوں کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا' اس کی تفسیر میں چار قول ہیں' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوگوں کے دلوں میں یہ آرزو ہوگی کہ نہ جنت ہو نہ دوزخ' اور نہ حشر ونشر ہو' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کے دلوں میں توبہ اور استغفار میں تاخیر کرنے اور اس کے ٹالنے کو

ڈالتا رہے گا' یہ بھی حضرت ابن عباس ؓ کا قول ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کے دلوں میں یہ آرزو ڈالے گا کہ آخرت میں ہمیں بہت بڑا اجر وثواب ملے گا۔ یہ زجاج کا قول ہے' ہمارے زمانہ میں بعض جاہل پیر اپنے مریدوں سے کہتے ہیں کہ اگر اللہ نے مجھے مقام وجاہت عطا کیا تو میں فلاں کو بخشوالوں گا' اور جب میں محشر میں اٹھوں گا تو شور مچ جائے گا دیکھو فلاں آ گیا ہے' ہم اس قسم کے اقوال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں' ہماری تو آرزو یہ ہے کہ اللہ ہمیں عذاب سے نجات دے دے اور یہ اس کا ہم پر بہت بڑا کرم ہے' جنت اور اس کی نعمتوں کے ہم کب لائق ہیں' چوتھا قول یہ ہے کہ وہ ان کی آرزوؤں کو ان کے لیے مزین کر دے گا۔

مویشیوں کے کان چیرنے کا معنی

شیطان کا تیسرا دعوی یہ تھا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے۔

قتادہ ؒ عکرمہ' اور سدی ؒ نے کہا کہ اس کا معنی ہے وہ بحیرہ کے کان چیرنے کا حکم دے گا' بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے کہ جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جنتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا' تو وہ اونٹنی کے کان چیر دیتے اور اس سے نفع اٹھانا بند کر دیتے' وہ اونٹنی جس جگہ سے چاہے پانی پیے اور جس چراگاہ سے چاہے چرے اس کو کوئی منع نہیں کرتا تھا' اور نہ کوئی شخص اس پر سوار ہوتا تھا شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ یہ تمام کارروائی عبادت ہے۔ [1]

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب ؒ بیان کرتے ہیں کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنے سے بتوں کے لیے منع کیا جاتا تھا

۱۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۱۹)

'اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔[1]

تغیر خلق اللہ کا معنی

شیطان کا چوتھا دعوی یہ تھا کہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے۔ تغیر خلق اللہ یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کرنے کی بھی پانچ صورتیں ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ایک روایت میں حسن بصریؒ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے ہاتھ پیروں پر نقش ونگار گودواتی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

علقمہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان عورتوں پر لعنت کی جو اپنے جسم پر گودواتی ہیں اور اپنے بال اکھاڑتی ہیں اور خوب صورتی کے لیے اپنے دانتوں کے درمیان جھریاں کرواتی ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلتی ہیں' ام یعقوب نے کہا آپ ان پر کوئی لعنت کرتے ہیں؟ کہا میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لعنت کی ہے اور اللہ کی کتاب میں ان پر لعنت ہے۔ اس عورت نے کہا میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے۔ مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی' حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اگر تم قرآن پڑھتیں تو تم کو یہ آیت مل جاتی کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: (آیت) "وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا"۔

ترجمہ: اور رسول تم کو جو (احکام) دیں وہ لے لو' اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے رک جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس عورت پر لعنت کی جو

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۵۲۲)

ایک عورت کے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملاتی ہے اور جو عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال لگواتی ہے اور جسم کو گودنے والی پر اور گودوانے والی عورت پر لعنت کی ہے۔ [1]

جو مرد ڈاڑھی منڈواتے ہیں' عورتوں کی طرح چوٹی کرتے ہیں اور جو عورتیں مردوں کی طرح بال کٹواتی ہیں یا سر منڈاتی ہیں اور جو بوڑھے مرد بالوں کو سیاہ خضاب لگاتے ہیں یہ سب اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کر رہے ہیں' سفید بالوں کو عنابی' زرد یا مہندی کے رنگ سے رنگنا اس حکم میں داخل نہیں ہے' کیونکہ اس رنگ کا خضاب حدیث سے ثابت اور مطلوب اور مستحب ہے۔

اس سلسلہ میں دوسرا قول حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن ابی طلحہؓ کا ہے۔ سعید بن جبیرؒ ' سعید بن مسیبؒ ' نخعیؒ ' ضحاکؒ ابن زید اور مقاتلؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ان کے نزدیک تغیر خلق اللہ کا معنی ہے اللہ کے دین کو بدلنا اور اس میں تغیر کرنا' حرام کو حلال' اور حلال کو حرام کہنا۔

تیسرا قول حضرت انس بن مالکؓ ' مجاہدؒ ' قتادہ اور عکرمہؒ کا ہے ان کے نزدیک کسی انسان کا خصی ہونا اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنا ہے۔

چوتھا قول ابوشیبہؒ کا ہے کہ تغیر خلق اللہ کا معنی ہے اللہ کے امر میں تغیر کرنا۔

پانچواں قول زجاج کا ہے کہ تغیر خلق اللہ کا معنی ہے سورج' چاند اور پتھروں کی عبادت کرنا' کیونکہ سورج' چاند اور پتھروں کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے نفع کے لیے بنایا تھا اور مشرکوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۹۴۰' ۵۹۳۹' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۱۲۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۱۶۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۷۹۱' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۵۱۱۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۹۸۹' المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۷۴۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۲۶' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ۶۰۰' مسند احمد ج ۲' رقم الحدیث: ۴۱۲۹' ۴۳۴۳)

شیطان کو کیسے علم ہوا کہ اس کے پیروکار زیادہ ہوں گے

ایک سوال یہ ہے کہ شیطان کو کیسے معلوم ہو گیا کہ وہ ضرور لوگوں کو گمراہ کر دے گا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تو اکثر انسانوں کو شکر گزار نہیں پائے گا (الاعراف: ۱۷) اور کہا میں قلیل لوگوں کے سوا آدمؑ کی تمام ذریت کو جڑ سے اکھاڑ دوں گا (بنو اسرائیل: ۶۲) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ ابلیس کا گمان تھا جو واقع کے مطابق ثابت ہوا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا: میں تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا (ص: ۸۵) تو شیطان نے جان لیا کہ اس کے پیروں کاروں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب اس کی وجہ سے حضرت آدم (علیہ السلام) کو لغزش ہوگئی تو اس نے جان لیا کہ ان کی اولاد کو بہکانا تو زیادہ آسان ہے' چوتھا جواب یہ ہے کہ فرشتوں نے جب اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ کیا تو اس کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا (البقرہ: ۳۰) تو اس نے جان لیا کہ اکثر انسان اس کے پیروکار بن جائیں گے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ شیطان نے جو کہا تھا کہ میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اس کا معنی یہ ہے کہ میں ان کو ضرور گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا' چھٹا جواب یہ ہے کہ جب اس نے جنت اور دوزخ کو دیکھا تو جان لیا کہ دوزخ میں رہنے کے لیے بھی ایک مخلوق بنائی جائے گی اس لیے اس نے کہا تھا: میں تیرے بندوں میں سے ضرور مقرر حصہ لوں گا۔ (النساء: ۱۱۸)

ابن جریر و ابن ابی حاتمؒ نے عکرمہؒ سے لفظ آیت "ولاضلنہم ولامنینہم ولامرنہم فلیبتکن اذان الانعام" کے بارے میں روایت کیا کہ وہ دین جس کو ابلیس نے ان کے لیے بنایا جیسے بحیرہ اور سائبہ کی ہیئت۔

عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے "فلیبتکن اذان الانعام" کے بارے میں روایت کیا کہ (بتوں کے نام پر) کان کاٹنا بحیرہ میں اور سائبہ میں وہ اپنے بتوں کے لیے جانوروں کے کان کاٹ دیتے تھے۔

ابن المنذرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فلیبتکن اذان الانعام" سے مراد ہے کہ وہ جانوروں کے کان کاٹ دیتے ہیں۔

ابن جریر وابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ جانوروں کے کانوں کو پھاڑ دیتے اور اس کو بحیرہ بنا دیتے تھے۔

بلاضرورت خصی کرنا ناپسندیدہ عمل ہے

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے خصی کرنے کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ اس کے بارے میں (یہ آیت) اتاری گئی لفظ آیت "ولامرنہم فلیغیرن خلق اللہ"۔

عبدالرزاق وابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذرؒ نے انس بن مالکؓ سے روایت کیا کہ وہ خصی کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور فرمایا اس بارے میں (یہ آیت) نازل ہوئی لفظ آیت "ولامرنہم فلیغیرن خلق اللہ" اور عبدالرزاقؒ کے لفظ میں یوں فرمایا جس نے اللہ کی تخلیق کو بدل ڈالا وہ خصی کرنا ہے۔

ابن ابی شیبہ وابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ جانوروں کو خصی کرنا مثلہ ہے پھر یہ آیت "ولامرنہم فلیغیرن خلق اللہ"۔

عبد بن حمیدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ "ولامرنہم فلیغیرن خلق اللہ" سے خصی کرنا مراد ہے۔

ابن ابی شیبہ و بیہقیؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے گھوڑے اور جانوروں کو خصی کرنے سے منع فرمایا اور ابن عمرؓ سے فرمایا اس کے ذریعہ مخلوقات میں اضافہ ہوتا ہے۔

ابن المنذر و بیہقیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کسی جانور کو باندھ کر پھر اس کو تیروں یا پتھروں یا گولیوں سے مارنے کو منع فرمایا اور جانوروں کو خصی کرنے سے بھی منع فرمایا۔

ابن ابی شیبہؒ نے وابن المنذرؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ عمر بن خطابؓ جانوروں کو خصی کرنے سے منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے جانوروں کی افزائش مذکروں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن جریرؒ نے شبیلؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے شہر بن حوشبؒ کو یہ آیت یوں پڑھتے ہوئے سنا لفظ آیت "فلیغیر ن خلق اللہ" اور فرمایا کہ خصی کرنا اس میں سے ہے میں نے ابو السیاح کو کہا تو اس نے حضرت حسنؒ سے بکری کو خصی کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔

عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذرؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فلیغیر ن خلق اللہ" سے خصی کرنا مراد ہے۔

ابن المنذر و بیہقیؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ وہ خصی کرنے کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے تھے اس کے ذریعہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی افزائش ہوتی ہے۔

ابن ابی شیبہ وابن جریرؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا کہ وہ خصی کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور فرمایا کہ اس

بارے میں یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت "ولامرنہم فلیغیرن خلق اللہ"۔

ابن ابی شیبہ وابن المنذرؒ نے عروہ رحمۃ اللہ سے روایت کیا کہ انھوں نے اپنے خچر کو خصی کیا۔

ابن المنذرؒ نے طاؤس رحمۃ اللہ سے روایت کیا کہ انھوں نے اپنے اونٹ کو خصی کیا۔

ابن ابی شیبہ وابن المنذرؒ نے محمد بن سیرینؒ سے روایت کیا کہ ان سے نروں کو خصی کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کوئی حرج نہیں اگر نروں کو چھوڑ دیا جائے تو اس کا بعض بعض کو کھائے۔

ابن ابی شیبہ وابن المنذرؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ جانوروں کو خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ابن المنذرؒ نے ابوسعید عبداللہ بن بشرؒ سے روایت کیا کی ہم کو عمر بن عبد العزیزؒ نے گھوڑے کو خصی کرانے کا حکم فرمایا اور عبد الملک بن مروان نے اس سے ہم کو منع فرمایا۔

ضروریات کے لیے خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں

ابن ابی شیبہ وابن المنذرؒ نے عطار حمۃ اللہ سے روایت کیا کہ ان سے نر کے خصی کرانے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کے نقص اور اس کے برے رویے کی وجہ سے خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولامرنہم فلیغیرن خلق اللہ" سے اللہ کا دین مراد ہے (کہ اس کو نہ بگاڑو)۔

ابن جریرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا لفظ آیت "فلیغیرن خلق اللہ" سے اللہ کا دین مراد ہے اور ان کا قول "فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ" (روم آیت ۳۰) میں فطرہ کا معنی دین ہے۔

سعید بن منصور وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر والبیہقیؒ نے ابراہیمؒ سے روایت کیا "فلیغیرن خلق

اللہ" سے اللہ کا دین مراد ہے۔

سعید بن منصور وابن المنذرؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ "فلیغیر ن خلق اللہ" سے اللہ کا دین مراد ہے۔

عبدالرزاق وآدم وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر والبیہقیؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ "فلیغیر ن خلق اللہ" سے مراد ہے کہ اللہ کا دین پھر (یہ آیت) پڑھی لفظ آیت "لاتبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم"۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے حسن رحمۃ اللہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فلیغیر ن خلق اللہ" سے سوئی سے گودنا مراد ہے۔

احمدؒ نے ابوریحانہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دس باتوں سے منع فرمایا دانتوں کو گھسا کر باریک کرنے سے، سوئی کے ساتھ گودنے سے، بال اکھاڑنے سے، مرد کا مرد کے ساتھ پردے کے بغیر اکٹھے ہونا، عورت کا عورت کے ساتھ بغیر پردے کے اکٹھے ہونا، اور کسی آدمی کا اپنے کپڑے کے نیچے ریشم لگانے سے بطور ملامت کے اور اپنے کندھوں پر عجمیوں کی طرح کوئی چیز رکھنے سے اور کسی کا مال لوٹنے سے، اور چیتے پر سوار ہونے سے اور انگوٹھی پہننے سے مگر بادشاہ کیلئے (بطور ضرورت جائز ہے)۔

احمد ومسلمؒ نے جابرؓ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عورت کو اپنے سر پر کوئی چیز لگانے سے سخت منع فرمایا۔

احمد وبخاری ومسلمؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ انصار میں سے ایک لڑکی نے شادی کر لی وہ بیمار ہوگئی اس کے بال گر گئے انھوں نے دوسرے بال لگوانے کا ارادہ کیا اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے

دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اللہ لعنت کرے بال لگانے والی اور لگوانے والی دونوں پر۔

انسانی بالوں کی پیوند کاری حرام ہے

احمد و بخاری، و مسلمؒ نے اسماء بنت ابوبکرؓ سے روایت کیا کہ ایک عورت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئی اور کہا رسول اللہ! اپنی بیٹی کی شادی کر رہی ہوں اس کو خسرہ کی بیماری لگی ہوئی تھی اس کی وجہ سے اس کے بال ختم ہو گئے۔ کیا میں اس کے سر پر دوسرے بال لگا سکتی ہوں؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ لعنت کرے بال لگانے اور لگوانے والی دونوں پر۔

عبید حمید و ابن ابی حاتمؒ نے قتادہؒ سے لفظ آیت "ولامرنہم فلایغیرن خلق اللہ" کے بارے میں روایت کیا کہ ان جاہل لوگوں کا کیا حال ہے جو اللہ کے رنگ کو بدل ڈالتے ہیں۔

ابن ابی حاتمؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ بلاشبہ سب سے سچی بات اللہ کا کلام ہے۔

بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ ہر وہ چیز جو آنے والی ہے وہ قریب ہے۔ خبردار وہ چیز ہے جو آنے والی نہیں ہے۔ خبردار اللہ تعالیٰ جلدی نہیں فرماتے کسی ایک کی جلدی کی وجہ سے، لوگوں کے عمور میں سے یہ امر اللہ کی مشیعت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لوگوں کی خواہش کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ایک کام کا ارادہ فرماتے ہیں اور لوگ بھی ایک کام کا ارادہ کرتے ہیں۔ جو اللہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اگرچہ لوگ نہ پسند کریں۔ اس چیز کے لیے قریب ہونا نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ دور فرما دیں گے اور نہیں ہے اس کے لیے دور ہونا جس کو اللہ قریب فرما دیں۔ اور کوئی چیز اللہ کے اذن کے بغیر واقع نہیں ہوتی۔ سب سے سچا کلام اللہ کا کلام ہے۔ اور سب سے اچھی ہدایت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہدایت ہے۔ اور برے کام وہ ہیں جو نئے نکالے ہوئے ہیں۔ اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت

گمراہی ہے۔اور دل میں جو چیزیں القا کی گئیں ان سے بہترین یقین ہے اور بہترین مال داری دل کی مال داری ہے۔اور بہترین علم وہ ہے جو نفع دے۔اور بہترین ہدایت وہ ہے جس کی اتباع کی جائے جو مال کہ تھوڑا ہو اور کافی ہو جائے وہ بہتر ہے اس زیادہ مال سے جو غافل کرنے والا ہو۔بلاشبہ تم میں سے ہر آدمی کا ٹھکانا چار ہاتھ جگہ ہے۔خبردار! لوگوں کو زچ نہ کرو اور نہ ان کو اکتاو کیونکہ ہر نفس کا نشات اور توجہ کا وقت ہوتا ہے۔اور اس کے لیے ایک وقت اکتاہٹ اور ادم توجہی کا بھی ہوتا ہے۔خبردار سب سے برے راوی جھوٹ کی روایت کرنے والے ہیں اور جھوٹ لے جانا ہے نافرمانی کی طرف اور نافرمانی لے جاتی ہے آگ کی طرف۔خبردار لازم پکڑو تم سچائی کو کیونکہ سچائی لے جاتی ہے نیکی کی طرف اور نیکی لے جاتی ہے جنت کی طرف اور اس میں عبرت حاصل کرو۔اے دو جماعتوں جو آپس میں ملی ہو تو سچ بولنے والے کے لیے کہا گیا سچائی اور نیکی اور جھوٹ بولنے والے کے لیے کہا گیا جھوٹ اور گناہ اور ہم نے تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی برابر سچ بولنا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے خبردار جھوٹ جائز نہیں ہے سنجیدگی میں اور مذاق میں اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ تم میں سے کوئی مرد اپنے بچے سے وعدہ کرے پھر اسے پورا نہ کرے۔خبردار اہل کتاب سے کوئی سوال نہ کرو کسی چیز کے بارے میں اس لیے کہ جب ان پر مدد لمبی ہوگئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور انھوں نے اپنے دین میں بدعتیں نکال لیں اور اگر لامحالہ ان سے سوال کرنا پڑے تو اگر وہ تمہاری کتاب سے موافق ہے تو اس کو لے لالو اور جو اس کے مخالف ہو اس سے رک جاؤ اور خاموشی اختیار کرو خبردار گھروں میں سے وہ گھر خالی ہے جس میں اللہ کی کتاب میں سے کوئی چیز نہ ہو خبردار اور وہ گھر جس میں اللہ کی کتاب میں سے

کوئی چیز نہ ہو وہ ویران ہے جیسے وہ گھر ویران ہے جس میں کوئی رہنے والا نہ ہو خبردار بلاشبہ شیطان اس گھر میں سے نکل جاتا ہے جس میں وہ سورہ بقرہ کو سنتا ہے جو اس میں پڑھی جاتی ہے۔

غزوہ تبوک کے موقع پر خطبہ

بیہقیؒ نے دلائل میں عقبہ بن عامرؓ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ غزوہ تبوک میں نکلے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بلندی پر چڑھے جب کہ اس میں سے ایک رات ایسی تھی کہ آپ نہیں جاگے یہاں تک کہ سورج ایک نیزہ پر آ گیا آپ نے فرمایا اے بلالؓ! میں نے تم کو نہیں کہا تھا آج رات ہماری حفاظت کرنا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ کر نیند غالب آ گئی جو مجھ پر غالب آیا وہ آپ پر بھی غالب آ گیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھوڑی دور دوسری جگہ منتقل ہو گئے اور وہاں نماز پڑھی پھر باقی دن اور رات چلتے رہے اور صبح کو ہم تبوک میں پہنچ گئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعاریف بیان فرمائی جیسی اس ذات کے لائق ہے۔ پھر فرمایا اما بعد! بلاشبہ سب سے سچا کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے مضبوط حلقہ تقویٰ ہے اور دینوں میں بہترین دین ابراہیم کا دین ہے اور بہترین طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا طریقہ ہے۔ بہترین گفتگو اللہ کا ذکر ہے جس سے اچھے قصے یہ قرآن ہے اور بہترین عمور قطعی احکام (فرائض) ہیں اور برے کام دین میں نئی باتیں نکالنا ہے اور سب سے اچھی ہدایت انبیاء کی ہدایت ہے۔ بہترین موت شہداء کی موت ہے اور سب سے زیادہ اندھا پن ہدایت کے بعد گمراہی ہے اور بہترین علم وہ ہے جو نفع دے اور بہترین ہدایت وہ ہے جس کا اتباع کیا جائے اور سب سے برا اندھا پن دل کا اندھا پن ہے اوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے جو مال تھوڑا ہو اور کافی ہو جائے اور بہتر وہ ہے جس مال سے جو زیادہ ہو اور اللہ کی یاد سے غافل

کرنے والا ہو اور بری معذرت موت حاضر ہونے کے وقت ہے۔ اور بری ندامت قیامت کی ندامت ہے اور لوگوں میں سے کچھ وہ ہیں جو آخر وقت میں نماز ادا کرتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جو صرف تھکاوٹ و اکتاہٹ میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں سب سے بری غلطی جھوٹ بولنے والی زبان ہے۔ اور بہترین مال داری دل کی مال داری ہے اور بہترین توشہ تقوی ہے۔ اور حکمت کی جڑ اللہ عزوجل سے ڈرنا ہے۔ اور دل میں جو چیز قرار پذیر رہی ان میں سے بہترین یقین ہے اور شک کرنا کفر میں سے ہے اور نوحہ کرنا جاہلیت کے کاموں میں سے ہے اور مال غنیمت میں سے چرانا جہنم کے ڈھیر میں سے ہے اور خزانہ آگ کا کاویہ ہے اور شعر کہنا ابلیس کے گانے بجانے کے آلات میں سے ہے، اور شراب گناہوں کے جمع کرنے والی ہے، عورتیں شیطان کا جال ہیں جوانی جنون میں سے ایک شعبہ ہے، سب سے بری کمائی سود کی کمائی ہے۔ اور سب سے برا کھانا یتیم کا مال ہے۔ اور نیک بخت وہ ہے جو اپنے علاوہ سے نصیحت حاصل کرنا ہے اور بدبخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بھی بدبخت ہو اور بلاشبہ تم سب کا ٹھکانا ہے چار ہاتھ جگہ ہے اور کام کی پہچان اس کے انجام میں سے ہے عمل کی روح اس کے خاتمہ میں سے ہے سب سے برے راوی جھوٹ روایت کرنے والے ہیں اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اور مومن کو گالی دینا فسق ہے اور مومن کو قتل کرنا کفر ہے اور اس کا گوشت کھانا اللہ کی معصیت میں سے ہے اور اس کے مال کی حرمت ایسی ہے جیسے کہ خون کی حرمت اور جو شخص اللہ تعالیٰ تاویلیں پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جھٹلاتا ہے اور وہ شخص معافی کا طلب گار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے اور جو شخص غصہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے غصہ ہوتے ہیں۔ اور جو شخص غصہ کو پی جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اجر دیں گے اور جو شخص کسی مصیبت پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اجر عطا فرماتا ہے اور جو شخص شہرت کے

پیچھے بھاگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے شہرت دے دیتا ہے۔ اور جو شخص صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا عطا فرماتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیتا ہے اے اللہ! میری اور میری امت کی مغفرت فرما اس کو تین مرتبہ فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

ابن ابی شیبہؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ وہ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے سب سے سچی بات اللہ کا کلام ہے پھر اس نے برابر گفتگو کی۔

ابلیس کے وعدوں کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابلیس ان سے وعدے کرتا ہے اور انھیں بڑی بڑی تمناؤں کے خواب دکھلاتا ہے، حالانکہ اس کا وعدہ سوائے دھوکا اور گمراہی کے کچھ نہیں ہوتا۔ ابلیس کے ان دوستوں کا ٹھکانا جہنم ہے، جس سے نکل کر وہ کہیں نہیں جاسکیں گے۔ شیطان کے وعدے پر بھروسا کرنا فریب نفس کے سوا کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہلے ہی ہوشیار کر دیا ہے۔

ارشاد فرمایا: (يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۟ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ)[فاطر:٥،٦]۔

"اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو کہیں دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور کہیں وہ دھوکے باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا نہ دے جائے۔ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ والوں کو صرف اس لیے بلاتا ہے کہ وہ بھڑکتی آگ والوں سے ہو جائیں۔" اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حوالے سے ابلیس کے بارے میں ارشاد فرمایا: (وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ

اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ)[ابراہیم:۲۲] "اور شیطان کہے گا، جب سارے کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا کہ بیشک اللہ نے تم سے وعدہ کیا، سچا وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو میں نے تم سے خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا، سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا تو تم نے میرا کہنا مان لیا، اب مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے ہو، بیشک میں اس کا انکار کرتا ہوں جو تم نے مجھے اس سے پہلے شریک بنایا۔ یقیناً جو لوگ ظالم ہیں انھی کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مربع شکل بنائی اور اس کے درمیان ایک خط کھینچا جو اس سے نکلا ہوا تھا اور (اس کے بعد) اس (مربع شکل) کے درمیانی خط کے اس حصہ میں جو مربع کے اندر تھا، کئی چھوٹے چھوٹے خطوط کھینچے اور فرمایا: "یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ باہر نکلا ہوا (خط) اس کی آرزو ہے اور چھوٹے چھوٹے خطوط مصائب ہیں، پس اگر وہ ایک سے بچ نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں گرفتار ہو جاتا ہے۔"[1]

شیطان کی عبادت کرنے والے مشرکین کا انجام بیان کرنے کے بعد رحمن کی عبادت کرنے والے اہل

۱۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الأمل وطولہ:٦٤١٧]

توحید کا انجام بیان کیا جا رہا ہے اور مشرکوں کے ساتھ شیطان کے جھوٹے وعدوں کے مقابلہ میں موحدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمل صالح کرنے والے مومنوں کے لیے دو نعمتوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، یعنی وہ ایسے باغات میں رہیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور دوسری یہ کہ ان باغات میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اپنی ان دو نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۔ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ)[البینۃ: ۷، ۸] ”بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وہی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا: سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے: ”بیشک سب سے زیادہ سچی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا طریقہ ہے اور بدترین امور وہ ہیں جن کو دین میں نیا ایجاد کر لیا گیا ہو اور دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔“ (۱)

۱۔ [نسائی، کتاب صلوۃ العیدین، باب کیف الخطبۃ: ۱۵۷۹۔ ابن خزیمۃ: ۳/ ۱۴۳، ح: ۱۷۸۵۔ مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ: ۸۶۷]

﴿ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٢٣﴾ ﴾

(نجات کا دارومدار) نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر، جو بھی برے کام کرے گا اس کی سزا پائے گا اور اللہ کے سوا کسی کو اپنا حامی و مددگار نہ پائے گا۔

شان نزول: لیس بامانیکم"

ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ یہود و نصاری نے کہا جنت میں ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں جائے گا اور قریش نے کہا کہ ہم دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے بیان حقیقت کے طور پر یہ آیت نازل فرمائی کہ نہ تمہاری آرزوئیں اور نہ اہل کتاب کی آرزوئیں کارگر ہوں گی۔

اور ابن جریرؒ نے مسروقؒ سے روایت کیا ہے کہ نصاری اور مسلمانوں نے باہم فخر کیا مسلمانوں نے کہا کہ ہم تم سے افضل ہیں اور نصاری نے کہا کہ ہم تم سے افضل ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ [1]

اس آیت کے سبب نزول میں تین قول ہیں:

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

(۱) قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور اہل کتاب نے ایک دوسرے پر فخر کیا' اہل کتاب نے کہا ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی لہٰذا ہم کو تم پر فضیلت ہے' مسلمانوں نے کہا ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتابوں کی ناسخ ہے اس لیے ہم افضل ہیں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [۱]

(۲) مجاہدؒ نے کہا یہ آیت قریش مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا تھا ہم مر کر دوبارہ اٹھیں گے نہ حساب و کتاب ہوگا' نہ ہم کو عذاب دیا جائے گا امام ابن جریرؒ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ [۲]

(۳) مجاہدؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا یہ قول ہے: یہود نے کہا ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا' اگر ہمیں عذاب ہوا بھی تو صرف چند دن ہوگا' اور نصاریٰ نے کہا ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا مشرکین عرب نے کہا: ہم مر کر دوبارہ اٹھیں گے نہ ہمیں عذاب ہوگا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر۔ [۳]

ہر گناہ پر سزا ہونے کے اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس نے بھی کوئی برا کام کیا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور برا کام عام ہے خواہ صغیرہ گناہ ہو یا کبیرہ۔

۱۔ (جامع البیان ج ٤ ص ۳۹۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

۲۔ (جامع البیان ج ٥ ص ۳۹۲')

۳۔ (جامع البیان جزء ٥ ص ۳۹۲')

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے گناہوں کے متعلق ہے، اس تقدیر پر یہ اشکال ہے کہ اگر ہر گناہ کی سزا ملے تو پھر مسلمانوں کی نجات بہت مشکل ہوگی اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت "من یعمل سوء یجزبہ" نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت دشوار ہوئی' اور ان کو بہت تشویش لاحق ہوئی اور انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کی شکایت کی آپ نے فرمایا نیک عمل کرنیکی کوشش کرتے رہو' مسلمان کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اس (کے گناہوں) کا کفارہ ہوجاتی ہے حتی کہ اگر اس کو کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ بھی اس کے لیے کفارہ ہوجاتا ہے۔[1]

حضرت ابوبکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! اس آیت کے بعد کس طرح بہتری ہوگی؟ آپ نے پوچھا: کون سی آیت کے بعد' عرض کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق ہوگا نہ اہل کتاب کی خواہشوں کے مطابق ہوگا جو بھی برا کام کرے گا اس کو اس کی سزا دی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم غم گین نہیں ہوتے؟ کیا تم کو مصیبت نہیں پہنچتی؟

۱۔ (مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث: ۷۳۹، سنن کبری للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۳)

فرمایا تمہاری برائیوں کی یہی سزا ہو جاتی ہے۔[1]

دوسرا جواب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے اجتناب کی وجہ سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں اور نیک کاموں کی وجہ سے بھی برے کام مٹا دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) "ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم وندخلکم مدخلا کریما"۔ (النساء:۳۱)

ترجمہ: اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کر دیں گے۔

(آیت) "ان الحسنات یذھبن السیات (ھود:۱۱٤)

ترجمہ: بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

وضو کرنے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں ایک نماز جمعہ سے دوسری نماز جمعہ کے درمیان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ عرفہ کا روزہ رکھنے سے ایک پچھلے اور ایک اگلے سال کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور حج کرنے سے ساری عمر کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان اپنے گناہوں پر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(آیت) "وھو الذی یقبل التوبہ عن عبادہ ویعفو اعن السیات"۔ (الشوری:۲۵)

ترجمہ: وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو انبیاء (علیہم السلام)، ملائکہ،

۱۔ (مسند احمد ج۱ رقم الحدیث:۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، سنن کبری للبیہقی ج۳ ص۳۷۳) حضرت عائشہ (رض) سے بھی اسی کی مثل مثل مروی ہے۔ (مسند احمد ج۹ رقم الحدیث:۲٤٦۵۹، ۲٤۲۵۵)

اولیاء کرام' علماء شہداء اور نیک اولاد کی شفاعت کی وجہ سے معاف فرما دے گا۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو اپنے فضل محض سے بھی معاف فرمائے گا۔ قرآن مجید میں بہت جگہ ہے (آیت) "یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء" وہ جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

صفوان بن محرز مازنی ؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابن عمر ؓ کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے جا رہا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا آپ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نجوی (سرگوشی کرنا) کی کیا تفسیر سنی ہے؟ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کر کے اس کے اوپر (اپنی رحمت کا) پردہ رکھ دے گا اور اس کو چھپا لے گا اور فرمائے گا تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا ہاں اے میرے رب! حتی کہ اللہ اس شخص سے اس کے تمام گناہوں کا اقرار کرا لے گا' اور وہ شخص یہ سمجھے گا کہ وہ اب ہلاک ہو گیا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرا پردہ رکھا تھا' اور آج میں تجھے بخش دوں گا پھر اس کو اس کی نیکیوں کی کتاب دی جائے گی اور رہے کافر اور منافق تو اللہ لوگوں کے سامنے فرمائے گا ان لوگوں نے اپنے رب کی تکذیب کی' سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ [1]

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت کفار اور مشرکین کے ساتھ مخصوص ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد مومنوں کے متعلق الگ آیت نازل فرمائی ہے: اور جن لوگوں نے

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۴۴۱' ۴۶۸۵' ۶۰۷۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۷۶۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۸۳' مسند احمد ج ۵' رقم الحدیث: ۱۶۲۰۰)

حالت ایمان میں نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے' نیز جب کفار کو ان کے ہر برے کام کی سزا دی جائے گی تو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کفار فروع کے مخاطب اور مکلف ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت: (مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ) (جو بھی کوئی برائی کرے گا اسے اس کی جزا دی جائے گی) نازل ہوئی تو مسلمان شدید پریشان ہوئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میانہ روی اور استقامت اختیار کرو، مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ (اس کے گناہوں کا) کفارہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ جو ٹھوکر لگتی ہے، یا کانٹا چبھتا ہے (تو وہ بھی گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے)۔"[1]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے یہ آیت پڑھی: (مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ) اور اس نے کہا، اگر ہم کو ہر (برے) عمل کی جو ہم نے کیا، سزا ضرور ملے گی تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ یہ بات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہنچی، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہاں، مومن کو اس کی مصیبت (کی صورت) میں جو اس کو اس کے جسم میں پہنچے اور جو اس کے لیے تکلیف دہ ہو (بہت سے برے عملوں کی) سزا مل جاتی ہے۔"[2]

ابن جریر و ابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے لفظ آیت "لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتب" کے بارے میں روایت کیا کہ اس سے مراد قریش اور کعب بن اشرف ہیں۔

ابن ابی شیبہؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ ایمان آراستہ ہونے اور آرزوئیں کرنے کا نام نہیں بیشک ایمان

۱۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ من مرض۔۔الخ:۲۵۷۴]

۲۔[مسند أبي یعلی:۸/۲۵۳۔مسند أحمد:۶/۶۵،۶۶،ح:۲۴۴۲۲۔مستدرک حاکم:۲/۳۰۸،ح:۳۲۰۳]

وہ ہے جو دل میں بیٹھ جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے۔

عبد بن حمید وابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ یہود ونصاری نے کہا کہ ہمارے علاوہ کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا تو قریش نے کہا ہم نہیں اٹھائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اتارا لفظ آیت "لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتب من یعمل سوءا یجزبہ" اور سوء سے مراد شرک ہے۔

احمد و ہناد وعبد بن حمید والحکیم الترمذی وابن جریر وابو یعلی وابن المنذر وابن حبان وابن السنیؒ نے عمل الیوم واللیلۃ میں اور حاکمؒ (نے اس کو صحیح کہا) وبیہقیؒ نے شعب الایمان میں الضیاءؒ نے المختارہ میں ابوبکر صدیقؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس آیت "لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتب من یعمل سواء یجزبہ" کے بعد بچاؤ کی کیا صورت ہوگی کیونکہ ہر برائی کی ہم سزا دیئے جائیں گے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے بوبکر اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بخش دیا ہے کیا تم کو تکلیف نہیں پہنچی کیا تو بیمار نہیں ہوتا کیا تو غم گین نہیں ہوتا کیا تم کو مصیبت نہیں آتی عرض کیا کیوں نہیں فرمایا یہ وہی ہے جس کا تم کو بدلہ دیا جارہا ہے۔

احمد والبزار وابن مردویہ والخطیبؒ نے المتفیق والمتفرق میں ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ میں نے ابوبکرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جو شخص کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کو دنیا میں سزا دی جاتی ہے۔

ابن سعید والترمذی والحاکم والبزار وابن المنذرؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ وہ عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس سے گزرے اور وہ سولی پر لٹکائے گئے تھے تو فرمایا اے ابوحبیبؓ اللہ تجھ پر رحم فرمائے میں نے تیرے باپ زبیرؓ سے سنا کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو

شخص غلطی کرتا ہے تو اس کو دنیا میں بدلہ دے دیا جاتا ہے۔(سند ضعیف ہے)

صدیق اکبرؓ پر خوف طاری ہونا

عبد بن حمید و ترمذی و ابن المنذرؒ نے ابوبکر صدیقؓ سے روایت کیا کہ میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تھا یہ آیت نازل ہوئی "من یعمل سوءا یجزبہ، ولا یجد لہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ابوبکرؓ میں تجھے وہ آیت نہ سناؤ جو مجھ پر نازل ہوئی میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ تو آپ نے وہ آیت مجھ پر پڑھ کر سنائی میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ میں نے محسوس کیا کہ میری پشت میں جوڑ ہل گیا ہے۔جس کی وجہ سے میں لیٹ گیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کیا ہوا تجھ کو اے ابوبکرؓ میں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہم میں سے کونسا ایسا شخص ہے جو گناہ نہیں کرتا کیا ہم کو ہر گناہ کا بدلہ دیا جائے گا جو ہم نے کئے۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے ابوبکر تم کو اور تیرے مومن ساتھیوں کو اس دنیا میں بدلہ دیا جائے گا۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو گے تو تمہارے لیے کوئی گناہ نہ ہوگا لیکن دوسرے (کافر لوگ) ان کے گناہوں کو جمع کیا جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن ان کو بدلہ دیا جائے گا۔

ابن جریرؒ نے ابوبکرؓ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت "من یعمل سوءا یجزبہ" نازل ہوئی تو ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ جو ہم عمل کرتے ہیں اس کی سزا دی جائے گی آپ نے فرمایا اے ابوبکر! کیا تم کو یہ تکلیف نہیں پہنچی؟ پس یہی تو کفارہ ہے۔

سعید بن منصور وھناد و ابن جریر و ابونعیمؒ نے الحلیہ میں و ابن مردویہؒ نے مسروقؒ سے روایت کیا کہ

ابوبکرؓ نے فرمایا یارسول اللہ! یہ آیت کتنی سخت ہے؟ "ومن یعمل سوءا یجزبہ" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مصائب امراض اور غم کا دنیا میں پہنچنا ان اعمال کا بدلہ ہے۔

دنیاوی تکالیف مومن کے گناہوں کا کفارہ ہے

سعید بن منصور واحمد و بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ابویعلی وابن جریر وبیہقیؒ نے شعب الایمان میں (صحیح سند کے ساتھ) اماں عائشہؓ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے اس آیت "ومن یعمل سوءا یجزبہ" کو پڑھا اور کہا کہ ہم پر اس کام کا بدلہ دیئے جائیں گے جو ہم نے کئے تو اس وقت ہم ہلاک ہوجائیں گے یہ بات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہنچی تو آپ نے فرمایا ہاں! مومن کو ان تکلیفوں کے ذریعہ دنیا ہی میں سزا دی جاتی ہے جو اس کی جان میں اور اس کے جسم میں پہنچتی ہیں۔

ابوداؤد وابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وبیہقیؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بلاشبہ میں قرآن مجید میں سب سے زیادہ سخت آیت کو جانتی ہوں۔ آپ نے فرمایا اے عائشہؓ وہ کیا ہے؟ میں نے کہا لفظ آیت "من یعمل سوءا یجزبہ" آپ نے فرمایا بندہ کو کوئی (دنیا میں) تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ کوئی صدمہ اس کو ہوتا ہے (یہی سزا ہے ان برے اعمال کی اے عائشہ! جس سے حساب لیا گیا وہ ہلاک ہوگیا اور جس کو محاسبہ ہوا اس کو عذاب دیا گیا میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا اللہ تعالیٰ نہیں فرماتے لفظ آیت "فسوف یحاسب حسابا یسیرا" آپ نے فرمایا یہ تو پیشی ہے اے عائشہؓ! جس سے حساب لیا گیا اس آیت سے ہے لفظ آیت "من یعمل سوءا یجزبہ" پھر فرمایا بلاشبہ مومن کو ہر چیز پر اجر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ موت کے وقت جو آدمی تکلیف ہوتی ہے (اس پر بھی اجر ملتا ہے۔

احمدؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب کسی بندے کے گناہ بہت ہو جائیں اور اس کے لیے کوئی چیز نہ ہو تو جس سے ان کے گناہوں کا کفارہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو غم میں مبتلا فرما دیتے ہیں تا کہ یہ غم اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔

ابن راھویہؒ (نے اپنی سند میں) وعبد بن حمید وابن جریر اور حاکمؒ (نے اس کو صحیح کہا) اور ابو المھلبؒ سے روایت کیا کہ میں نے کوچ کیا حضرت عائشہؓ کی طرف اس آیت کی تفسیر جاننے کے لیے یعنی لفظ آیت "من یعمل سوءا یجزبہ" تو انھوں نے فرمایا دنیا میں جو تم کو مصیبت پہنچتی ہیں یہی اس کا بدلہ ہے۔

سعید بن منصور وابن ابی شیبہ ومسلم وترمذی ونسائی وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ والبیہقیؒ نے اپنی سنن میں ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت "من یعمل سوءا یجزبہ" نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت بھاری ہوئی ان کو مصیبت پہنچی جو اللہ نے چاہا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بات کی شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا (ہر کام میں) میانہ روی اور اعتدال اختیار کرو اور اللہ کے نزدیکی چاہو اس لیے کہ تکلیف جو مسلمان کو پہنچی ہے وہ اس کے لیے کفارہ ہے یہاں تک کہ ایک کانٹا جو اس کو لگ جاتا ہے اس کے لیے کفارہ ہے اور کوئی آیت جو اس کو پہنچی ہے (اس کے لیے کفارہ ہے) اور ابن مردویہؒ کے نزدیک یہ الفاظ ہیں ہم روتے ہیں اور غم گین ہوتے ہیں (یہ بھی کفارہ ہے) اور ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت نے ہمارا کچھ نہیں چھوڑا آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلا شبہ یہ تمہارے لیے نازل ہوئی لیکن خوش ہو جاؤ اللہ کے نزدیک چاہو اور اعتدال اختیار کرو تم میں سے جس کو دنیا میں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کی خطاؤں کو مٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ جو کانٹا لگ جاتا ہے تم میں سے کسی کو اس کے پاؤں میں تو اس سے بھی اس کے گناہ معاف

ہو جاتے ہیں۔

ابن ابی شیبہ واحمد و بخاری و مسلم ؒ نے ابو ہریرہ اور ابو سعیدؓ دونوں سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کوئی چیز مومن بندہ کو پہنچتی ہے بیماری سے تھکن سے اور غم سے یہاں تک کہ وہ فکر جو اس کو رنجیدہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

احمد و مسعود و ابن ابی الدنیا ؒ نے الکفارات میں و ابو یعلی و ابن حبان و طبرانی ؒ نے الاوسط میں و حاکم ؒ (نے اس کو صحیح کہا) اور بیہقی ؒ نے ابو سعیدؓ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان امراض کے بارے میں آپ بتائیں جو امراض لگ جاتے ہیں ان کا بدلہ بھی ہم کو ملتا ہے آپ نے فرمایا یہ گناہوں کو مٹانے والے ہیں میرے باپ نے کہا اگر چہ وہ مصیبت تھوڑی ہو فرمایا کانٹا بھی لگ جائے یا اس سے اوپر کوئی تکلیف پہنچ جائے تو (یہ سب گناہوں کو مٹا دینے والے ہیں۔

ابن راھویہؒ نے اپنی سند میں محمد بن منتشرؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے عمر بن خطابؓ سے روایت کیا کہ اللہ کی کتاب میں اس آیت سے سخت میں کوئی آیت نہیں جانتا حضرت عمرؓ جھکے اس کو ایک درہ مار کر فرمایا کہمیں نے یہ تجھے اس کے کھوج لگانے میں کیا ہے غرض وہ چلا گیا جب اگلا دن آیا یہاں تک کہ کل حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا وہ آیت کونسی ہے جس کا تو نے کل ذکر کیا تھا اس نے کہا لفظ آیت "من یعمل سوءا تجزبہ" کہ ہم میں سے کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کی سزا پائے گا عمرؓ نے فرمایا ہم ٹھہرے رہے جب نازل ہوئی وہ چیز کہ جس کی وجہ سے ہم کو نہ کھانا نفع دیتا تھا اور نہ پینا یہاں تک کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور رخصت دیتے ہوئے فرمایا لفظ آیت "ومن یعمل سوءا او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ

یجد اللہ غفورا رحیما۔"

الطیالسی واحمد وترمذی ؒ (نے اس کو حسن کہا) اور بیہقی ؒ نے امیہ بنت عبداللہ رحمہا اللہ سے روایت کیا کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا یعنی "من یعمل سوءا تجزبہ" تو انھوں نے فرمایا تو نے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا کہ اس سے پہلے کسی نے مجھ سے سوال نہیں کیا میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا اے عائشہ! یہ اللہ کا عقد ہے بندے سے اس چیز کے بدلہ میں جو اس کو بخار یا غم اور آفت پہنچتی ہے (تو اس کے بدلہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے یہاں تک کہ کوئی سامان جو اس نے اپنی آستین میں رکھ لیا تھا پھر اس کو گم کر دیا اور اس کی وجہ سے اس کو گھبراہٹ ہوئی پھر اس کو اپنی بغل کے نیچے پالیا (تو یہ گھبراہٹ بھی کفارہ ہوگی یہاں تک کہ ان مصیبتوں اور پریشانیوں کی وجہ سے بندہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائے گا جیسے سرخ سونا بٹھی سے نکلتا ہے۔

عبد بن حمید وابن ابی الدنیا وابن جریر وبیہقی ؒ نے زیاد بن ربیع ؒ سے روایت کیا کہ میں نے ابن کعب ؓ سے کہا اللہ کی کتاب میں ایک ایسی آیت ہے جس نے مجھے غم میں ڈال دیا انھوں نے پوچھا وہ کونسی ہے میں نے کہا لفظ آیت "ومن یعمل سوءا یجزبہ" فرمایا میں تجھ کو اپنے سے زیادہ سمجھدار سمجھتا تھا بلاشبہ مومن کو جو مصیبت پہنچتی ہے ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے اور رگ پھڑکتی ہے اور جو چیونٹی کا کاٹنا ہوتا ہے وہ کسی گناہ کا بدلہ ہوتا ہے اور اکثر گناہ اس میں سے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں یہاں تک کہ بچھو وغیرہ کا کاٹنا اور کسی چیز کا انسان کو پھونک مارنا (یہ بھی کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس وجہ سے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔

ہناد وابونعیمؒ نے الحلیہ میں ابراہیم بن مرہؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی میرے والد کے پاس آیا اور کہا اے ابوالمنذرؓ (یہ ان کی کنیت ہے) ایک آیت اللہ کی کتاب میں ایسی ہے جس نے مجھے غم میں ڈال دیا فرمایا کونسی آیت ہے؟ کہا (یہ ہے) "من یعمل سوءا یجزبہ" تو انھوں نے فرمایا لیکن مومن بندہ جب اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہ ہوگا۔

ابن جریرؒ نے عطاء بن ابی رباحؒ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت "من یعمل سوءا یجزبہ" نازل ہوئی تو ابوبکرؓ نے فرمایا میری کمر تو ٹوٹنے لگی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس سے مراد وہ مصیبتیں ہیں جو دنیا میں مومن بندوں پر آتی ہیں۔

ابن المنذرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ابن عمرؓ ان سے غم گین ہو کر ملے اور اس آیت کے بارے میں پوچھا لفظ آیت "لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتب، من یعمل سوءا یجزبہ" تو ابن عباسؓ نے فرمایا یہ تمہارے لیے نہیں یہ مشرکین کے لیے ہے وہ قریش ہوں یا اہل کتاب۔

ابن جریر وابن المنذرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "من یعمل سوءا یجزبہ" سے مراد ہے کہ جو شخص شرک کرے گا اس کو سزا ملے گی اور شرک ہی برا کام ہے (اور فرمایا) لفظ آیت "ولا یجد لہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا" مگر یہ کہ اپنی موت سے پہلے توبہ کرلے اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیں گے۔

سعید بن منصور وابن ابی شیبہ وھناد والحکیم الترمذی اور بیہقیؒ نے حسنؒ سے لفظ آیت "من یعمل سوءا یجزبہ" کے بارے میں روایت کیا کہ یہ اس کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل ورسوا کرنے کا ارادہ فرمائیں اور جس کو اللہ تعالیٰ عزت دینے کا ارادہ فرمائیں گے اس کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے

اور وہ جنتی لوگوں میں سے ہے۔اور یہ سچا وعدہ ہے جو تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔

البیہقیؒ نے انسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک درخت کے پاس تشریف لائے اس کو حرکت دی تو اس کے پتے گرے جو اللہ تعالیٰ نے چاہے پھر فرمایا کہ یہ پریشانیاں اور مصیبتیں بنی آدم سے اتنی تیزی سے گناہوں کو گرا دیتی ہے جتنی تیزی سے میں نے اس درخت سے پتے گرائے ہیں۔

ابن ابی شیبہ وعبد بن حمیدؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مومن مرد اور مومن عورت کو جان میں اس کی اولاد میں اور اس کے مال میں برابر مصیبت لگی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس پر کوئی گناہ باقی نہ ہوگا۔

احمدؒ نے سائب بن خلادؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کوئی چیز (یعنی مصیبت) مومن کو پہنچتی ہے یہاں تک کہ جو کانٹا اس کو لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں اور اس سے ایک گناہ مٹا دیتے ہیں۔

احمد و بخاری و مسلمؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کوئی مصیبت جو کسی مسلمان کو پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ جو کانٹا اس کو لگ جاتا ہے (اس کے بدلہ میں بھی اللہ تعالیٰ گناہ مٹا دیتے ہیں۔

ابن ابی شیبہ واحمد و مسلم والحکیم الترمذیؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کوئی کانٹا اور اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف مومن کو پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کا درجہ بلند فرما دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ اس کی ایک خطا کو معاف کر دیتے ہیں۔

احمدؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو درد کی تکلیف ہوگئی اور آپ اس کی شکایت کرنے لگے اور آپ اپنے بستر پر پہلو بدلنے لگے عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر ہمارے بعض میں سے کسی کو یہ تکلیف ہوئی تو آپ اس پر ناراض ہوتے مگر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا نیک لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے بلاشبہ مومن کو کسی کانٹے سے بھی تکلیف پہنچتی ہے یا اس سے زیادہ مگر یہ کہ اس سے گناہ مٹ جاتا ہے اور اس کے ذریعہ اس کا درجہ بلند کر دیا جاتا ہے۔

احمد و بخاری و مسلم و ترمذیؒ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کسی مومن کو کوئی تھکن بیماری اور کوئی پریشانی کوئی غم اور کوئی تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ جو کانٹا اس کو لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

مؤمن کو ہر مصیبت پر اجر ملتا ہے

احمد وھنادؒ نے الزھد میں اکٹھے ابوبکر صدیقؓ سے روایت کیا کہ مسلمان کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے حتی کہ بیماری میں اور تسمہ کے ٹوٹنے میں اور وہ سامان جو اس کی آستین میں تھا اس کو گم کر دیا اور وہ گھبرایا پھر اس کو اپنی بغل سے پالیا (کہ اس پر بھی ان کو اجر ملے گا)۔

ابن ابی شیبہؒ نے سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کن لوگوں کو زیادہ مصیبتیں پہنچتی ہیں آپ نے فرمایا نبیوں کو پھر ان کے بعد جو افضل ہیں لوگوں میں سے بندہ برابر مصیبتوں میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

ابن ابی شیبہ و احمد و بیہقیؒ نے معاویہؓ سے روایت کیا کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ

فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی تکلیف دینے والی چیز مومن کو بدن میں پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقیؒ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مومن کا درد سر یا جو کانٹا اس کو لگ جاتا ہے یا کوئی چیز جو اس کو تکلیف دیتی ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ درجہ بلند فرما دیں گے اور اس کے بدلہ میں اس کے گناہوں کو مٹا دیں گے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقیؒ نے بریدہ اسلمیؓ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مسلمانوں میں سے کسی آدمی کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے یا اس سے زیادہ کوئی تکلیف یہاں تک کہ آپ نے کانٹے کا بھی ذکر فرمایا مگر اسے دو فائدوں میں سے ایک فائدہ ہوتا ہے یا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں میں کوئی گناہ معاف کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی شان نہیں تھی کہ اس کے بدلہ میں بخشے یا بندے کو ایسی کرامت نصیب فرمائے اللہ تعالیٰ اسے شرف سے نوازنے والا نہیں تھا مگر اس جیسے عمل سے۔

ابن ابی شیبہ اور بیہقیؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ درد کے لیے کوئی اجر نہیں لکھا جاتا بلا شبہ اجر تو عمل میں ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ خطاؤں کو مٹا دیتے ہیں۔

ابن سعد و بیہقیؒ نے عبداللہ بن ایاس بن ابی فاطمہؒ سے اور اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کون تم میں سے اس بات کو محبوب رکھتا ہے کہ وہ صحت مند ہے اور بیمار نہ ہو صحابہؓ نے عرض کیا ہم سب چاہتے ہیں یا رسول اللہ! پھر فرمایا کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تم گم شدہ گدھے کی طرح ہو جاؤ اور دوسرے لفظ میں لفظ الصیالہ ہے کیا تم اس بات کو پسند

کرتے ہو کہ تم تکلیفوں والے اور کفارات والے ہو جاؤ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومن بندہ کو آزماتے ہیں اور اس کو آزماتے ہیں اس کی عزت دینے کے لئے۔ بلاشبہ کسی بندہ کا ایک درجہ جنت میں ہوتا ہے کوئی شئی اس کے عمل میں اس کو (اس درجہ تک) نہیں پہنچا سکتی یہاں تک کہ وہ مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے کہ وہ اس درجہ تک پہنچ جائے۔

احمد و ابن ابی الدنیا و بیہقیؒ نے محمد بن خالد اسلمیؒ سے اور وہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا صحابیؓ تھے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب اللہ کی طرف سے بندے کے لیے ایک گھر چھوٹ جائے کہ اس کے عمل اس کو نہ پہنچا سکتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں کوئی بیماری پیدا فرما دیتا ہے۔ یا اس کے مال میں یا اس کی اولاد میں آزمائش ڈال دیتا ہے۔ پھر بندہ اس پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اس مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ جو اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ بیہقیؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بلاشبہ ہر آدمی کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک گھر ہے اور وہ اس میں اپنے عمل کے ذریعہ نہیں پہنچ سکتا تو برابر اللہ تعالیٰ اس کو کسی تکلیف میں مبتلا فرما دیتے ہیں جو وہ اس کو ناپسند کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس گھر تک پہنچ جاتا ہے۔

مصیبت پر صبر کے بدلہ میں اونچا مقام

بیہقیؒ نے احمد بن ابو الحواریؒ سے روایت کیا کہ میں نے ابو سلیمانؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ موسیٰ (علیہ السلام) ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنی عبادت گاہ میں تھا پھر دوسری بار اس سے گزرے تو (دیکھا) کہ درندوں نے اس کے گوشت کو چیر پھاڑ دیا تھا اور اس کا سر ایک طرف پڑا تھا، ران دوسری

طرف پڑی تھی جگر ایک طرف پڑا تھا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اے میرے رب! جو تیری اطاعت کرتا ہے آپ نے اس کو اس طرح پر مبتلا کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی یا موسیٰ! اس نے مجھ سے ایسے مقام کا سوال کیا تھا جہاں تک کہ وہ عمل سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ پھر میں نے اسے اس آزمائش میں مبتلا کر دیا تا کہ اس کو اس مقام تک پہنچا دوں۔ (یہ اسرائیلی روایت ہے اور کہانی ہے۔ ڈاکٹر طاہر)

بیہقیؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس مومن کی رگ زخمی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ کو معاف کر دیتے ہیں اور اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں اور اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے۔

بیہقیؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو بیماری کے ذریعہ آزماتا ہے یہاں تک کہ اس کے سب گناہ مٹا دیتے ہیں۔

بیہقیؒ نے عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں دردسر ہو گیا پھر اس نے ثواب کی امید رکھی تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ گناہ بخش دیتا ہے۔

ابن ابی الدنیا والبیہقیؒ نے یزید بن ابی حبیبؒ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کسی مسلمان مرد کو لگا نا درد اور اندرونی بخار سفید چاندی کی طرح کر دیتا ہے۔

ابن ابی الدنیا والبیہقیؒ نے خضر کے بھائی عامرؒ سے روایت کیا کہ بلاشبہ میں محارب کی زمین میں تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں بڑے اور چھوٹے جھنڈے ہیں، میں نے کہا یہ کیا ہے؟ صحابہؓ نے کہا یہ رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں میں آپ کی طرف بیٹھ گیا اور آپ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے تھے کہ ان کے لیے ایک چادر بچھائی گئی تھی اور ان کے اردگرد صحابہؓ تھے بیماریوں کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا بلاشبہ مومن بندہ کو جب کوئی بیماری لگتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرماتے ہیں تو بیماری اس کے گزرے ہوئے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور باقی ماندہ زندگی کے لیے نصیحت ہوتی ہے۔ اور منافق جب بیمار ہوتا ہے اور عافیت پاتا ہے تو وہ اس اونٹ کی مانند ہوتا ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا ہو پھر اس کو چھوڑ دیا ہو۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کو کس لیے باندھا گیا اور کس لیے چھوڑا گیا اس آدمی نے کہا بیماریاں کیا ہیں؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کیا تو کبھی بیمار نہیں ہوا اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا ہم سے کھڑا ہو جاؤ یعنی یہاں سے چلا جا۔ تو ہم میں سے نہیں ہے۔

البیہقیؒ نے ابوامامہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بندہ کسی مرض کی وجہ سے گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے پاکیزہ اٹھاتا ہے۔

بیماری سے گناہ معاف ہوتے ہیں

ابن ابی الدنیا والبیہقیؒ نے ابوامامہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کی طرف وحی فرماتے ہیں اے میرے فرشتو! جب میں اپنے بندے کو اپنی قیود میں سے ایک قید میں لیا ہے اگر میں اس کو قبض کرلوں گا (یعنی اس کو موت دوں گا) تو میں اس کو بخش دوں گا اور اگر میں اس کو عافیت دوں گا تو اس کا جسم بخشا ہوا ہوگا کہ کوئی گناہ اس کے لیے (باقی) نہیں ہوگا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ البتہ تم میں سے کسی کو مصیبت کے ساتھ آزماتے ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں جس طرح تم اپنے سونے کو آگ میں

ڈالتے ہوان میں سے کچھ تو آگ سے یوں نکلتے ہیں جیسے خالص سونا یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سارے گناہوں سے نجات عطا فرمادی ہے ان میں سے کوئی آزمائش سے یوں نکلتا ہے جو اس سونے کی طرح ہوتا ہے جو خالص سونے سے کم درجہ میں ہو یہ وہ شخص ہے جو بعض (اللہ کے احکام میں) شک کرتا ہے اور بعض ان میں سے وہ ہے جو نکلتا ہے مانند کالے سونے کے یہ وہ ہے جس کو فتنہ میں ڈالا گیا (یعنی عذاب میں ڈالا گیا۔

ابن ابی الدنیا والبیہقیؒ نے بشیر بن عبداللہ بن ابی ایوب انصاریؒ سے انھوں نے اپنے باپ دادا سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انصار میں سے ایک آدمی کی عیادت فرمائی اس پر آپ جھکے اور اس سے (اس کا حال) پوچھا تو اس نے کہا اے اللہ کے نبی! میں نے سات راتوں سے نیند نہیں کی اور نہ میرے پاس کوئی آیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے میرے بھائی صبر کر، اے میرے بھائی صبر کر تو اپنے گناہوں سے (ایسے ہی) نکلے گا جیسے تو اس میں داخل ہوا تھا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا امراض کی ساعات لے جاتی ہیں گناہوں کی ساعات کو۔

ابن ابی الدنیا والبیہقیؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تکلیف کی ساعتیں لے جاتی ہیں گناہوں کی ساعتوں کو (یعنی تکلیفوں سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

البیہقیؒ نے حکم بن عتبہؒ سے مرفوع حدیث میں روایت کیا کہ جب بندہ کے گناہ بہت ہو جاتے ہیں اور اس کا کوئی عمل ایسا نہیں ہوتا جو اس کے گناہوں کو مٹا دے تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی غم میں مبتلا کر دیتے ہیں جس کے ذریعہ اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

ابن عدی والبیہقیؒ نے (اس کو جعیف کہا) ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو آزمائش اور دکھ سے آزماتا ہے یہاں تک کہ اسے صاف چاندی کی طرح چھوڑتا ہے۔

البیہقیؒ نے المسیب بن رافعؒ سے روایت کیا کہ ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ مسلمان مرد لوگوں میں اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا کہا گیا اے ابوبکر یہ کس طرح سے ہے تو انھوں نے فرمایا تکلیفوں اور پتھر اور کانٹے کا لگ جانا اور تسمے کا ٹوٹ جانا (ان سب تکلیفوں سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

احمدؒ نے ابودرداءؓ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دردسر اور اندر کا بخار برابر مومن کے ساتھ لگے رہتے ہیں اگر اس کے گناہ احد کے برابر ہوں تو (یہ تکلیفیں) ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کسی گناہ کو نہیں چھوڑتیں (یہاں تک کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہوجاتا ہے۔

احمدؒ نے یزید بن اسدؓ سے روایت کیا کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا مریض کی خطائیں اس طرح سے گرجاتی ہیں جیسے درخت کے پتے گرجاتے ہیں۔

ابن ابی شیبہؒ نے ابودرداءؓ سے روایت کیا کہ وہ رات خوش نہیں لگتی (بلکہ) میں اس میں بیمار ہوجاؤں یہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہے۔

بیماری کی حالت میں رات اجر کی رات ہے

ابن ابی شیبہؒ نے عیاض بن غفیفؒ سے روایت کیا کہ ہم ابوعبیدہ بن جراحؓ کے پاس ان کی عیادت کے لیے گئے ان کا چہرہ دیوار کی طرف تھا اور ان کی بیوی ان کے سر کے پاس بیٹھی ہوئی تھی میں نے کہا ابو عبیدہؓ نے کیسے رات گزاری ان کی بیوی نے کہا اجر کے ساتھ رات گزاری وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے

اور فرمایا میں نے اجر کے ساتھ رات نہیں گزاری جس کو اللہ تعالیٰ کسی جسمانی آزمائش میں مبتلا فرمادیں تو اس کے گناہوں کو ختم کرنے کا باعث ہے۔

ابن ابی شیبہؒ نے سلمانؓ سے روایت کیا کہ مومن کو جب اللہ تعالیٰ کسی مصیبت میں مبتلا فرماتے ہیں تو پھر اس کو عافیت دیتے ہیں تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے اور باقی زندگی میں اس کی رضامندی کو طلب کرنے والا ہوتا ہے اور تاجر کو جب اللہ تعالیٰ کسی مصیبت میں مبتلا فرماتے ہیں پھر اس کو عافیت دیتے ہیں تو وہ اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کو اس کے گھر والوں نے باندھ دیا ہوں وہ نہیں جانتا کیونکہ اس کو باندھا گیا پھر جب انھوں نے اس کو چھوڑا تو وہ نہیں جانتا کیونکہ اس کو چھوڑا گیا۔

ابن ابی شیبہؒ نے عمارؓ سے روایت کیا کہ وہ ایک دیہاتی کے پاس تھے درد کا ذکر کیا گیا عمارؓ نے فرمایا تجھے کبھی ایسی تکلیف نہیں ہوئی اس نے کہا عمار نے کہا تو ہم میں سے نہیں ہے جو بندہ کسی تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے تو اس کی خطائیں گر جاتی ہیں۔

جیسے درخت سے اس کے پتے گر جاتے ہیں اور کافر کو مبتلا کیا جاتا ہے تو اس کی مثال اس اونٹ کی طرح ہے جو باندھ دیا گیا ہو وہ نہیں جانتا کہ کسی لیے باندھا گیا پھر اس کو چھوڑ دیا گیا تو وہ نہیں جانتا کس لیے اس کو چھوڑا گیا۔

ابن جریر و ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "من یعمل سوءا یجزبہ" میں لفظ سوء کا معنی شرک ہے۔ ابن جریرؒ نے سعید بن جبیرؒ سے اسی طرح روایت کیا۔

ابن جریر و ابن ابی حاتمؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "من یعمل سوءا یجزبہ" سے مراد کافر ہے پھر یہ آیت پڑھی لفظ آیت "ہل یجزی الا الکفور" (سبا آیت ۱۷)

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾ ﴾

اور جو کوئی بھی نیک کام کرے گا خواہ وہ کوئی مرد ہو، یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، تو ایسے لوگ داخل ہوں گے جنت میں (اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے) اور ان پر ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

شان نزول: ومن یعمل من الصلحت"

نیز اسی طرح قتادہؒ، ضحاکؒ، سدیؒ اور ابو صالحؒ سے بھی روایت نقل کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سب دین والوں نے باہم فخر کیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کچھ لوگ یہودیوں کے اور کچھ عیسائیوں کے اور کچھ مسلمانوں کے بیٹھے یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم افضل ہیں اور انھوں نے کہا کہ ہم افضل ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نیز مسروق سے اس طرح روایت نقل کی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو اہل کتاب نے کہا کہ ہم اور تم سب برابر ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو (الخ)۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان اور فضل ورحمت کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، نیک اعمال کو شرف قبولیت سے نوازے گا، بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہوں، پھر انھیں جنت میں داخل فرمائے گا اور ان کی نیکیوں میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں کرے گا۔

وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا : "نقیر" اس چھوٹے سے سوراخ کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے، یعنی ان کی حق تلفی نہیں کی جائے گی اور ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا اجر دیا جائے گا، ارشاد فرمایا: (وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۔ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۔ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَاءَ الْاَوْفٰى) [النجم: ۳۹ تا ۴۱] "اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔ اور یہ کہ یقیناً اس کی کوشش جلد ہی اسے دکھائی جائے گی۔ پھر اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا، پورا بدلہ۔"

عبد بن حمید و ابن جریرؒ نے مسروقؒ سے روایت کیا کہ جب یہ آیت "لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتب" نازل ہوئی تو اہل کتاب نے کہا تم اور ہم برابر ہیں پھر یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت "ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مومن" تو مسلمان ان پر غالب آ گئے۔

ابن المنذر و ابن جریرؒ نے سدیؒ سے لفظ آیت "ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مومن" کے بارے میں روایت کیا کہ ایمان کو قبول کرنے سے انکار فرمایا گیا مگر نیک عمل کے ساتھ۔

ابن المنذر و ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ابن عمرانؓ سے ملے اور ان سے اس آیت لفظ آیت "ومن یعمل من الصلحت" کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس سے فرائض مراد ہیں۔

عبد بن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتمؒ نے عکرمہؒ سے لفظ آیت "ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مومن" کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہودی نصرانی اور مشرک خیر کے عمل کرتے ہیں تو وہ ان کو دنیا میں بھی نفع نہیں دیتے (آخرت میں کیا دیں گے۔

ابن ابی حاتمؒ نے قتادہؒ سے لفظ آیت "ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مومن" کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو ایمان کے ساتھ ہو۔

ابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ نقیر وہ نکتہ ہے جو گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے۔
عبد بن حمیدؒ نے کلبیؒ سے روایت کیا کہ قطمیر وہ چھلکا ہے جو گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے اور فتیل وہ ریشہ ہے جو اس کے اندر کی جانب میں ہوتا ہے اور نقیر وہ سفید نقطہ ہے جو گٹھلی کے درمیان میں ہوتا ہے۔

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ ﴾

اور اس سے بہتر کس کا دین ہوسکتا ہے جس نے جھکا دیا اپنا منہ اللہ کے لیے اور وہ نیکی میں لگا ہوا ہے اور چل رہا ہے ابراہیم کے مذہب پر جو ایک اللہ کا ہو رہا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنا لیا تھا۔

سبب نزول: (آیت) ومن احسن دینا ممن اسلم

بغویؒ نے مسروقؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب آیت، لیس بامانیکم نازل ہوئی، تو اہل کتاب نے کہا ہم اور تم برابر ہیں اس پر آیت، ومن یعمل من الصالحات، الخ، نازل ہوئی اور مندرجہ زیل آیت کا بھی نزول ہوا۔

ومن احسن دینا ممن اسلم وجہہ للہ۔ اور ایسے شخص سے اچھا دین کس کا ہوگا جو اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے یعنی جس نے اپنی ذات کو اللہ کے لیے خالص کر دیا کہ اس کے قلب کی کوئی علمی یا میلانی وابستگی اور

آویختگی غیر خدا سے نہیں رہی۔ دل اور سارا بدن اللہ کے اوامر ونواہی کا پابند ہوگیا یہاں تک کہ عالم امکان میں اپنا یا کسی اور کا کوئی وجود اصلی حقیقی اس کو نظر ہی نہیں آتا کسی کے مستقل وجود یا کسی کو معبود و محبوب ماننے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ انکار کو بصورت استفہام ذکر کرنے سے کمال انکار کی طرف اشارہ ہے۔

وہو محسن۔ ایسی حالت میں کہ وہ اچھے کام کرنے والا بھی ہے یعنی نیک اعمال کرتا اور برے کام چھوڑ دیتا اور ہمیشہ حضور قلبی اور اخلاص رکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا ایک معیار اور اس کا ایک نمونہ بیان کیا ہے۔ معیار یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردے، محسن بن جائے اور ملت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرے اور نمونہ سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔

وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا : ان سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور روز قیامت تک آپ کی پیروی کرنے والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ) [آل عمران: ٦٨] "بیشک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ قریب یقیناً وہی لوگ ہیں جنھوں نے اس کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔" اور فرمایا: (ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ) [النحل: ١٢٣] "پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کر، جو ایک اللہ کی طرف ہو جانے والا تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔

"وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا : ارشاد فرمایا: (اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ

يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ)[النحل: ١٢٠] "بیشک ابراہیمؑ ایک امت تھا، اللہ کا فرمان بردار، ایک اللہ کی طرف ہوجانے والا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔"

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: "لوگو! اگر میں نے اہل زمین میں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا تو ابن ابی قحافہ (یعنی ابوبکر صدیقؓ) کو اپنا خلیل بنالیتا، لیکن تمہارے صاحب تو اللہ کے خلیل ہیں۔"[1]

عمرو بن میمونؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاذ بن جبلؓ جب یمن تشریف لائے تو انھوں نے صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے جب یہ آیت کریمہ تلاوت کی (وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا) تو ایک آدمی نے کہا کہ پھر تو حضرت ابراہیمؑ کی ماں کی آنکھوں کے لیے یہ بات باعث ٹھنڈک ہے۔[2]

سیدنا جندب بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی خلیل بنایا ہے جس طرح اس نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خلیل بنایا۔"[3]

ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ اسلام والوں سے کہا اسلام کے سوا کوئی دین نہیں یہ کتاب ایسی ہے کہ جس نے ہر کتاب کو منسوخ کردیا اور ہمارے نبی نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں اور ہمارے دین بہترین دین ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت "ومن احسن دینا ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن"۔ حاکمؒ (نے اس کو صحیح کہا) اور ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کلام کے ساتھ چن لیا اور ابراہیم (علیہ السلام) کو خلت کے

۱۔[مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل أبی بکر (رض): ٦/ ٢٣٨٣۔ بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخوخۃ: ٤٦٦]

۲۔[بخاری، کتاب المغازی، باب بعث أبی موسیٰ ومعاذ إلی الیمن: ٤٣٤٨]

۳۔[مسلم، کتاب المساجد، باب النہی عن بناء المسجد۔۔الخ: ٥٣٢]

ساتھ۔

ابن جریر وطبرانیؒ نے السنۃ میں ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی خلت کے ساتھ اور موسیٰ کو کلام کے ساتھ چن لیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیدار کے ساتھ چن لیا۔

ابن ابی شیبہ و بخاری و ابن الضریسؒ نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا کہ جب وہ یمن پہنچے اور ان کو صبح کی نماز پڑھائی تو اس میں (یہ آیت) "واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا" پڑھی تو قوم میں سے ایک آدمی نے کہا البتہ تحقیق ابراہیمؑ کی ماں کی آنکھ ٹھنڈی ہوگئی۔

حاکمؒ (نے اسے صحیح کہا) اور جندبؓ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو انھوں نے فرماتے ہوئے سنا وفات سے پہلے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنالیا جیسے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) خلیل اللہ تھے

الطبرانی و ابن عساکرؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو خلیل بنایا اور تمہارا ساتھی (یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی اس کا خلیل ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قیامت کے دن بنی آدم کے سردار ہیں۔ پھر (یہ آیت) "عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا" پڑھی۔

الطبرانیؒ نے سمرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے تھے کہ بلاشبہ انبیاء میں قیامت کے دن دو نبی آپس میں خلیل ہوں گے کوئی اور ان کا خلیل نہ ہوگا اس دن میرا خلیل ابراہیمؑ خلیل اللہ ہوں گے۔

الطبرانی والبزارؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جنت میں ایک محل موتی کا ہے اس میں نہ سوراخ ہے نہ ہی اس میں کمزوری ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے خلیل

ابراہیم (علیہ السلام) کی مہمانی کے لیے تیار فرمایا ہے۔

حاکمؒ (نے اس کو صحیح کہا) ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ تم تعجب کرتے ہو کہ خلت ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے ہے اور کلام موسیٰ کے لیے ہے۔ اور دیدار محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ہے۔

الترمذی وابن مردویہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ اصحاب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں سے کچھ لوگ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انتظار کر رہے تھے آپ باہر تشریف لائے یہاں تک کہ ان کے قریب ہو گئے وہ آپس میں مذاکرہ کر رہے تھے آپ نے ان کی باتیں سنیں اور جب ان میں سے بعض نے کہا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے خلیل کو بنایا پس ابراہیم (علیہ السلام) ان کے خلیل ہیں اور دوسرے نے کہا اس بات سے کیوں تعجب کرتے ہو کہ موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور دوسرے نے کہا عیسیٰ اللہ کی روح اور اس کا حکم ہے ایک اور نے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا۔

آپ ان کے پاس تشریف لائے ان کو سلام کر کے فرمایا میں نے تمہارا کلام سن لیا ہے اور تمہاری بات کو ابراہیمؑ اللہ کے خلیل ہیں وہ اسی طرح ہے اور موسیٰؑ اس کے کلیم ہیں اور عیسیٰؑ اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور آدمؑ کو ان کے رب نے چن لیا یہ بھی اسی ءطرح ہے خبردار بلاشبہ میں بھی اللہ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر نہیں اور میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میں پہلا آدمی ہوں جس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور کوئی فخر نہیں اور میں پہلا آدمی ہوں گا جو جنت کے تالے کو حرکت دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کو کھول دیں گے اور اس میں داخل ہوں گا اس حال میں کہ میرے ساتھ غریب مومن لوگ ہوں گے اور کوئی فخر نہیں اور میں پہلے لوگوں کا اور آخری لوگوں کا قیامت کے روز سب سے زیادہ عزت والا

ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔

زبیر بن بکا ؒ نے (اپنی کتاب) "موفقیات" میں روایت کیا کہ ابراہیم ؑ کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کیا تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے خلیل کیوں بنایا؟ عرض کیا اے میرے رب میں نہیں جانتا فرمایا میں نے تیرے دل کی طرف دیکھا تو میں نے تجھ کو پایا کہ تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تو سخاوت کرنا پسند کرتا ہے اور کچھ لینا پسند نہیں کرتا۔

ابن المنذرؒ نے ابن زہریؒ سے روایت کیا کہ ابراہیم (علیہ السلام) اپنے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے پاس ملک الموت ایک نوجوان کی شکل میں آئے کہ انھوں نے فرمایا اس گھر کے مالک کی اجازت سے تو ابراہیم (علیہ السلام) ان کو پہچان گئے ملک الموت نے ان سے فرمایا بلاشبہ تیرے رب نے اپنے بندوں میں سے ایک خلیل بنایا ہے ابراہیم ؑ نے فرمایا اور ہم اس کے لیے ہیں ملک الموت نے پوچھا تو اس کے ساتھ کیا کرے گا؟ انھوں نے فرمایا میں اس کا خادم ہوں گا یہاں تک کہ میری موت آجائے۔ ملک الموت نے کہا بیشک تو ہی ہے پھر انھوں نے پوچھا کہ کس چیز کی وجہ سے مجھے انھوں نے اپنا خلیل بنایا؟ فرمایا آپ دینا پسند کرتے ہیں، لینا پسند نہیں کرتے۔

بیہقیؒ نے شعب میں عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے جبرائیل کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ؑ کو کیوں خلیل بنایا؟ فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ کھانا کھلانا پسند کرتے ہیں۔

الدیلمیؒ نے (ایک بہت ضعیف سند کے ساتھ) ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عباسؓ سے فرمایا اے میرے چچا! کیا تو جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ؑ کو کیوں خلیل بنایا

جبرائیل ان کی طرف نیچے اتر آئے اور فرمایا اے خلیل کیا تو جانتا ہے تجھے کیوں خلعت عطا کی گئی؟ انھوں نے فرمایا اے جبرائیل میں نہیں جانتا تو فرمایا کہ آپ (لوگوں کو) عطا کرتے ہیں اور ان سے کچھ نہیں لیتے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حبیب اللہ ہیں

الحافظ ابوالقاسم حمزہ بن یوسف السہمیؒ نے فضائل العباس میں واثلہ بن اسقعؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کی اولاد میں سے ابراہیمؑ کو چنا اس کو خلیل بنایا پھر ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اسماعیلؑ کو چنا پھر اسماعیلؑ کی اولاد میں سے نزار کو چنا پھر نزار کی اولاد میں سے مضر کو چنا پھر مضر میں سے کنانہ کو چنا۔ پھر کنانہ میں سے قریش کو چنا پھر قریش میں بنو ہاشم میں سے عبدالمطلب کو چنا پھر عبدالمطلب میں سے مجھ کو چنا۔

الحکیم الترمذیؒ نے نوادر الاصول میں وبیہقیؒ نے شعب الایمان میں (اور اس کو ضعیف کہا) وابن عساکر والدیلمیؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا لفظ آیت "واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا" یعنی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا موسیٰ کو نجیب بنایا اور مجھے حبیب بنایا پھر فرمایا میری عزت کی قسم! میں ضرور ترجیح دوں گا اپنے حبیب کو اپنے خلیل پر اور اپنے نجیب پر۔

بیہقیؒ نے الاسماء والصفات میں علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے ابراہیمؑ کو قبطی کپڑا پہنایا جائے گا اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبرہ کا ایک جوڑا پہنایا جائے گا اور آپ عرش کے دائیں طرف ہوں گے۔ (واللہ اعلم)

﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾ ﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

ربط آیت: اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو خلیل بنایا ہے' اس آیت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ نے اس لیے خلیل نہیں بنایا کہ اس کو کسی خلیل کی حاجت تھی جس طرح دنیا میں لوگ اپنی ضرورت کی وجہ سے کسی کو دوست بناتے ہیں' اور اللہ کو کیا ضرورت ہوگی کہ ہو کسی کو دوست بنائے جب کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی ملکیت میں ہے' نیز اس پوری سورت میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی اطاعت اور اس کی بندگی کریں اور لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کی قدرت کامل ہو اور کوئی شخص اس کی گرفت اور پکڑ سے باہر نہ ہو سکے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کا علم کامل ہو اور کسی شخص کا کوئی کام اس کے علم سے مخفی نہ ہو سکے' اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی ملکیت میں ہے اور کمال علم کو بیان کرنے کے لیے فرمایا اللہ ہر چیز کو محیط ہے سو جب وہی علم اور قدرت میں کامل ہے تو اس کے سوا اور کوئی اطاعت اور عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ابراہیم (علیہ السلام) اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دوست بنانے کا مطلب یہ نہیں کہ جس طرح دوست برابر ہوتے ہیں، یا ان کی ملکیت بھی ایک ہی سمجھی جاتی ہے، اسی طرح ابراہیم

(علیہ السلام) اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے خلیل تھے، نہیں! بلکہ آسمان و زمین کی ملکیت اب بھی اللہ ہی کے پاس ہے اور ہر شی کا احاطہ بھی اسی کے پاس ہے۔ یہ تو اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اپنے ان خاص بندوں کو اپنا خلیل قرار دے کر ان کی عزت افزائی فرمائی۔ دلیل چاہو تو ابراہیم (علیہ السلام) کے والد آزر اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا ابولہب کا معاملہ دیکھ لو۔

﴿ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ ﴾

اور وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور جو کتاب میں تم پر تلاوت کیا جاتا ہے ان یتیم عورتوں کے بارے میں جن کو تم وہ حق نہیں دیتے ہو جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور تم رغبت رکھتے ہو کہ ان سے نکاح کرو۔ اور ضعیف بچوں کے بارے میں بھی تم پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور یہ کہ تم یتیموں کے حق میں انصاف کے

ساتھ قائم رہو۔اور جوکوئی خیر کا کام کروگے سواللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے۔

شان نزول: (آیت) "ویستفتونک فی النسآء"

امام بخاریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک یتیم لڑکی ہو جس کی وہ پرورش کر رہا ہو اور اس کا ولی اور وراث بھی وہی ہو اور یہ لڑکی اس کے مال میں حتی کہ کھجور کے درخت میں بھی شرکت رکھتی ہو، اب وہ شخص اس لڑکی سے خود نکاح کرنا چاہتا ہو اور دوسرے کسی سے اس کا نکاح پسند نہ کرے کہ کہیں وہ اس کے مال میں شریک ہو جائے گا تو ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ سے روایت نقل کی ہے کہ جابرؓ کی ایک چچازاد بہن تھیں اور وہ بہت مالدار تھیں جوان کو ان کے باپ سے وراثت میں ملا تھا، حضرت جابرؓ خود ان سے نکاح کرنا نہیں چاہتے اور کسی دوسرے شخص سے اس ڈر کی وجہ سے ان کی شادی نہ کرتے تھے کہ خاوند اس کا مال لے جائے گا، چنانچہ انھوں نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کے متعلق دریافت کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

وارثت اور نکاح میں عورتوں کے حقوق کا بیان

قرآن کریم کی ترتیب میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے چند احکام بیان فرماتا ہے، پھر ان احکام کے عمل پر اجر وثواب کی بشارت دیتا ہے اور ان احکام کی معصیت کرنے پر عذاب کی وعید سناتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے علم اور قدرت کی کبریائی بیان فرماتا ہے تاکہ واضح ہو کہ کسی کی معصیت اس کے علم

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

سے باہر نہیں اور اس پر گرفت اس کی قدرت سے خارج نہیں' پھر اس کے بعد دوبارہ ان احکام کا بیان شروع فرما دیتا ہے اور اس اسلوب کا فائدہ یہ ہے' کہ مسلسل ایک ہی قسم کی عبارت سے بعض اوقات قاری کا ذہن اکتا جاتا ہے اس لیے قاری کے ذہن کو اکتاہٹ' غفلت اور بے توجہی سے دور رکھنے اور اس کے ذہن کو بیدار' اس کے ذوق وشوق کو تازہ اور اس کی توجہ کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کلام میں تنوع ہو اور ایک مضمون کو مختلف پیرایوں سے بیان کیا جائے' اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور یتیم بچوں کے حقوق کو بیان فرمایا تھا' پھر اس کے بعد اور مختلف نوعیت کے احکام بیان فرمائے وعد اور وعید' ترغیب اور ترہیب اور اپنی عظمت اور کبریائی کے متعلق آیات نازل فرمائیں اس کے بعد اب بھی عورتوں کے حقوق کے متعلق احکام بیان فرما رہا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتی ہیں: کسی شخص کی سرپرستی میں یتیم لڑکی ہوتی تھی اور وہ اس کا وارث ہوتا تھا وہ لڑکی اس کو اپنے مال میں حتی کہ کھجور کے خوشوں میں شریک کر لیتی وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا اور اس کو ناپسند کرتا کہ وہ کوئی شخص اس لڑکی سے نکاح کرے اور اس لڑکی کے اس مال میں شریک ہو جائے جس میں وہ (سرپرست) شریک ہو چکا ہے اس لیے وہ اس کو دوسری جگہ نکاح سے منع کرتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیرؒ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: زمانہ جاہلیت میں صرف بالغ مرد وارث ہوتا تھا'

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۶۰۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۳۰۱۸' السنن الکبری للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۱۲۴)

نابالغ بچہ وارث نہیں ہوتا تھا اور نہ عورت وارث ہوتی تھی' جب سورہ نساء کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور بچوں کے حقوق کے متعلق آیات نازل فرمائیں تو یہ مسلمانوں پر شاق گزریں انھوں نے کہا جو یتیم بچہ مال کما سکتا ہے نہ مال کی حفاظت کرسکتا ہے' اور عورت بھی مال کما سکتی ہے نہ اس کی حفاظت کرسکتی ہے' یہ دونوں کیسے مال کے وارث بنائے جائیں گے ان کو یہ امید تھی کہ شاید یہ حکم منسوخ ہوجائے گا اور اس کے متعلق کوئی اور حکم نازل ہوجائے گا' پھر جب انھوں نے دیکھا کہ اور کوئی نیا حکم نازنہیں ہوا تو انھوں نے کہا لگتا ہے یہ حکم واجب ہے اور اس پر عمل کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں' پھر انھوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں آپ کہئے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم دیتا ہے۔

سعید بن جبیرؒ نے کہا اگر عورت خوب صورت اور مال دار ہوتی تو اس کا سرپرست اس میں رغبت کرتا اور اس سے نکاح کرلیتا اور جب وہ خوب صورت نہ ہوتی تو وہ اس سے نکاح نہ کرتا اور کسی اور سے بھی اس کا نکاح نہ کرتا بلکہ نکاح کرنے سے منع کرتا کہ کہیں کوئی اور شخص اس کے مال کا وارث نہ بن جائے۔ بعض روایات میں ہے وہ اس کو تاحیات نکاح نہیں کرنے دیتے تھے۔ [1]

(آیت) "فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون"۔ (النحل: ٤٣)

ترجمہ: سو اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے سوال کرو۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں:

١۔ (جامع البیان جزء ٥ ص ٤٠٥۔٤٠٤' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آتی تھی' میں نے (حضرت) مقدادؓ سے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کے متعلق سوال کریں (آیا اس میں وضو کافی ہے یا غسل ضروری ہے) انھوں نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس میں وضو (کافی) ہے۔ [1]

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام المومنین صفیہ بنت حییؓ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجہ کو حیض آ گیا' انھوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا کیا یہ ہم کو یہاں ٹھہرانے والی ہیں؟ صحابہؓ نے کہا وہ طواف زیارت کر چکی ہیں' آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں۔ [2]

طواف زیارت حج میں فرض ہے اور مکہ مکرمہ سے رخصت ہوتے وقت طواف وداع کرنا واجب ہے' جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ سے روانہ ہونے لگے اور آپ کو حضرت صفیہؓ نے بتایا کہ ان کو حیض آ گیا ہے تو آپ نے خیال فرمایا شاید انھوں نے طواف زیارت نہیں کیا جو حج میں فرض ہے اس لیے آپ نے فرمایا کیا یہ ہم کو مکہ میں روکنے والی ہیں؟ پھر آپ کو بتایا گیا کہ انھوں نے طواف زیارت کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا پھر روانہ ہونے میں کوئی حرج نہیں' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر طواف زیارت کرنے کے بعد کسی عورت کو حیض آ جائے تو اس پر طواف وداع کرنا واجب نہیں ہے اور وہ مکہ سے روانہ ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس حدیث کے مطابق فتوی دیتے تھے اور حضرت زید بن ثابتؓ کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی وہ یہ کہتے تھے کہ اگر طواف زیارت کے بعد کسی عورت کو حیض آ گیا تو وہ مکہ سے روانہ نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ طواف وداع نہ کرے لیکن جب ان کو یہ حدیث پہنچ گئی تو انھوں نے رجوع

۱۔ (صحیح البخاری: ج۱ رقم الحدیث: ۱۳۲)

۲۔ (صحیح البخاری: ج۲' رقم الحدیث: ۱۷۵۷)

کرلیا' اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے بھی بعد میں حضرت ابن عباسؓ کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہؒ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ ایک عورت طواف زیارت کرے پھر اس کو حیض آجائے تو اس کا کیا شرعی حکم ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ روانہ ہوجائے' اہل مدینہ نے کہا ہم آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے اور حضرت زیدؓ کے قول کو ترک نہیں کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب تم مدینہ پہنچ جاؤ تو اس حدیث کی تحقیق کرلینا' وہ مدینہ گئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی' انھوں نے حضرت ام سلیمؓ سے سوال کیا' حضرت ام سلیمؓ نے حضرت صفیہؓ کی حدیث کو بیان کیا۔ [1]

امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائیؒ متوفی ۳۰۳ ھ روایت کرتے ہیں:

طاؤسؒ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' اس وقت حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کیا آپ یہ فتوی دیتے ہیں کہ جس عورت کو حیض آجائے وہ طواف وداع سے پہلے روانہ ہوسکتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: فلاں انصاریہ سے پوچھیں کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو روانہ ہونے کا حکم دیا تھا' حضرت زید بن ثابتؓ نے اس عورت سے پوچھا اور اپنے قول سے رجوع کرلیا' اور ہنستے ہوئے فرمایا جس طرح آپ نے مسئلہ بیان کیا تھا حدیث اسی طرح ہے۔ [2]

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۵۸)

۲۔ (سنن کبری للنسائی: ج ۲' رقم الحدیث: ۴۶۰۱)

طاؤسؒ بیان کرتے ہیں کہ پہلے میں نے حضرت ابن عمرؓ سے یہ سنا تھا کہ وہ یہ فتوی دیتے تھے کہ طواف وداع کیے بغیر حاضہ عورت روانہ نہ ہو' پھر بعد میں میں نے یہ سنا کہ وہ فتوی دیتے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو روانہ ہونے کی اجازت دی تھی۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (وہ احکام بھی) جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جا رہے ہیں جن کا وہ حق تم انھیں نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو۔ (النساء:۱۲۷)

یتیم لڑکیوں کے حقوق کا بیان

اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے جس حق کا ذکر کیا گیا ہے اس حق کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کی میراث ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کا مہر ہے' اور اس آیت کے مخاطبین کے متعلق بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عورتوں کے سرپرست ہیں وہ عورتوں کے مہر پر خود قبضہ کر لیتے تھے اور ان عورتوں کو ان کا مہر نہیں دیتے تھے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یتیم لڑکی کا ولی ہے جب وہ اس یتیم لڑکی سے نکاح کرتا تھا تو اس کے مہر میں انصاف نہیں کرتا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو' حضرت عائشہؓ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے حسن و جمال اور ان کے مال و دولت کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہو' اور حسنؒ نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ تم ان کی بدصورتی کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح میں رغبت نہیں رکھتے اور ان کے مال و دولت میں رغبت کی وجہ سے ان کو اپنے پاس روکے رکھتے ہو اور ان کو

---

[1]

کہیں اور نکاح نہیں کرنے دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کمزور بچوں کے متعلق (بھی تمہیں حکم دیتا ہے) اور یہ کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھی نیک کام کرتے ہو تو بیشک اللہ کو اس کا علم ہے۔ (النساء:۱۲۷)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلے لوگ لڑکوں اور لڑکیوں کو وارث نہیں بناتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ہر حصہ دار کو حصہ مقرر فرما دیا' اور یتیموں کے متعلق انصاف کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا مہر مقرر کرنے میں اور وراثت میں ان کا حصہ ادا کرنے میں انصاف سے کام لیا جائے۔ [۱]

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عورتوں کے حقوق کے متعلق نصیحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں' یتیم لڑکیوں اور کمزور بچوں کے وہی احکام ہیں جو پہلے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے تھے اور یہاں مسلمانوں کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پھر ان ہی احکام کی طرف متوجہ کیا ہے تاکہ مسلمان ان آیات میں غور و فکر کریں اور ان کے تقاضوں پر عمل کریں۔

نابالغ کو میراث سے محروم کرنا بڑا گناہ ہے

عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذرؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی مرد وارث نہیں ہوتا تھا مگر جو بالغ ہو جائے اور اپنے مال کی حفاظت کر سکے اور اس کی بہتری کے لیے کام کر سکے اور نہ وارث ہوتا تھا چھوٹا بچہ اور نہ عورت کسی چیز کے بھی جب سورہ نساء میں میراث (کے مسائل) نازل ہوئے تو لوگوں پر یہ بھاری ہوا اور انھوں نے کہا کیا چھوٹا بچہ بھی وارث ہوگا جو اپنے مال کی حفاظت بھی

۱۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۲۸)

نہیں کرسکتا اور عورت بھی اسی طرح ہے (کہ اپنے مال کی حفاظت نہیں کرسکتی) کیا وہ لوگ (یعنی عورت اور بچے) وارث ہوں گے جیسے مرد وارث ہوتا ہے اور وہ امید رکھتے تھے کہ اس بارے میں آسمان سے کوئی حکم نازل ہوگا انھوں نے انتظار کیا لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ کوئی نئی بات (یعنی نیا حکم) نہیں آتا تو کہنے لگے اگر یہ اسی طرح مکمل ہوگیا کہ یہ فرض ہے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا پھر انھوں نے کہا (اس بارے میں) سوال کرو انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی لفظ آیت "ویستفتونک فی النساء، قل اللہ یفتیکم فیھن، وما یتلی علیکم فی الکتب" شروع سورت میں (پھر فرمایا) "فی یتمی النساء التی لاتوتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن" سعید بن جبیرؒ نے فرمایا جب عورت خوبصورت اور مال والی ہوتی ہے تو اس کا ولی اس میں رغبت کرتا ہے اور اس سے نکاح کرلیتا اور اس کو اپنے لیے خاص کرلیتا اگر وہ خوبصورت نہ ہوتی اور مال والی بھی نہ ہوتی تو اس سے نکاح نہیں کرتا تھا۔

عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ جاہلیت والے عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ (عورتیں اور بچے) نہ تو جنگ کرتے ہیں نہ مال غنیمت لاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے میراث کا معین حق فرض فرمادیا۔

عبد بن حمید و ابن جریرؒ نے ابراہیمؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ (زمانہ جاہلیت میں) اگر یتیم بچی بدصورت ہوتی تو اس کو نہ دیتے تھے اور اس کو شادی سے بھی روک لیتے تھے یہاں تک کہ وہ مرجاتی اور پھر اس کے (مال کے) وارث بن جاتے تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں حکم اتارا۔

ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کوئی یتیم بچی کسی مرد کی گود میں ہوتی

تو وہ اس بات میں رغبت رکھتا تھا کہ اس سے نکاح کرے اور اس کے مال میں سے اس کو کچھ بھی نہ دے اس امید پر کہ وہ مرجائے میں اس کے مال کا وارث بن جاؤں گا اگر اس کا کوئی قریبی مرجاتا تو میراث میں سے اسے کوئی چیز نہ دی جاتی اور یہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حکم کو واضح فرمایا اور یہ لوگ چھوٹے کو اور ضعیف کو اور وراثت میں کچھ بھی نہ دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے میراث میں سے ان کا حصہ دینے کا حکم فرمایا۔

مال کی خاطر نکاح کرنا درست نہیں

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ جابر بن عبداللہؓ کی ایک چچا کی نابینا بیٹی تھی اور وہ بدصورت بھی تھی اس کے باپ کی طرف سے اس کو مال میراث میں ملا تھا جابر اس سے نکاح کی رغبت نہیں رکھتے تھے اور نہ اس کا نکاح (کسی اور سے) کرتے تھے اس ڈر سے کہ شوہر اس کا مال لے لے گا جابرؓ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس بارے میں پوچھا اسی طرح کچھ لوگوں کی گود میں اجنبی بچیاں تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ (حکم) نازل فرمایا۔

ابن ابی شیبہؒ نے سدیؒ کے طریق سے ابو مالکؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت "وما یتلی علیکم فی الکتب فی یتمی النساء التی لاتؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن" کے بارے میں روایت کیا کہ جب ایک عورت ولی کے پاس ہوتی تھی جس کے ساتھ نکاح میں وہ کوئی رغبت نہ رکھتا تھا تو وہ اس سے شادی نہ کرتا تھا اور نہ کسی اور کو شادی کرنے دیتا پھر فرمایا لفظ آیت "والمستضعفین من الولدان" اور ضعیف (یعنی عورتوں اور بچوں کو) وارث نہیں بناتے تھے وہ لوگ صرف بڑے لڑکے پھر بڑے لڑکے کو ہی وارث بناتے تھے۔

ابن ابی شیبہؒ نے سعید بن جبیرؒ سے لفظ آیت " وما یتلی علیکم فی الکتب فی یتمی النساء" کے بارے میں روایت کیا کہ جو کچھ پڑھا گیا تم پر شروع سورت میں میراث کے بارے میں اور وہ لوگ عورت اور بچے کو وارث نہیں بناتے تھے جب تک کہ وہ بالغ ہو جاتا۔

ابن ابی شیبہ و بخاری و مسلم و نسائی و ابن جریر و ابن المنذر و بیہقیؒ نے اپنی سنن میں عائشہؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت " ویستفتونک فی النساء، قل اللہ یفتیکم فیھن" سے لے کر " وترغبون ان تنکحوھن" تک اس سے وہ شخص مراد ہے جس کے پاس یتیم بچی ہوتی تھی اور وہ اس کا ولی اور وارث ہوتا تھا وہ بچی اس کے مال میں حصہ دار ہوتی یہاں تک کہ کھجور کے پھل دار درختوں میں بھی حصہ دار ہوتی اور وہ اس سے نکاح کی رغبت رکھتا تھا اور وہ ناپسند کرتا تھا کہ کسی اور مرد سے اس کا نکاح کر دیا جائے اور وہ جس مال میں وہ بچی شریک ہے کہیں وہ مرد اس مال میں شریک نہ ہو جائے تو وہ اس کو یوں ہی چھوڑے رکھتا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

بخاری و مسلم و ابن جریر و ابن ابی حاتمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا کہ لوگ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان عورتوں کے بارے میں فتوی طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا لفظ آیت " ویستفتونک فی النساء، قل اللہ یفتیکم فیھن، وما یتلی علیکم فی الکتب فی یتمی النساء" حضرت عائشہؓ نے فرمایا وہ آیت جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو یہ ذکر فرمایا " وما یتلی علیکم فی الکتب" سے وہ پہلی آیت مراد ہے جس میں یہ حکم ہے لفظ آیت " وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النساء" اور اللہ تعالیٰ کے اس قول " وترغبون ان تنکحوھن" سے مراد ہے کہ تم میں سے کوئی ایک رغبت نہیں رکھتا تھا اس یتیم بچی کے بارے میں جو اس کی گود میں ہوتی تھی جب وہ تھوڑے

مال والی اور تھوڑے جمال والی ہوئی تھی تو منع کر دیا گیا کہ تم نکاح کرو ان یتیم عورتوں سے رغبت کرتے ہوئے اس کے مال میں اور اس کے جمال میں مگر یہ کہ انصاف کو مدنظر رکھو کیونکہ تم ان سے اعراض کرتے ہو۔

ابن جریر و ابن المنذرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ جاہلیت میں ایک آدمی کے پاس کوئی بچی ہوتی تھی تو وہ اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا تھا جب وہ ایسا کر لیتا تو پھر وہ اس سے شادی نہیں کر سکتا تھا وہ اگر خوبصورت ہوتی تھی تو اس سے نکاح کر کے اس کا مال کھا جاتا تھا اور اگر وہ بدصورت ہوتی تھی تو اس سے دوسرے لوگوں کو بھی نکاح کرنے سے روک دیتا تھا یہاں تک کہ وہ مر جاتی تھی جب وہ مر جاتی تو اس کا وارث بن جاتا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا اور اس سے منع فرمایا اور وہ چھوٹے بچوں اور بیٹوں کو میراث نہیں دیتے تھے اسی کو فرمایا لفظ آیت "لاتؤتونھن ما کتب لھن" تو اللہ تعالیٰ نے اسی سے منع فرمایا اور ہر حصے والے کے لیے اس کے حصہ کو بیان فرمایا چھوٹا ہو یا بڑا۔

عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ جو یتیم بچی کسی آدمی کی گود میں ہوتی تھی اور اس میں بدصورتی ہوتی تھی تو وہ اس سے نکاح کرنے سے اعراض کرتا تھا اور کسی اور سے بھی اس کا نکاح نہیں کرتا تھا اس کے مال کی لالچ میں۔

القاضی اسماعیلؒ نے احکام القرآن میں عبدالمالک بن محمد بن حزمؒ سے روایت کیا کہ عمرہ بنت حزمؓ، سعد بن ربیعؓ کے نکاح میں تھیں وہ احد میں شہید ہو گئے اور اس (بیوی) سے ان کی ایک بیٹی تھی وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئیں اور اپنی بیٹی کی میراث طلب کی اس بارے میں یہ آیت "ویستفتونک فی النساء" نازل ہوئی۔

ابن المنذرؒ نے ابن عونؒ کے طریق سے ابن سیرینؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ ایک نے کہا تم اس سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہو اور دوسرے نے کہا کہ تم ان سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھتے۔

ابن ابی شیبہ و ابن جریرؒ نے حسنؒ سے لفظ آیت "وترغبون ان تنکحوھن" کے بارے میں روایت کیا کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھتے۔

ابن ابی شیبہ و عبد بن حمیدؒ نے عبیدہ رحمۃ اللہ سے لفظ آیت "وترغبون ان تنکحوھن" کے بارے میں روایت کیا کہ تم اس سے نکاح کرنے سے اعراض کرتے ہو۔

﴿ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ ﴾

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے بدمزاجی کا یا بے رخی کا اندیشہ کرے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی خاص طریقہ پر صلح کرلیں اور صلح اچھی چیز ہے۔ اور انسانوں کے نفسوں میں کنجوسی حاضر کردی گئی ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو

اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

شان نزول: (آیت) "وان امراۃ خافت"

ابوداؤدؒ اور حاکمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت سودہؓ بوڑھی ہوگئیں تو ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو علیحدہ کردیں گے، انھوں نے اس چیز کا حضرت عائشہؓ سے ذکر کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، امام ترمذیؒ نے اسی طرح ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے۔

اور سعید بن منصورؒ نے سعید بن مسیبؒ سے روایت نقل کی ہے کہ محمد من مسلمہؓ کی صاحبزادی رافع بن خدیجؓ کے نکاح میں تھیں، رافع کو ان سے کچھ لاپروائی ہوئی بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے تو انھوں نے ان کو طلاق دینا چاہی تو یہ بولیں کہ مجھے طلاق مت دو اور جو تم چاہو، وہ حصہ میرے لیے متعین کردو، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس روایت کا موصول طریقہ پر ایک شاہد پر ایک شاہد موجود ہے، جس کو امام حاکمؒ نے بواسطہ سعید بن مسیبؒ، نے رافع ابن خدیجؓ سے روایت کیا ہے۔

نیز امام حاکمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اور والصلح خیرا"۔ (الخ) ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کے نکاح میں ایک عورت تھی اور اس سے اولاد بھی کافی تھی، اس شخص نے اس عورت کو طلاق دینا چاہی مگر یہ اس بات پر راضی ہوگئیں کہ مجھے اپنے پاس ہی رکھو اور میرے لیے اپنی جائیداد میں سے کوئی حصہ متعین نہ کرو۔

ابن جریرؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت نقل کی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو ایک عورت آئی اور

کہنے لگی اپنے خرچہ میں سے میرے لیے کچھ حصہ متعین کردو اگر چہ وہ پہلے اس بات پر راضی ہوگئی تھی، کہ اس کا خاوند نہ اس کو طلاق دے اور نہ اس کے پاس آئے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ نازل فرمایا (آیت) "واحضرت الانفس"۔ یعنی انسان حرص کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں شوہر اور بیوی سے متعلق ایک حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر کی طرف سے بے رخی کا اندازہ لگا رہی ہو، مثال کے طور پر وہ اس کے ساتھ ایک بستر پر سونا چھوڑ دے، یا اس کے اخراجات میں کمی کردے، یا اس کے ساتھ بیٹھنا اور بات چیت کرنا بند کردے تو دونوں کے لیے مناسب یہ رہے گا کہ آپس میں بیٹھ کر صلح کرلیں اور اس بات پر اتفاق کرلیں کہ شوہر اس کا حق ادا کرے، جیسا کہ اسلام کا تقاضا ہے اور اگر ایسا ممکن نظر نہ آئے اور بیوی چاہتی ہو کہ ازدواجی زندگی قائم رہے تو مہر یا اخراجات کا کچھ حصہ چھوڑ دے، یا شوہر کو کچھ مال دے دے، یا اگر اس کے پاس کوئی دوسری بیوی ہے، جسے وہ زیادہ چاہتا ہے تو اپنی باری کے کچھ ایام اس کو دے دے اور شوہر اسے طلاق نہ دے اور اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو پھر شوہر طلاق دے دے، لیکن صلح میں بھلائی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اپنی چیز کسی کو نہ دینا، اس معاملہ میں بخل سے کام لینا ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لیے بیوی کو چاہیے کہ شوہر کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہوجائے۔ اسی طرح شوہر طبعی بخل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی جانب سے کم پر راضی ہوجائے اور مال کثیر کا مطالبہ کر کے اسے زیر بار نہ کرے، تاکہ صلح کو عملی جامہ پہنانا ممکن ہوسکے۔ اس کے بعد اللہ نے شوہروں کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے اور ان کے معاملہ میں اللہ سے

ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے، اس کا تمہیں اچھا بدلہ دے گا۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا : "صُلْحًا" کی تنکیر (کسی طرح کی صلح) سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی آپس میں کسی طریقے سے بھی صلح کر لیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ کسی مرد کے پاس کوئی عورت ہوتی اور اب وہ اس کو مزید نہ رکھنا چاہتا اور طلاق دینے کا ارادہ کرتا تو وہ عورت یہ کہہ دیتی کہ (مجھے طلاق نہ دے، مجھے اپنے نکاح میں رہنے دے) میں اپنی باری کے بارے میں تجھے اجازت دیتی ہوں (کہ تو جس بیوی کے پاس چاہے رہے) چنانچہ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ سودہؓ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انھیں طلاق دے دیں گے تو انھوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میری باری کا دن عائشہ کو دے دیں مگر مجھے طلاق نہ دیں۔ تو آپ نے اسی طرح کیا، چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: (وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا) "اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے کسی قسم کی زیادتی یا بے رخی سے ڈرے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح کی صلح کر لیں۔"

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں جس چیز پر صلح کر لیں وہ جائز ہے۔ [2]

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب سودہ بنت زمعہؓ عمر رسیدہ ہو گئیں تو انھوں نے اپنا دن عائشہؓ کو ہبہ

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وإن امرأة خافت من بعلها نشوزًا أو إعراضًا): ۴۶۰۱۔ مسلم، کتاب التفسیر، باب فی تفسیر آیات متفرقة: ۳۰۲۱]

۲۔ [ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النساء: ۳۰۴۰]

کر دیا تو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کا دن بھی عائشہ کے پاس گزارتے تھے۔ [1]

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ : یعنی انسان کا بخل اور لالچ تو فطری امر ہے۔ مرد کا "شح" یہ ہے کہ عورت سے فائدہ اٹھائے، مگر اس کے پورے حقوق ادا نہ کرے اور عورت کا "شح" یہ ہے کہ مہر اور نان و نفقہ پورا وصول کرے مگر حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے۔ ارشاد فرمایا: (وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ) [التغابن: ١٦] "اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے جائیں سو وہی کامیاب ہیں۔" سیدنا ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "حرص اور ایمان کسی بندے کے دل میں کبھی جمع نہیں ہوتے۔" [2]

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا : یعنی اس لالچ کے جذبے کے باوجود اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے احسان اور فیاضی کا سلوک کریں اور اللہ سے ڈرتے رہیں تو اللہ کے ہاں اس کا اجر ضرور پائیں گے، جو ان کے ہر عمل سے پورا باخبر ہے۔ ارشاد فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ) [البقرة: ١٩٥] "اور نیکی کرو، بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔" اور فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى) [النحل: ٩٠] "بیشک اللہ عدل اور احسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے۔"

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام المومنین سودہ (رض) کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو طلاق دے دیں گے، تو انھوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ

١۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب المرأة تھب یومھا من زوجھا لضرتھا۔۔ الخ: ٥٢١٢۔ مسلم، کتاب الرضاع، باب جواز ھب تھا نوبتھا لضرتھا: ١٤٦٣]

٢۔ [نسائی، کتاب الجھاد، باب فضل من عمل فی سبیل اللہ علی قدمہ: ٣١١٢]

وسلم) سے عرض کیا کہ مجھے طلاق نہ دیں' مجھے نکاح میں برقرار رکھیں۔ اور میری باری حضرت عائشہؓ کو دے دیں' آپ نے ایسا کرلیا' تو یہ آیت نازل ہوئی: تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح کرنا بہتر ہے۔ (النساء: ۱۲۸) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا شوہر اور بیوی جس چیز پر صلح کرلیں وہ جائز ہے۔ [۱]

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتی ہیں ایک شخص کے نکاح میں کوئی عورت ہوتی وہ اس عورت سے زیادہ فائدہ حاصل نہ کرتا' اور اس کو طلاق دینا چاہتا تو وہ عورت کہتی میں اپنے معاملہ میں تمہارے لیے فلاں چیز کی اجازت دیتی ہوں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام نسائیؒ نے اس میں یہ زیادہ روایت کیا ہے کہ وہ عورت کہتی تم مجھے طلاق نہ دو مجھے اپنے نکاح میں برقرار رکھو اور میں اپنا خرچ اور اپنی باری تم سے ساقط کرتی ہوں۔ [۲]

شوہر سے صلح کرنا

الطیالسی و ترمذیؒ (نے اس کو حسن کہا) و ابن المنذر و طبرانی و بیہقیؒ نے اپنی سنن میں ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ سودہؓ اس بات سے ڈر گئیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو طلاق دیں گے تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ کو طلاق نہ دیں اور میری باری عائشہ کو دے دیجئے آپ نے ایسا ہی کرلیا تو یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت "وان امراۃ خافت من بعلہا نشوزا" ابن عباسؓ نے فرمایا دونوں میں کسی

۱۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۰۵۱)

۲۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۰۱' سنن کبری للنسائی' رقم الحدیث: ۱۱۱۲۵)

چیز پر صلح ہو جائے تو یہ جائز ہے۔

ابن ابی شیبہ و بخاری و ابن جریر و ابن المنذرؒ نے عائشہؓ سے لفظ آیت "وان امراۃ خافت من بعلہا نشوزا او اعراضا" کے بارے میں روایت کیا کہ ایک آدمی کے پاس ایک عورت ہو اور وہ اسے مزید اپنے پاس رکھنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس کو جدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ وہ عورت کہے میں اپنے حقوق سے آپ کو بری کرتی ہوں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ماجہؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ یہ آیت "والصلح خیر" ایک ایسے آدمی کے بارے میں نازل ہوئی کہ اس کے نکاح میں ایک عورت تھی کہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے لمبی مدت ہو گئی اور اس میں سے اولاد بھی پیدا ہوئی تو اس نے اس کو تبدیل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ عورت اپنے خاوند کو اس بات پر راضی کرے کہ وہ مرد اس کے پاس ہی رہے مگر اس کے اخراجات سے بری الذمہ ہو جائے۔

مالک و عبدالرزاق و عبد و ابن المنذر اور حاکمؒ (نے اس کو صحیح کہا) اور رافع بن خدیجؓ سے روایت کیا کہ اس کے نکاح میں ایک عورت تھی اور وہ اپنی عمر سے گزر گئی (یعنی بوڑھی ہو گئی) تو میں نے اس پر ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کر لیا اور اس (نوجوان لڑکی) کو اس پر ترجیح دینے لگا تو پہلی بیوی نے اس کے پاس ٹھہرنے سے انکار کر دیا تو انھوں نے اس کو ایک طلاق دیدی یہاں تک کہ تھوڑی مدت باقی رہ گئی تو اس مرد نے کہا اگر تو چاہے تو میں تجھ سے رجوع کروں اور تو اس (جوان عورت) کو ترجیح دینے پر صبر کر لے اور اگر تو چاہے تو میں تجھ کو چھوڑ دوں اس عورت نے کہا بلکہ میں رجوع کرتی ہوں تو اس نے اس سے رجوع کر لیا لیکن پھر بھی وہ ترجیح پر صبر نہیں کر سکتی تو اس نے اس کو دوسری طلاق دیدی اور اس پر نوجوان عورت کو ترجیح دینے لگا یہ وہ صلح ہے جس کے بارے میں ہم کو خبر پہنچی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس

بارے میں نازل فرمایا لفظ آیت "وان امراۃ خافت من بعلہا نشوزا"۔

الشافعی وسعید بن منصور وابن ابی شیبہ وبیہقیؒ نے سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا کہ محمد بن مسلمہؓ کی بیٹی رافع بنب خدیج کے نکاح میں تھی اس نے اس سے کسی کام کو ناپسند کیا یا بڑھاپے کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے اور اس نے اس کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے کہا مجھے طلاق نہ دو اور میرے لیے تقسیم کرلے (یعنی باری کو تقسیم کردے) جیسے تو چاہے تو ان دونوں نے آپس میں صلح کرلی تو اس سے یہ طریقہ جاری ہوگیا۔

ابن جریرؒ نے عمرؓ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے اس کو درہ مارا پھر دوسرے آدمی نے ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا یعنی لفظ آیت "وان امراۃ خافت من بعلہا نشوزا" تو فرمایا کہ اس طرح اور لوگوں نے بھی سوال کیا پھر فرمایا یہ عورت اس آدمی کے پاس تھی وہ اپنی عمر کو گزر گئی (یعنی بوڑھی ہوگئی) تو اس نے اولاد کی تلاش میں دوسری عورت سے نکاح کرلیا اب کسی چیز پر دونوں میں درمیان صلح ہوگئی تو یہ جائز ہے۔

الطیالسی وابن ابی شیبہ وابن راھویہ وعبد بن حمید وابن کریز وابن المنذر والبیہقیؒ نے علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا کہ ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ایک مرد کے پاس دو عورتیں ہوں ان میں سے ایک بوڑھی ہوگئی یا بدصورت ہوگئی اور اس نے اس کو جدا کرنے کا ارادہ کرلیا تو وہ عورت مرد سے اس بات پر صلح کرلے کہ مرد اس کے پاس ایک رات رہے دوسری کے پاس کئی راتیں رہے اور وہ اس کو جدا نہ کرے جتنا عرصہ وہ خوش رہے تو (ایسی صلح کرلینے میں) کوئی حرج نہیں اور اگر عورت اسی مصالحت سے رجوع کرلے تو مرد دونوں میں برابر ہی رجوع کرے۔

ابن جریر وابن المنذرؒ نے ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ وہ عورت جو کسی مرد سے نکاح میں ہو اور بوڑھی ہو جائے اور وہ مرد ایک عورت سے شادی کرنا چاہے اس عورت کے ہوتے ہوئے تو دونوں آپس میں صلح کر لیں اس بات پر یہ ایک دن اس کے لیے ہوگا اور دو دن یا تین دن دوسری کے لیے ہوں گے۔

میاں بیوی میں محبت کم ہو جائے تو صلح کر لے

ابن جریر وابن المنذرؒ نے ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ وہ عورت جو کسی مرد کے نکاح میں ہو جو اس مرد سے بہت محبت کو نہیں پاتی جب اس مرد کی ایک اور بیوی بھی ہو جو اس کی طرف زیادہ محبوب ہے اس سے اور وہ اس کو اس پر ترجیح دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اگر ایسا ہو تو اس سے کہہ دے اے فلانی اگر تو چاہے تو میرے پاس مقیم رہے اس حال میں جو تو دیکھ رہی ہے کہ میں دوسری بیوی کو ترجیح دیتا ہوں۔

تو میں تیرے ساتھ ہمدردی کروں گا اور میں تجھ پر خرچ کرتا رہوں گا پس تو میرے پاس قائم رہ اگر تو ناپسند کرے تو میں تیرا راستہ چھوڑ دوں (یعنی تجھ کو طلاق دیدوں) اگر وہ راضی ہو جائے اس مرد کے پاس رہنے پر جبکہ مرد نے اسے اختیار دیا تھا تو اس پر کوئی گناہ نہیں اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "والصلح خیر" یعنی اختیار دینا مرد کے ساتھ رہے اور جدائی اختیار کرنے ایک عورت کو دوسری عورت پر لگاتار ترجیح دینے سے زیادہ بہتر ہے۔

ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ وہ آدمی جس کے نکاح میں ایک بڑی عمر والی عورت ہے پھر اس نے اس پر ایک جوان عورت سے نکاح کر لیا اور وہ اس بچوں کی ماں کو جدا

کرنے کو ناپسند کرتا ہے پس وہ عورت صلح کر لے عطیہ دینے پر اپنے مال سے اور اپنی جان سے پس اس کے لیے یہ صلح اچھی ہے۔

ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہ آیت ابی السابل بن غضاک کے بارے میں نازل ہوئی۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ (یہ آیت) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کی بیوی (حضرت سودہ بنت زمعہؓ) کے بارے میں نازل ہوئی۔

ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، حاکم اور بیہقیؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ کے نزدیک حلال میں سے سب سے بری چیز طلاق ہے۔

الحاکم نے کثیر بن عبداللہ بن عوفؓ سے اور وہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول الہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہر صلح مسلمانوں کے نزدیک جائز ہے مگر ایسی صلح جو حلال کو حرام کر دے اور حرام کو حلال کر دے (تو یہ جائز نہیں) اور مسلمانوں کو یہی شرطیں پوری کرنی ہوں گی مگر ایسی شرطیں پوری کرنا (جائز نہیں کہ وہ حرام کر دے حلال چیزوں کو)۔

ابن جریر و ابن المنذرؒ نے ابن عباسؓ نے لفظ آیت "واحضرت الانفس الشح" کے بارے میں روایت کیا کہ اس سے مراد ہے وہ عورت صلح کے وقت خاوند سے اپنا حصہ لینے میں بخل سے کام لیتی ہے۔

ابن جریر و ابن المنذرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "واحضرت الانفس الشح" سے مراد ہے کہ وہ دوسرے آدمی سے ایسی چیز کی خواہش کرتا ہے جس پر دوسرا آدمی حرص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء" کہ تم اس بات کی طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں سے

محبت کرنے اور جماع کرنے میں عدل کرو اور اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت " فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ" سے مراد ہے کہ تم ایک کی طرف یوں مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو اس طرح چھوڑ دو کہ بیوہ ہو اور نہ خاوند والی ہو۔

ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے ابن ابی ملیکہؒ سے روایت کیا کہ یہ آیت "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء" حضرت عائشہؓ کے بارے میں نازل ہوئی یعنی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دوسری بیویوں سے زیادہ اس سے محبت فرماتے تھے۔

ایک سے زیادہ بیویوں میں باری مقرر کرنا

ابن ابی شیبہ واحمد وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وابن المنذرؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی عورتوں کے درمیان باری تقسیم فرمایا کرتے تھے اور انصاف فرماتے تھے پھر آپ فرماتے تھے اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس چیز کا جس کا میں مالک ہوں اور مجھے اس بارے میں ملامت نہ کیجئے جس کا تو مالک ہے اور میں اس کا مالک نہیں۔

ابن ابی شیبہ واحمد وعبد بن حمید وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن جریر وابن ماجہؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس کی دو عورتیں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔

ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابن المنذرؒ سے روایت کیا کہ وہ لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) اس بات کو محبوب رکھتے تھے کہ سوکنوں کے درمیان برابری رکھیں یہاں تک کہ خوشبو میں بھی وہ جس طرح ایک عورت کے لیے خوشبو لگاتے اسی طرح دوسری کے لیے بھی خوشبو لگاتے۔

ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابن المنذرؒ نے جابر بن زیدؒ سے روایت کیا کہ میری دو بیویوں تھیں میں ان کے درمیان انصاف کرتا ہوں یہاں تک کہ بوسہ لینے میں بھی۔

ابن ابی شیبہؒ نے محمد بن سیرینؒ سے روایت کیا کہ وہ آدمی جس کی دو عورتیں ہوں وہ اس بات کو ناپسند کرتا تھا کہ وہ ان میں سے ایک کے گھر وضو کرے دوسری کو چھوڑ کر۔

ابن ابی شیبہؒ نے ابراہیمؒ نے فرمایا کہ وہ لوگ سوکنوں میں برابری کرتے تھے یہاں تک کہ جو باقی رہ جاتا تھا ان چیزوں میں سے جس کو کیل نہیں ہوسکتی ستو میں سے اور طعام میں سے تو اس کو ایک ایک ہتھیلی کر کے تقسیم کرتے تھے۔

ابن المنذرؒ نے ضحاکؒ سے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ تو ایک سے محبت رکھے اور دوسری سے بغض رکھے (بلکہ) تو ان کے درمیان انصاف کرے۔

﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ ﴾

اور تم اپنی بیویوں کے درمیان (دل کے تعلق اور محبت کے اعتبار سے) کبھی برابری نہیں کرسکو گے، اگرچہ تم اس کی حرص بھی رکھو، پس (اتنا کافی ہے کہ) تم ایک طرف اس قدر پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ایسا کردو کہ گویا وہ (بیچ میں) لٹکی ہوئی ہو،

اور اگر تم (بقدر امکان) اصلاح کرتے، اور بچتے (اور ڈرتے) رہو، تو (کمی بیشی معاف فرمادی جائے گی کہ) بیشک اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔

اس آیت میں اللہ نے ایک بڑی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ لوگو! تم تمام وجوہ سے عورتوں میں برابری نہیں کر سکتے۔ اگر تم ایک رات ایک کے پاس اور دوسری رات دوسری کے پاس گزارنے کی باری کی تقسیم کر بھی دو تو تم محبت، شہوت اور مباشرت کے اعتبار سے فرق کو دور نہیں کر سکتے۔ اسی لیے اللہ نے نصیحت کی ہے کہ اگر کسی ایک بیوی کی طرف تمہارا میلان ہو، تو اس میں تمہیں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے کہ دوسری کو آسمان و زمین کے درمیان لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنے امور کی اصلاح کرلو گے، باری کی تقسیم میں عدل سے کام لو گے اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ: بیویوں کے درمیان محبت میں تفاوت ہوسکتا ہے۔

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عائشہ سے کتنی محبت کرتے ہیں تو جب ان کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں کوئی ہدیہ بھیجنا ہوتا تو اس کے بھیجنے میں تاخیر کرتے، یہاں تک کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عائشہؓ کے گھر ہوتے تو وہ ہدیہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عائشہؓ کے گھر میں بھیجتے۔ [1]

سیدنا عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا

۱۔ [بخاری، کتاب الھبۃ، باب من أھدی إلی صاحبہ وتحری بعض نساءہ دون بعض: ۲۵۸۱]

تو میں نے پوچھا، آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "عائشہؓ سے۔"[1]

ظاہری حقوق میں عورتوں سے مساوی سلوک کیا جائے، دل کے میلان پر گرفت نہیں ہے۔ سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ازواج مطہرات میں باریوں کی تقسیم کے اعتبار سے پورا پورا انصاف فرمایا کرتے تھے، پھر دعا فرمایا کرتے تھے:

(اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ) "اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے اور اس پر مجھے ملامت نہ کرنا جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں۔"

امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں، یعنی دل کے معاملے میں مجھے ملامت نہ کرنا۔[2]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ نے اپنی بیویوں سے اجازت لی کہ آپ کی تیمارداری میرے گھر میں کی جائے، چنانچہ تمام بیویوں نے آپ کو اجازت دے دی۔[3]

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی ازواج کی باریوں میں عدل

۱۔[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات السلاسل: ۴۳۵۸]

۲۔[مسند أحمد: ۶/۱۴۴، ح: ۲۵۱۶۴۔ أبوداؤد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء: ۲۱۳۴۔ ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر: ۱۱۴۰]

۳۔[بخاری، کتاب الھبۃ، باب ھبۃ الرجل لامرأتہ والمرأۃ لزوجھا: ۲۵۸۸]

کرتے تھے اور فرماتے تھے: اے اللہ یہ میری وہ تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں تو مجھے اس چیز پر ملامت نہ کرنا جس میں، میں مالک نہیں ہوں' امام ترمذیؒ نے کہا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان محبت میں برابری رکھنے کا میں مالک نہیں ہوں۔ (۱)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے تھے' یا اللہ! میرے دل میں جو محبت ہے میں اس کا مالک نہیں ہوں اور اس کے سوا باقی امور میں مجھے امید ہے کہ میں عدل کروں گا۔ (۲)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم چاہو بھی تو محبت اور جماع میں دو بیویوں میں عدل نہیں کر سکتے۔ (۳)

ابن المنذرؒ نے ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ لفظ آیت "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء" یعنی تم عورتوں سے جماع کرنے میں برابری کی طاقت نہیں رکھتے۔

ابن ابی شیبہ و بیہقیؒ نے عبیدہؒ سے فرمایا کہ لفظ آیت "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء" کہ تم محبت میں برابری کی طاقت نہیں رکھتے "فلا تمیلوا کل المیل" یعنی جماع کرنے میں ایک طرف مائل نہ ہو جاؤ "فتذروھا کالمعلقۃ" اس کو چھوڑ دو اس حال میں کہ نہ وہ بیوہ ہو اور نہ خاوند والی ہو۔

ابن جریر و ابن المنذر و بیہقیؒ نے مجاہدؒ سے فرمایا کہ لفظ آیت "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء" یعنی محبت میں برابر کی طاقت نہیں رکھتے (اور) "فلا تمیلوا کل المیل" تو ایک دوسرے کے ساتھ برائی کا ارادہ نہ

۱۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۱۴۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۱۳۴' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۹۵۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۹۷۱)

۲۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

۳۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۲۴')

کرو۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ نہ تو اس طرف (اتنا) مائل ہو جائے اور نہ اس پر (یعنی دوسری بیوی پر) خرچ کرے اور نہ اس کے لیے کوئی دن تقسیم کرے۔

ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ لفظ آیت "فتذروھا کالمعلقۃ" کہ تم اسے یوں چھوڑو کہ نہ تو وہ طلاق والی ہو اور نہ شوہر والی ہو (کہ درمیان میں لٹک جائے)۔

عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن المنذر وابن جریرؒ نے قتادہؒ سے فرمایا کہ "کالمعلقۃ" سے مراد ہے قید کی ہوئی۔

بیویوں میں عدل نہ کرنے والوں کی سزا

ہشامؒ نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ محبت اور عمل تزویج میں کسی ایک بیوی کی طرف بالکل نہ ہو' حسنؒ نے کہا عمل تزویج اور باریوں میں کسی ایک کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ' مجاہدؒ نے کہا دوسری بیوی کے ساتھ عمدا برا سلوک اور ظلم نہ کرو' سدیؒ نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ایسا نہ کرو کہ دوسری بیویوں کو نہ باری دو اور نہ ان کو خرچ دو۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو' ربیعؒ نے کہا اس کا معنی ہے نہ وہ مطلقہ ہو اور نہ شوہر والی ہو' مجاہدؒ نے کہا نہ وہ بیوہ ہو نہ شوہر والی ہو۔ [1]

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص کی دو

۱۔ (جامع البیان ج ٤ ص ٤٢٧۔٤٢٦ مطبوعہ دارالفکر بیروت ١٤١٥ھ)

بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔ [1]

﴿ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ ﴾

اور اگر دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسیع قدرت سے دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا حکمت والا ہے۔

یہ تیسری صورت ہے کہ کوشش کے باوجود اگر نباہ کی صورت نہ بنے پھر طلاق کے ذریعے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ ممکن ہے علیحدگی کے بعد مرد کو مطلوبہ صفات والی بیوی اور عورت کو مطلوبہ صفات والا مرد مل جائے۔ اسلام میں طلاق کو اگرچہ سخت ناپسند کیا گیا ہے، طلاق حلال تو ہے لیکن یہ ایسا حلال ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے" اس کے باوجود اللہ نے اس کی اجازت دی ہے اس لیے کہ بعض دفعہ حالات ایسے موڑ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور فریقین کی بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ مذکورہ حدیث میں صحت اسناد کے اعتبار سے اگرچہ ضعف ہے تاہم قرآن وسنت کی نصوص سے یہ واضح ہے کہ یہ حق اسی وقت استعمال کرنا چاہیے جب نباہ کی کوئی صورت کسی طرح

۱۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۴۴، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۱۳۳، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۹۵۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۹۶۹، مسند احمد: رقم الحدیث: ۷۹۴۱، ۸۵۷۶، ۱۰۰۹۶، السنن الکبری للبیہقی ج ۷ ص ۲۹۷)

بھی نہ بن سکے۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے فرمایا کہ "وان یتفرقا" سے طلاق مراد ہے کہ خاوند بیوی کو طلاق دے دے۔

﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿١٣١﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٣٢﴾ ﴾

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور البتہ ہم نے ان لوگوں کو وصیت کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی وصیت کی کہ اللہ سے ڈرو، اور اگر کفر کرو گے تو بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز ہے لائق حمد وستائش ہے۔(۱۳۱) اور اللہ ہی مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور کارسازی

کے لیے بس وہی کافی ہے۔(۱۳۲)

ربط آیات:

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں، یتیم بچیوں اور کمزور طبقات کے حقوق کا ذکر فرمایا، پھر میاں بیوی کے درمیان نزاع کی صورت میں صلح کرنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا کہ اگر عورت سمجھتی ہے کہ خاوند اعراض کر رہا ہے تو وہ اپنے حقوق میں کمی کر کے خاوند کو صلح پر آمادہ کر سکتی ہے تا کہ ان کے درمیان نباہ کی صورت پیدا ہو سکے۔ متعدد بیویوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے انصاف قائم رکھنے کی تاکید فرمائی، اللہ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی ایک عورت کی طرف مکمل جھکاؤ ہو۔ اور دوسری کو لٹکتا ہوا چھوڑ دیا جائے، فرمایا قانون کے مطابق ہر ایک کے ساتھ عدل قائم کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر کوئی خامی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

فرمایا اگر میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت نظر نہ آئے اور علیحدگی تک نوبت آ جائے تو وہ بھی خوش اسلوبی سے انجام پانی چاہیے۔ طلاق کو ایک مستقل دشمنی کی صورت نہیں دینی چاہیے بلکہ عورت اور مرد اسی معاشرے کے افراد ہیں ہر ایک کے کچھ حقوق و فرائض ہیں جنہیں ادا کرنا چاہیے، اگر علیحدگی نیک نیتی اور اصلاح کی خاطر ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لیے وسعت پیدا فرما دیگا۔ اور باقی ماندہ زندگی کے گزران کیلئے بہتر وسائل پیدا کر دیگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے گزشتہ اہل کتاب کو تقویٰ کی وصیت کی تھی اور اے مومنو! تمہیں بھی وصیت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اور کفر نہ کرو۔ کفر کر کے تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ اس لیے آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کی ملکیت ہے، وہ ہر چیز سے کامل طور پر بے نیاز ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا: یعنی اپنے بندوں سے بے نیاز ہے اور اپنے تمام فیصلوں اور احکام میں قابل ستائش ہے جیسا کہ اللہ نے بیان فرمایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا تھا، (اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ)[إبراهيم:٨] "اگر تم اور وہ لوگ جو زمین میں ہیں، سب کے سب کفر کرو تو بیشک اللہ یقیناً بڑا بے پروا، بے حد تعریف والا ہے۔"

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے، تمہارے پچھلے، تمہارے انسانوں اور تمہارے جنوں (کے دل) سب سے زیادہ متقی آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری سلطنت میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہوگا اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے، تمہارے پچھلے، تمہارے انسانوں اور تمہارے جنوں (کے دل) سب سے زیادہ بدکار آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری سلطنت میں کچھ بھی کمی نہیں آئے گی اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے، تمہارے پچھلے، تمہارے انس اور تمہارے جن ایک ہموار میدان میں کھڑے ہو کر مانگنا شروع کریں اور میں ہر انسان کو اس کی مطلوبہ چیزیں دے دوں تو اس سے جو کچھ میرے پاس ہے اس میں کوئی کمی نہیں آئے گی، مگر اتنی کہ جتنی سوئی کو سمندر کے پانی میں ڈبونے سے آئے گی۔"[1]

آسمانوں اور زمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے" اس کو یہاں تین مرتبہ دہرایا گیا ہے (آیت ۱۳۱ ۔۔ میں دو مرتبہ اور آیت ۱۳۲ میں ایک مرتبہ) یہ محض تکرار نہیں ہے بلکہ مختلف پہلوؤں سے یہ بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے کہ مالک کل تنہا وہی ہستی ہے اس لیے اسی سے امیدیں وابستہ کی جانی چاہئیں

۱۔[مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۷]

اسی سے ڈرنا چاہیے اور اسی کو مرجع بنانا چاہیے۔

پہلی مرتبہ اس فقرہ کا ذکر اس پہلو سے ہے کہ جو ہستی آسمان وزمین کی موجودات کی مالک ہے وہ تنگ نظر اور تنگ دست نہیں ہوسکتی وہ یقیناً بڑی فراخ دست اور بڑی فیاض ہے اس لیے تم (زوجین علیٰحدگی کی صورت میں) اس سے بجا طور پر یہ امید کرسکتے ہو کہ وہ تم میں سے ہر ایک کو اپنے فضل سے مستغنی کر دے گا۔ دوسری مرتبہ اس کو دہرانے سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ یہ جو معاشرتی ہدایات دی گئی ہیں وہ تمہاری اپنی بھلائی کے لیے ہے اس سے اللہ کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے اگر تم کفر بھی کرو تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کچھ بگڑنے والا نہیں کیونکہ ساری کائنات اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز سے بے نیاز اور ہر طرح کے کمالات سے متصف ہے اور تیسری مرتبہ اس کے اعادہ کا منشاء یہ ہے کہ بندے اسی پر توکل کریں۔

ابن جریر وابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ لفظ آیت "وکان اللہ غنیا حمیدا" سے مراد ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اور "حمیدا" سے مراد ہے ان کے ہاں حمد کے لائق ہے۔ حضرت علیؓ سے اسی طرح کی روایت ہے۔

ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے فرمایا لفظ آیت "وکفی باللہ وکیلا" سے مراد ہے حفاظت کرنے والا (نگہبانی کرنے والا)۔

﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿١٣٣﴾ ﴾

اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس

پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے' اور اللہ اس پر قادر ہے۔ (النساء: ۱۳۳)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحۃ عام تہدید فرمائی ہے کہ اے لوگوں! اگر اللہ چاہے تو وہ تم کو فنا کر دے گا اور تمہارے بدلہ میں ایک دوسری قوم پیدا کر دے گا' کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کے قبضہ وقدرت میں ہے اور وہ جس چیز کو چاہے پیدا کرنے اور فنا کے گھاٹ اتارنے پر قادر ہے' اس آیت میں اللہ نے ان مشرکین پر غضب کا اظہار فرمایا ہے جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذاء پہنچاتے تھے اور آپ کی دعوت کو مسترد کرتے تھے اور اس میں اپنی قدرت قاہرہ اور سلطنت غالبہ کا اظہار فرمایا ہے' اس آیت کی مثل یہ آیات ہیں:

(آیت) "وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم"۔ (محمد: ۳۸)

ترجمہ: اور اگر تم نے (حق سے) روگردانی کی' تو اللہ تمہارے جگہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

(آیت) "ان یشایذھبکم ویات بخلق جدید، وماذالک علی اللہ بعزیز"۔ (ابراہیم: ۲۰۔۱۹)

ترجمہ: اور اگر (اللہ) چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق پیدا کر دے' اور' یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "ان یشایذھبکم"۔ اگر چاہے تو لے جائے تمہیں موت کے ساتھ (آیت) "ایھا الناس"۔ یہ خطاب مشرکین ومنافقین کو ہے (آیت) "ویات باخرین"۔ اور تمہارے

علاوہ دوسرے لوگوں کو لے آئے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت سلیمان فارسیؓ کی پیٹھ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ھم قوم ھذا وہ اس کی قوم ہے، بعض نے فرمایا: آیت عام ہے یعنی اگر تم انکار کرو گے تو وہ تمہیں لے جائے گا اور ایسی مخلوق لے آئے گا جو تم سے زیادہ اللہ کی اطاعت گزار ہوگی، یہ اس طرح ہے جس طرح دوسری آیت میں فرمایا (آیت) "وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم"۔ (محمد) اس آیت میں ہر اس شخص کو تنبیہ کی گئی ہے اور ڈرایا گیا ہے جس کو کوئی ولایت، امارت اور ریاست حاصل ہے اور وہ اپنی رعیت سے انصاف نہیں کرتا یا وہ عالم ہے اور اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اور لوگوں کو نصیحت نہیں کرتا وہ اسے لے جائے اور کوئی دوسرا لے آئے۔

(آیت) "وکان اللہ علی ذلک قدیرا"۔ قدرت اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے اس کی مقدورات لامتناہی ہیں جس طرح اس کی معلومات لامتناہی ہیں، اس کی صفات میں ماضی اور مستقبل ایک جیسا ہے، ذکر میں ماضی کو خاص کیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ وہ اپنی ذات اور صفات میں حادث ہے، قدرت سے مراد وہ قدرت ہے جس کے ساتھ فعل ہوتا ہے اس کے ہوتے ہوئے عجز کا وجود جائز نہیں ہوتا۔

یعنی جو آخرت کی طلب کے لیے اللہ تعالیٰ کے فرائض پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں اس کا ثواب عطا فرمائے گا اور جو دنیا طلب کرنے کے لیے عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا فرمائے گا جو اس نے دنیا میں اس کے لیے کیا ہے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی ثواب نہ ہوگا، کیونکہ اس نے غیر اللہ کے لیے عمل کیا جیسا کہ اللہ نے فرمایا (آیت) "ومالہ فی الاخرۃ من نصیب"۔ (الشوریٰ) اور نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ۔

عبد بن حمید و ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے فرمایا کہ لفظ آیت "ان یشایذھبکم ایھا الناس ویات باخرین" یعنی

اللہ کی قسم! ہمارے رب قادر ہیں اس بات پر کہ وہ اپنی مخلوق سے جس کو چاہیں ہلاک کر دیں اور ان کے بعد دوسروں کو لے آئیں۔

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ﴾

جو شخص ارادہ کرے (صرف) دنیا کے ثواب کا تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت کا ثواب ہے اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

آخر میں فرمایا (مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ) اللہ سے آخرت کا ثواب مانگے اور اس کی آرزو بھی رکھے جو شخص دنیا کا طالب ہے اسے بتا دو کہ اللہ کے پاس دونوں جہانوں کا ثواب ہے۔ اشرف ترین چیز یعنی ثواب آخرت کا طالب ہونا چاہیے۔ [۱]

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جس کا مقصد آخرت ہی بن جائے اللہ تعالیٰ اس کے منتشر امور کو جمع فرما دے گا اور اس کے دل کو غنی کر دے گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اور جس کی نیت حصول دنیا ہو اس کے کاموں کو منتشر فرما دے گا اور اس کی آنکھوں کے سامنے تنگی کر دے گا۔ اور دنیا اسے اتنی ہی ملے گی جتنی اس کے لیے لکھ دی گئی۔ [۲]

آخر میں فرمایا (وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا) یعنی اللہ تعالیٰ تمام اقوال کو سنتا ہے اور تمام احوال کو دیکھتا

۱۔ (روح المعانی صفحہ ۱۶۶: ج ۵)

۲۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۱۲۱: ج ۴)

ہے۔ جولوگ طالب دنیا ہیں صرف دنیا کے لیے عمل کرتے ہیں آخرت کی طرف نہیں بڑھتے اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے جولوگ ریا کاری کے طور پر عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ان کا حال پوشیدہ نہیں ہے وہ اپنے علم کے مطابق بدلہ دے گا۔

یعنی جس شخص کا مطلوب ومقصود صرف دنیا ہی ہے اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا وآخرت دونوں کا ثواب موجود ہے۔ لہٰذا جب تم اس سے دونوں کا ثواب طلب کروگے تو وہ تمہیں دونوں کا ثواب عطا فرما کر بے نیاز کر دے گا، ارشاد فرمایا: (مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)[ھود:۱۵،۱۶] ”جوکوئی دنیا کی زندگی اوراس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہو ہم انھیں ان کے اعمال کا بدلہ اسی (دنیا) میں پورا دے دیں گے اوراس (دنیا) میں ان سے کمی نہ کی جائے گی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہوگیا جو کچھ انھوں نے اس میں کیا اور بے کار ہے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔“ اور فرمایا: (فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ)[البقرۃ:۲۰۰ تا ۲۰۲] ”پھر لوگوں میں سے کوئی تو وہ ہے جو کہتا ہے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے دے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اوران میں سے کوئی وہ ہے جو کہتا ہے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اس میں سے ایک

حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔" اور فرمایا: (مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۔ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا) [بنی اِسرائیل: ۱۸ تا ۲۱] "جو شخص اس جلدی والی (دنیا) کا ارادہ رکھتا ہو ہم اس کو اس میں جلدی دے دیں گے جو چاہیں گے، جس کے لیے چاہیں گے، پھر ہم نے اس کے لیے جہنم بنا رکھی ہے، اس میں داخل ہوگا، مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوا۔ اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے کوشش کی، جو اس کے لائق کوشش ہے، جبکہ وہ مومن ہو تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش ہمیشہ سے قدر کی ہوئی ہے۔ ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں، ان کی اور ان کی بھی، تیرے رب کی بخشش سے اور تیرے رب کی بخشش کبھی بند کی ہوئی نہیں۔ دیکھ ہم نے ان کے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دی ہے۔"

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾ ﴾

اے ایمان والو! اللہ ہی کے لیے عدل وانصاف پر مضبوطی کے ساتھ گواہی دینے والے ہوجاؤ۔ چاہے وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ داروں، عزیزوں کے وہ امیر ہو یا غریب اللہ ان دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ تم خواہش کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑو اور اگر تم نے غلط بیانی یا پہلو تہی (منہ موڑو نا) کی تو جان لو جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

ربط آیات:

اس سے پہلی آیتوں میں عورتوں، یتیم لڑکیوں اور کمزور بچوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا تھا، اور عورتوں کو یہ ہدایت دی تھی کہ اگر انھیں اپنے شوہروں سے بے رغبتی اور علیحدگی کا خطرہ ہو تو وہ اپنے بعض حقوق ترک کر کے صلح کر لیں، اور شوہروں کو حکم دیا تھا کہ وہ بیویوں کے ساتھ عدل اور انصاف کریں، غرض یہ کہ اس پورے رکوع میں عائلی اور خانگی معاملات میں عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں عمومی طور پر عدل اور انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں حقوق العباد کو ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ کے لیے گواہی دینے کا حکم فرما کر حقوق اللہ کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل پہلی آیت میں محض دنیا کو طلب کرنے کی مذمت کی تھی اور دنیا اور آخرت دونوں کو طلب کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اس آیت میں بھی اسی نہج پر فرمایا ہے کہ تم اللہ کے لیے انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے گواہی دو، خلاصہ یہ ہے کہ تمہارا ہر عمل اللہ کے لیے ہو حتی کہ ہر حرکت

اور ہر سکون، ہر قول اور ہر فعل اللہ کے لیے ہو، اور یہی انسانیت کی معراج ہے، ورنہ محض پیٹ بھرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے کھالینا اور جس سے چاہے قضاء شہوت کر لینا ہی مقصود ہو تو پھر انسان میں اور جانوروں اور درندوں میں کیا فرق رہے گا!

شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا کونوا"

ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ سے روایت کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوئی تو اس وقت دو آدمی غنی اور فقیر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں جھگڑتے ہوئے آئے۔

اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس خیال سے کہ فقیر مالدار آدمی پر ظلم نہیں کر سکتا، فقیر کی حمایت میں تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی اور مالدار اور فقیر کے درمیان انصاف کرنے کا حکم دیا۔ [1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ دنیا میں انصاف پرور بن کر رہیں اور اگر ان کے پاس کوئی گواہی ہے تو اسے اللہ کی رضا کے لیے ادا کریں، چاہے اس کی ضرب خود انھی پر کیوں نہ پڑتی ہو، یا وہ گواہی ان کے والدین اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ پڑتی ہو اور چاہے جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہو وہ کوئی مال دار آدمی کیوں نہ ہو کہ جس کی خوشنودی کی خاطر عام طور پر لوگ اس کے خلاف گواہی نہیں دیتے، یا کوئی غریب آدمی کیوں نہ ہو، جس پر رحم کھاتے ہوئے لوگ اس کے خلاف گواہی نہیں دیتے۔ اس لیے کہ اللہ بہتر جانتا ہے اور وہ زیادہ ان پر حق رکھتا ہے، لہٰذا ذاتی غرض،

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح))

عصبیت اور آپس کی عداوت کی وجہ سے انصاف کا دامن نہ چھوڑ بیٹھیں، نہ اس میں اپنی زبان کے ذریعے تحریف پیدا کریں اور نہ اسے چھپانے کے لیے اس سے اعراض کریں۔ اس لیے کہ اللہ ان تمام اعمال سے باخبر ہے، ان کا انھیں بدلہ دے کر رہے گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ: عدل و انصاف کے ساتھ گواہی دینا بہت ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ) [الطلاق:۲] "اور شہادت اللہ کے لیے قائم کرو۔" اور فرمایا: (وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ) [البقرۃ:۱۴۰] "اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے وہ شہادت چھپالی جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے تھی اور اللہ ہرگز اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔" اور فرمایا: (وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ) [البقرۃ:۲۸۳] "اور شہادت مت چھپاؤ اور جو اسے چھپائے تو بیشک وہ، اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو اسے خوب جاننے والا ہے۔" جھوٹی گواہی دینا بہت بڑا گناہ ہے۔

سیدنا ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین دفعہ فرمایا: "کیا میں تمھیں کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟" صحابہؓ نے کہا، کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔"

سیدنا ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور مزید فرمانے لگے: "خبردار! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، خبردار! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا۔" پھر

آپ مسلسل یہی کہتے رہے، میں نے سوچا آپ خاموش نہیں ہوں گے۔ [1]

اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا : یعنی جس کے خلاف تمہاری گواہی پڑ رہی ہے، وہ دولت مند ہے تب، اور اگر غریب ہے تو تب بھی تم اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت سے بڑھ کر اس کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا نہ تم دولت مند کی دولت مندی کی وجہ سے اس کی بے جا حمایت یا مخالفت کرو اور نہ غریب پر ترس کھا کر اس کے بے جا رعایت کرو، بلکہ ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سچی گواہی دو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ غریب کی غربت تمہیں اس کی بے جا حمایت پر آمادہ کر دے۔ تم اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اس کے بندوں کے، خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، خیر خواہ ہو سکتے ہو نہ زیادہ ان پر حق رکھنے والے۔

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا : "اِنْ تَلْوٗٓا" یعنی اگر تم زبان کو پیچ دے کر اس طرح بات بنا کر پیش کرو کہ جس کے خلاف گواہی پڑنی چاہیے وہ بچ جائے "اوتعرضوا" یعنی اعراض کرنا کے معنی شہادت کے چھپانے اور ترک کرنے کے ہیں، ارشاد فرمایا: (وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ)[البقرۃ:۲۸۳] "اور جو اسے چھپائے تو بیشک وہ، اس کا دل گناہ گار ہے۔"

سیدنا زید بن خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا میں تمہیں بہتر گواہ کے متعلق نہ بتاؤں؟ (بہتر گواہ) وہ (ہے) جو پوچھنے سے پہلے ہی (سچی) گواہی دے دے۔" [2]

ابن المنذر و ابن ابی حاتم و البیہقیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "یایھا الذین امنوا کونوا قومین" سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم فرمایا کہ وہ حق بات کہیں اگرچہ وہ ان کے اپنے آباء یا

۱۔[بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین:۵۹۷۶۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان الکبائر:۸۷]

۲۔[مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب بیان خیر الشھود:۱۷۱۹۔ أبوداؤد، کتاب القضاء، باب فی الشھادات:۳۵۹۶]

ان کے اپنے بیٹوں کے خلاف ہو وہ مالدار سے اس کی مالداری کی وجہ سے نہ ڈریں اور نہ ہی مسکین پر اس کی مسکینی کی وجہ سے رحم کریں اور فرمایا لفظ آیت "فلا تتبعوا الھوی" یعنی خواہشات کی تابعداری نہ کرو کہ حق کو چھوڑ بیٹھو اور ظلم کرنے لگو اور فرمایا "وان تلوا" یعنی اپنی زبانوں کو دہرانہ کرو گواہی دیتے وقت یا اعراض نہ کرو گواہی دینے سے۔

ابن ابی شیبہ واحمدؒ فی الزھد وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابونعیمؒ نے الحلیہ میں ابن عباسؓ سے لفظ آیت "یایھا الذین امنوا کونوا قومین بالقسط شھداء للہ" کے بارے میں روایت کیا کہ وہ آدمی قاضی کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں دوسرے کی نسبت قاضی ایک کے لیے جھکتا ہے یا اعراض کرتا۔

انصاف کے ساتھ شہادت دینا

ابن المنذرؒ نے ابن جریج ؒ کے واسطہ سے ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام سے روایت نقل کی ہے کہ جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ منورہ تشریف لائے تو پہلی سورہ بقرہ نازل ہوئی پھر اس کے پیچھے سورہ نساء نازل ہوئی ایک آدمی کے پاس شہادت ہوتی تھی اپنے بیٹے اپنے چچا اور اپنے رشتہ دار کے بارے میں وہ شہادت بیان کرتے ہوئے اپنی زبان کو پھیر لیتا ہے یا اس کو چھپا لیتا ہے اس کی وجہ اس آدمی کی تنگدستی ہوئی وہ خیال کرتے کہ خوشحال ہو جائے تو اس وقت اس کے خلاف دوں گا تو یہ حق ادا کر دے گا تو یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت "یایھا الذین امنوا کونوا قومین بالقسط شھداء للہ۔ الخ" یعنی وہ مالدار ہے یا فقیر تم اللہ کی رضا کے لیے گواہی دو۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں نازل ہوئی ان کی طرف دو آدمیوں نے جھگڑا کیا ایک مالدار تھا ایک فقیر تھا آپ (صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کی ہمدردی اس فقیر کے ساتھ تھی اور آپ کی رائے تھی کہ فقیر غنی پر ظلم نہیں کرسکتا اللہ تعالیٰ نے انکار کیا مگر یہ کہ وہ انصاف کے ساتھ قائم رہیں غنی اور فقیر کے بارے میں۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہ شہادت کے بارے میں ہے یعنی صحیح گواہی دو اے ابن آدم! اگرچہ وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا والدین یا قریبی رشتہ داری یا اپنی قوم کے معززین کے خلاف ہو بلاشبہ شہادت اللہ کے لیے ہوتی ہے نہ کہ لوگوں کے لیے بلاشبہ اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اپنے بارے میں عدل وانصاف کے ساتھ اور عدل وانصاف اللہ تعالیٰ کے ترازو ہیں زمین میں اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ لوٹاتے ہیں قوی سے ضعیف پر صادق سے کاذب پر باطل پرست سے حق پرست پر اس انصاف کے ذریعہ سچ بولنے والے کی تصدیق کرتا ہے اور جھوٹ بولنے والے کی تکذیب کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو ہمارا باپ ہے اس کے ذریعہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو واپس لوٹاتا ہے اسی انصاف کے ساتھ لوگوں کی اصلاح کرتا ہے اے ابن آدم اگر وہ غنی ہو یا فقیر ہو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ زیادہ شفقت کرنے والا ہے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ زیادہ شفقت کرنے والا ہے تمہارے مالدار اور تمہارے فقیر سے مالدار کو مالداری اور فقیر کو فقیری سے تمہیں اس بات سے نہ روکے کہ جو کچھ تو جانتا ہے اس کے بارے میں گواہی دے کیونکہ یہ حق ہے پھر فرمایا اور ہم کو یہ بات ذکر کی گئی کہ اللہ کے نبی موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے میرے رب تو نے کونسی چیز زمین میں قلیل رکھی ہے؟ فرمایا جو چیز میں نے قلیل رکھی ہے وہ عدل ہے۔

ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ لفظ آیت "وان تلوا او تعرضوا" کے بارے میں روایت کیا کہ تیرا زبان کو ناحق موڑنے کا مطلب یہ ہے کہ تو زبان کو حرکت تو دے مگر صحیح طور پر گواہی نہ دے اور اعراض سے مراد ہے

ترک کرنا۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ "وان تلوا" سے مراد تحریف کرنا "اوتعرضوا" سے مراد ہے چھوڑ دینا ہے۔

آدم وبیہقیؒ نے اپنی سنن میں مجاہدؒ سے "وان تلوا" کے بارے میں روایت کیا کہ اس سے مراد ہے کہ تم شہادت کو بدل دو اور "اوتعرضوا" سے مراد ہے اس گواہی کو چھپا دو۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾ ﴾

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری۔ اور جو اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز آخرت کا انکار کرے وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

ربط آیات:

گزشتہ آیات میں ان صاف پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی تھی کیونکہ یہ ایک اہم اصول ہے پھر اللہ نے فرمایا کہ گواہی اللہ کیلئے دو خواہ وہ خود تمہاری ذات کے خلاف ہو یا تمہارے والدین یا اقربا کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو اور زبان کو توڑ موڑ کر شہادت کو بگاڑنے کی کوشش نہ کرو اور نہ ہی گواہی دینے سے اعراض کرو، بلکہ ہر حالت میں عدل و انصاف کو قائم رکھو۔ انصاف کے بغیر دنیا میں امن و چین نصیب نہیں ہوسکتا۔ اگر عدل نہیں ہوگا تو ظلم و زیادتی کی حکمرانی ہوگی اور انسان خرابی اور بربادی میں مبتلا رہیں گے۔ انصاف ایک بنیادی اصول ہے جسے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب ان آیات میں وہ اصل الاصول بیان کیے گئے ہیں جن پر دین، شریعت اور اخلاق کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بنیادی اصولوں پر کاربند ہونے کی تلقین کی ہے۔

شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا امنوا"

بغویؒ نے کلبیؒ کا بیان بروایت ابوصالحؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول عبداللہ بن سلام، اسد بن کعب، اسید بن کعب، ثعلبہ بن قیس، عبداللہ بن سلام کے بھانجے سلام اور بھتیجے سلمہ اور یامین بن یامین کے متعلق ہوا تھا۔ ان لوگوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہر کو عرض کیا تھا کہ ہمارا ایمان آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بھی ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کتاب پر بھی اور (آنحضرت) موسیٰ پر توراۃ اور حضرت عزیرؑ پر بھی۔ ان کے علاوہ ہم کسی کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔

ثعلبیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ عبداللہ بن سلام اسد اور اسید بن کعب کے بیٹے ثعلبہ بن قیس اور سلام عبداللہ بن سلام کے بھانجے اور سلمہ بھتیجے اور یامین بن یامین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم آپ پر اور آپ کی کتاب پر موسیٰ پر توراۃ پر اور عزیر پر ایمان لے آئے اور ہم انکار کرتے رہے ان کے علاوہ کتابوں کا اور رسولوں کا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بلکہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور اس کی کتاب قرآن پر اور ہر کتاب پر جو اس سے پہلے تھی انھوں نے کہا ہم ایسا تو نہیں کرتے اس پر یہ آیت "یایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی نزل علی رسولہ والکتب الذی انزل من قبل" تو سب پر سب ایمان لے آئے۔

ابن المنذرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "یایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ" یعنی یہ اہل کتاب سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان سے پکا وعدہ لیا تھا توراۃ اور انجیل میں اور ان سے اقرار کرایا تھا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا ان کو بلایا کہ وہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں اور قرآن حکیم پر بھی اور ان کو یاد دلایا جو ان سے پکا وعدہ لیا گیا تھا پس بعض ان میں سے وہ تھے جنہوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق کی اور اس کی تابعداری کی اور بعض ان میں سے وہ تھے کہ جنہوں نے انکار کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خطاب کیا اور ان کو "ایمان والے" کہہ کر پکارا، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان تو لا چکے تھے اور اب ایمان لانے کے بعد پھر انھیں ایمان لانے کا جو حکم دیا جا رہا ہے تو اس سے مراد یہی ہے کہ وہ حقیقی معنوں میں ایمان لائیں، ظاہری ایمان پر اکتفا نہ کریں۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ، اس کے فرشتے، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخرت کا انکار کرے گا وہ راہ حق سے بھٹک جائے گا اور کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ: ارشاد فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)[الحدید:۲۸]۔

ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا حصہ دے گا اور تمہارے لیے ایسی روشنی کر دے گا جس کے ذریعے تم چلتے رہو گے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

اور فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ)[البقرۃ:۶۲] "بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی بنے اور نصاریٰ اور صابی، جو بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔"

اور فرمایا: (قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ)[الحجرات: ۱۴، ۱۵] "بدویوں نے کہا ہم ایمان لے آئے، کہہ دے تم ایمان نہیں لائے اور لیکن یہ کہو کہ ہم مطیع ہو گئے اور ابھی

تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو گے تو وہ تمہیں تمہارے اعمال میں کچھ کمی نہیں کرے گا، بیشک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے شک نہیں کیا اور انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔" وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا: یعنی اگر ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کیا تو گویا تمام چیزوں کا انکار کر دیا۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک دن باہر لوگوں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ جبرائیل (علیہ السلام) تشریف لائے اور انھوں نے آپ سے دریافت کیا: "ایمان کیا ہے؟" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کی ملاقات پر، اس کے رسولوں پر اور دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لاؤ۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! اس زمانے کا (یعنی اب سے قیامت تک) کوئی یہودی یا نصرانی (یا کوئی بھی غیر مسلم) میرے بارے میں سنے پھر اس چیز پر ایمان نہ لائے جو میں لے کر آیا ہوں تو وہ آگ والوں میں سے ہوگا۔"[2]

---

[1] [بخاری، کتاب الإیمان، باب سؤال جبرائیل النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عن الإیمان: ۵۰۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الإیمان ما ھو: ۹]

[2] [مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالۃ نبینا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۱۵۳]

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمَا ﴿۱۳۸﴾ ﴾

بیشک جولوگ ایمان لائے پھروہ کافر ہوگئے، پھرایمان لائے، پھرکافر ہوگئے، پھر وہ بڑھتے چلے گئے اپنے کفر میں،تو ایسوں کی نہ تو اللہ بخشش فرمائے گا،اور نہ انھیں ہدایت کی توفیق دے گا۔(۱۳۷) خوشخبری سنادوان منافقین لوگوں کواس بات کی کہ ان کیلئے ایک دردناک عذاب (تیار) ہے۔(۱۳۸)

بعض علماءؒ نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پرایمان لائے اور حضرت عزیز (علیہ السلام) کا انکار کیا پھر حضرت عزیز (علیہ السلام) پرایمان لائے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا انکار کیا پھر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے انکار میں بڑھتے گئے۔

بعض علماءؒ نے کہا: وہ لوگ جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پرایمان لائے پھر حضرت عزیر (علیہ السلام) پرایمان لائے پھر حضرت عزیر (علیہ السلام) کے بعد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا انکار کیا، نصاری نے اس کا انکار کیا جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پرایمان لائے پھر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جو آپ لے کر آئے تھے اس کے انکار میں بڑھتے گئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کفر کو تو بخشتا ہی نہیں پھر کیسے فرمایا: (آیت) "ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم"۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر جب ایمان لاتا ہے تو اس کے کفر کو معاف کر دیا جاتا ہے پھر جب وہ کفر کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اس کے پہلے کفر کو بھی معاف نہیں کیا جاتا، یہ اس طرح ہے جس طرح مسلم میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے فرمایا: کچھ لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ہم سے ان اعمال کا مواخذہ ہوگا جو ہم زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس نے تم میں سے اسلام میں اچھے اعمال کیے تو اس سے زمانہ جاہلیت کے اعمال کا مواخذہ نہ کیا جائے گا اور جو پھر کفر کرے گا تو اس سے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام کے اعمال کا مواخذہ کیا جائے گا"۔ [1]

عبد بن حمید و ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ وہ یہودی اور نصاریٰ مراد ہے یہود توراۃ پر ایمان لے آئے پھر انکار کر دیا اور نصاریٰ انجیل پر ایمان لائے پھر بعد میں اس کا انکار کر دیا۔

عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ان الذین امنوا ثم کفروا" سے مراد یہودی ہیں توراۃ پر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر نصاریٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا لفظ آیت "ان الذین امنوا ثم کفروا" یعنی انجیل پر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر فرمایا لفظ آیت "ثم ازدادوا کفرا" یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انکار کرنے سے کفر میں مزید اضافہ کیا پھر فرمایا لفظ آیت "ولا لیھدیھم سبیلا" یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کے راستے پر نہیں چلاتے اور تحقیق وہ اللہ کی آیات کا انکار کر چکے

۱۔ تفسیر قرطبی، (صحیح مسلم کتاب الایمان، جلد ۱، صفحہ ۷۵) ایک روایت میں ہے من اساء فی الاسلام اخذ بالاول والاخر"۔ (صحیح بخاری باب اثم من الشرک باللہ حدیث نمبر ۶۴۱۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

ہیں۔

ابن جریرؒ نے ابن زیادؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہ منافق لوگ جو دو مرتبہ ایمان لائے اور دو مرتبہ توبہ کافر ہو گئے لفظ آیت "ثم ازدادوا کفرا" (پھر کفر میں زیادہ ہوتے چلے گئے)۔

ابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ وہ منافق مراد ہیں۔

ابن جریر و ابن ابی حاتمؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا کہ آپ نے مرتد کے بارے میں فرمایا کہ تو اس سے تین مرتبہ توبہ کا مطالبہ کر پھر یہ آیت پڑھی "ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا"۔

ابن المنذر و بیہقیؒ نے اپنی سنن میں فضالہ بن عبیدؒ سے روایت کیا کہ ان کے پاس مسلمانوں میں سے ایک آدمی لایا گیا اور وہ دشمن کی طرف بھاگ گیا تھا انھوں نے اس پر اسلام پیش کیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر دوسری مرتبہ بھاگ گیا پھر اس کو لایا گیا آپ نے اس کو اسلام پیش کیا پھر وہ تیسری مرتبہ بھاگ گیا پھر اس کا لایا گیا آپ نے اس آیت کے ساتھ استدلال کیا لفظ آیت "ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا" سے لے کر "سبیلا" تک پھر اس کی گردن اڑا دی۔

ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ثم ازدادوا کفرا" سے مراد ہے کہ وہ کفر میں مکمل ہوئے یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ ابن جریر و ابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے اسی طرح روایت کیا۔

الحاکمؒ نے تاریخ میں الدیلمی و ابن عساکرؒ نے انسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر دن فرماتے ہیں میں تمہارا رب ہوں غالب زبردست پس جو شخص دو جہانوں کی عزت کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ اس ذات کی اطاعت کرے جو غالب ہے زبردست ہے۔

منافقین کا انجام بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، اس لیے کہ انھوں نے

مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا دوست بنالیا۔اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ کیا کافروں کی دوستی سے ان کا مقصد قوت وغلبہ حاصل کرنا ہے؟ وہ جسے چاہتا ہے عزت اور کامیابی عطا کرتا ہے، کفار اللہ کی مرضی کے بغیر ان کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟

﴿ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ ﴾

وہ منافق جو مسلمانوں کے بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کر رہے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "الذین یتخذون الکفرین اولیآء من دون المؤمنین"۔ (آیت) "الذین، المنافقین کی صفت ہے اس آیت میں دلیل ہے کہ مسلمانوں میں جو معصیت کا ارتکاب کرے وہ منافق نہیں ہے، کیونکہ وہ کفار کو دوست نہیں بناتا۔اس آیت کے ضمن میں کفار سے دوستی کی ممانعت بھی ہے اور وہ اعمال جو دین سے متعلق ہیں ان پر کافروں سے مدد لینا بھی منع ہے، صحیح میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ مشرکوں میں سے ایک شخص نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا کہ وہ آپ کی معیت میں جہاد میں شریک ہوگا۔تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے فرمایا: "تو واپس چلا جا ہم مشرک سے مدد حاصل نہیں کرتے"۔ [۱]

العزۃ اس کا معنی غلبہ ہے۔عزہ یعزہ عزا جب کوئی کسی پر غالب آجائے۔(آیت) "فان العزۃ للہ جمیعا

۱۔(صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر، جلد ۲ صفحہ ۱۱۸)

"۔غلبہ اور قوت اللہ کے لیے ہے۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: (آیت) "یبتغون عندہم اس سے مراد بنی قینقاع ہیں کیونکہ ابن ابی نے بنی قینقاع سے دوستی لگائی تھی۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ: ایمان والوں کا شیوہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اپنا دلی دوست بنائیں، اگر انھوں نے کافروں کو اپنا دوست بنا رکھا ہے تو پھر ان کا دعوئے ایمان کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ ارشاد فرمایا: (لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاءَهُمْ اَوْ اَبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)[المجادلۃ:۲۲] "تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، یاد رکھو! یقیناً اللہ کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

" اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا : ارشاد فرمایا: (وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ)[المنافقون:۸] "حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے

لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے اور لیکن منافق نہیں جانتے۔" اور فرمایا: (مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا) [فاطر: ۱۰] "جو شخص عزت چاہتا ہو سو عزت سب اللہ ہی کے لیے ہے۔"

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ۙ ﴿۱۴۰﴾ ﴾

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یہ حکم پہلے نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو کہ آیات الٰہی کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو وہاں ان کے ساتھ مت بیٹھو تا آنکہ یہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں، ورنہ تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

ربط آیت: اوپر کی آیتوں میں کافروں سے دوستی کی ممانعت تھی اب ان آیات میں ان لوگوں کی مجالست سے منع فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی ممنوع ہے جو احکام خداوندی کے ساتھ تمسخر کرتے ہوں کسی کے ساتھ تمسخر کرنا یہ اس کی انتہائی تحقیر اور تذلیل ہے جس طرح احکام حکومت کے ساتھ تمسخر

عدالت اور حکومت کی توہین ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ نشت و برخواست اور دوستانہ تعلقات قانونا جرم ہے اسی طرح احکام شریعت کے ساتھ تمسخر قانون خداوندی کی توہین وتذلیل ہے اور ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی شرعا ممنوع ہے چہ جائیکہ ان کے ساتھ دوستی کی جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانوں جس کتاب پر تم ایمان رکھتے ہو اس کتاب میں اللہ نے یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہوئے یا ان کا تمسخر اور مذاق ہوتے ہوئے سنو تو اس حالت میں ان کو کفر کرنے والے مسخروں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کفر اور مسخرہ پن کو چھوڑ کر کسی اور بات میں نہ لگ جائیں۔

کیونکہ اس حالت میں اگر تم ان کے پاس بیٹھے تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اس لیے کہ جب تم احکام خداوندی کا تمسخر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنا اس بات کی علامت ہے کہ تم بھی اس کفر اور استہزاء پر راضی ہو مشرکین مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر قرآن کا مشغلہ بناتے اور اس کی آیتوں کا مذاق اڑاتے اور اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت سے ان کی مجلس میں جاتا تو اس قرآن کریم کے نسبت نامناسب الفاظ سننے پڑتے اس پر اللہ نے سورہ انعام میں یہ حکم نازل کیا، واذا رایت الذین یخوضون فی آیتنا۔۔الی۔۔ حدیث غیرہ۔آیت۔اور جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو احبار یہود نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور مشرکین مکہ کی تقلید کی منافق ان کی مجلسوں میں جاتے اور مضحکہ میں ان کے ساتھ شریک ہوتے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو شخص آیات خداوندی کے ساتھ ہنسی کرنے والوں کے پاس بیٹھے گا وہ بھی کفر اور استہزاء میں ان کا شریک ہوگا۔

مشرکین مکہ، منافقین اور یہود مدینہ اپنی مجلسوں میں قرآن کریم کا مذاق اڑاتے تھے۔اس لیے اللہ نے

مسلمانوں کو ان کے ساتھ بیٹھنے سے منع فرمایا، نیز فرمایا کہ منع کرنے کے باوجود اگر تم ایسی مجلسوں میں، جہاں آیات الٰہی کا استہزا کیا جاتا ہو، بیٹھو گے اور اس پر نکیر نہیں کرو گے تو پھر تم بھی گناہ میں ان کے برابر ہو گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا، جن میں اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے احکام کا قولاً و عملاً مذاق اڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل امراء، فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں ایسا ہوتا ہے، یہ سخت گناہ ہے، (اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ) کی وعید قرآنی اہل ایمان کے اندر کپکپی طاری کر دینے کے لیے کافی ہے، بشرطیکہ دل کے اندر ایمان ہو۔ ارشاد فرمایا: (وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ) [الانعام:٦٨] "اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں (فضول) بحث کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کر، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر کبھی شیطان تجھے ضرور ہی بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔" اس آیت کا حکم عام ہے اور ہر اس مجلس میں شرکت حرام ہے جہاں قرآن و سنت کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔ وہ کفار و مشرکین کی مجلس ہو یا اہل بدعت اور منافق و فاجر کی۔ جب برائی کو ہاتھ سے بھی نہ روک سکے نہ زبان سے تو پھر خاموش بیٹھ کر سنتے رہنا تو اضعف الایمان کے بھی منافی ہے۔

سیدنا ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اور اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر اس کی

بھی طاقت نہ ہوتو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔"[1]

ابن المنذر و ابن جریرؒ نے ابو وائلؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک کسی مجلس میں ایسی جھوٹی بات کہتا ہے اس کے ذریعہ اپنے ہم نشینوں کو ہنساتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوتے ہیں یہ بات ابراہیم نخعیؒ کو ذکر کی گئی تو انھوں نے فرمایا ابو وائل نے سچ کہا کیا یہ اللہ کی کتاب میں نہیں ہے لفظ آیت "فلا یقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ"۔

ابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ سورہ امام میں (یہ آیت) اتاری گئی لفظ آیت "حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ" تم سورہ نساء میں سخت حکم نازل ہوا۔ یعنی "انکم اذا مثلھم"۔

ابن المنذرؒ نے سدیؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ جب مومنین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بیٹھے ہوتے اور قرآن نازل ہوتا تو مشرکین بدزبانی کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ (مذاق کے علاوہ) کوئی اور بات شروع نہ کریں۔

سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اہل مدینہ میں سے منافقین کو اور اہل مکہ میں سے مشرکین کو جو قرآن کا مذاق اڑاتے تھے سب کو جہنم میں جمع فرمائیں گے۔

ابن جریر و ابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "الذین یتربصون بکم" یعنی منافق لوگ ایمان والوں کے بارے میں گردش زمانہ کا انتظار کرتے تھے پھر فرمایا لفظ آیت "فان کان لکم فتح من اللہ" یعنی اگر مسلمان کو ان کے دشمن سے غنیمت کا مال مل جائے تو منافق کہتے ہیں "الم نکن معکم" کہ ہم تمہارے

۱۔[مسلم، کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان: ۴۹]

ساتھ نہ تھے اس لیے ہم کو بھی غنیمت میں سے دو جیسے تم لے رہے ہو (پھر فرمایا) لفظ آیت "وان کان للکفرین نصیب" یعنی اگر کافروں کو مسلمانوں سے کچھ مال جاتا تو منافق کافروں سے کہتے تھے لفظ آیت "الم نستحوذ علیکم" یعنی کیا ہم نے تم کو نہیں بتایا تھا اور ہم اسی (دین) پر ہیں جس پر تم ہو اور ہم نے ان کو تم سے روکا تھا۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "الم نستحوذ علیکم" یعنی کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے۔

عبدالرزاق والفریابی وعبد بن حمید وابن المنذر والحاکمؒ (نے اس کو صحیح کہا) اور حضرت علیؓ سے روایت کیا کہ ان سے کہا گیا اس آیت "ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا" کے بارے میں بتایئے۔ کہ کفار ہم سے لڑتے ہیں اور وہ غالب آتے ہیں اور وہ قتل بھی کرتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا قریب ہو قریب ہو؟ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمائیں گے (اور فرمایا) لفظ آیت "ولن یجعل اللہ علی المومنین سبیلا"۔

ابن جریرؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولن یجعل اللہ علی المومنین سبیلا" یعنی آخرت میں یہ فیصلہ ہوگا۔

ابن جریر وابن المنذرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولن تجعل اللہ علی المومنین سبیلا" یعنی یہ قیامت کے دن فیصلہ ہوگا۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولن یجعل اللہ علی المومنین سبیلا" یہ فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

سدیؒ سے روایت کیا کہ "سبیلا" سے مراد ہے حجت۔

﴿ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ﴾

یہ منافق تمہارے معاملہ میں انتظار کر رہے ہیں اگر اللہ کی طرف سے فتح تمہاری ہوئی تو آ کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اگر کفار کا پلہ بھاری رہا تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے۔ اور پھر بھی ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا لیا؟ بس اللہ ہی تمہارے اور ان کے معاملہ کا فیصلہ قیامت کے روز کرے گا اور اللہ ہرگز کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں ہمیں یہ خبر دی ہے کہ وہ ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمان برے حالات سے دو چار ہوں، ان کی حکومت زوال پذیر ہو جائے اور کافروں کو ان پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ اگر اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو فتح و نصرت ملتی ہے تو فوراً کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے

ساتھ نہیں تھے؟ تمہاری فتح میں ہمارا بھی دخل ہے، اس لیے مال غنیمت میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہیے اور اگر پانسا پلٹ جاتا ہے اور کافروں کا وقتی طور پہ غلبہ ہو جاتا ہے تو وہی منافق کافروں کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں تھے؟ کیا ہم تمہیں قتل نہیں کر سکتے تھے اور قید و بند سے نہیں گزار سکتے تھے؟ لیکن ہم نے یہ سب کچھ نہیں کیا۔

بلکہ مسلمانوں کی ہمت پست کرتے رہے، یہاں تک کہ تم ان پر غالب آ گئے، ورنہ تم تو حادثات کا شکار ہو چکے ہوتے۔ آگے اللہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، یعنی منافقین اس سے دھوکے میں نہ آ جائیں کہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھ لینے کی وجہ سے اگر دنیا میں ان کی جان بچی ہوئی ہے تو قیامت کے دن بھی وہ جان بر ہو جائیں گے۔ قیامت کے دن ان کی یہ ظاہر داری ہرگز ان کے کام نہیں آئے گی اور دنیا میں منافقین کی یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہوگی کہ مسلمانوں کا وجود ہی ختم ہو جائے۔

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ : ارشاد فرمایا: (وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ)[العنکبوت:۱۰] ”اور یقیناً اگر تیرے رب کی طرف سے کوئی مدد آ جائے تو یقیناً ضرور کہیں گے ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔“

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا : اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر کبھی ایسا غلبہ نہیں دے گا کہ انھیں بالکل ختم کر دے، اللہ کا وعدہ نصرت تو مومنوں کے ساتھ ہے، ارشاد فرمایا: (وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ)[آل عمران:۱۳۹] ”اور نہ کمزور بنو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب ہو، اگر تم مومن ہو۔“ اور فرمایا: (اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ)[المؤمن:٥١] "بیشک ہم اپنے رسولوں کی اوران لوگوں کی جوایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اوراس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔" اگر کوئی کہے، اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ کافروں کے لیے مومنوں پر ہرگز کوئی راستہ نہیں بنائے گا، مگراس وقت معاملہ اس کے برعکس ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تاریخ شاہد ہے کہ ان مومنوں پر جن کا یہاں ذکر ہے، کفار کو کبھی غلبہ حاصل نہیں ہوا، اب اگر مومن ہی وہ مومن نہ رہیں اور جہاد چھوڑ بیٹھیں تو اس میں اللہ کے وعدے کا کیا قصور ہے؟

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ منافقوں کی سزا کو موخر کردے گا اور اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم نہیں دیا۔

مسلمانوں سے وعدہ غلبہ کے باوجود غلبہ کفار کی توجیہ

حضرت علی بن ابی طالبؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا مجھے یہ بتایئے کہ اللہ نے فرمایا ہے اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا، حالانکہ وہ ہم سے قتال کرتے ہیں اور (بعض اوقات) ہم پر غالب آجاتے ہیں' حضرت علیؓ نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں کی مسلمانوں کے خلاف کوئی سبیل نہیں ہوگی۔ امام حاکمؒ نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ [1]

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا انجام کار مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے۔ [2]

۱۔(المستدرک ج۲ ص۳۰۹)

۲۔(زادالمسیر ج۲ ص۱٤۱)

دلیل اور حجت کے اعتبار سے کبھی بھی کافروں کو مسلمان پر غلبہ نہیں ہوگا۔ [1]

اس آیت کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ کافر دنیا کی جنگوں میں بھی ہرگز ہرگز مسلمانوں پر غلبہ نہیں پا سکیں گے بشرطیکہ مسلمان اللہ کے احکام کی نافرمانی نہ کریں اور کسی برائی میں مبتلا نہ ہوں اور گناہوں پر اصرار نہ کریں اور توبہ کو نہ چھوڑیں' اور جب وہ برے کاموں میں ملوث ہو جائیں اور اللہ کی اطاعت کو چھوڑ دیں اور لڑائی میں کافر ان پر غالب آ جائیں تو یہ صرف ان کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(آیت) "وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر"۔ (الشوریٰ: ۳۰)

ترجمہ: اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو وہ تمہاری ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو وہ معاف کر دیتا ہے۔

کافروں کا مسلمانوں پر غلبہ نہ ہونے سے فقہاء احناف اور شوافع کا استنباط مسائل:

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازیؒ متوفی ۶۰۶ لکھتے ہیں:

امام شافعیؒ نے اس آیت سے کئی مسائل مستنبط کیے ہیں۔

(۱) کافر جب مسلمان پر غلبہ پا لے اور اس کے مال کو دار الحرب میں محفوظ کر لے تب بھی وہ اس کا مالک نہیں ہوگا' اور اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا۔

(۲) کافر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمان غلام کو خریدے۔

(۳) مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا' ان تینوں مسئلوں پر یہ آیت دلیل ہے۔ [2]

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۳)

۲۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام علی بن عمر دار قطنیؒ متوفی ۲۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا میں سب سے زیادہ عہد پورا کرنے والا ہوں۔ [۱]

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ ﴾

بے شک منافقین اللہ سے چالبازی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انھیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر محض لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ (۱۴۲) دونوں کے بیچ ادھر میں لٹکے ہوئے ہیں! نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف! اور جسے اللہ بھٹکا دے پھر تو اس کے لیے ہرگز کوئی راستہ نہ پائے گا۔ (۱۴۳)

۱۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۳۵، سنن کبری للبیہقی ج ۸ ص ۲۳۰)

ربط آیات:

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی سزا کا ذکر کیا تھا کہ کافروں اور منافقوں سب کو جہنم میں اکٹھا کیا جائے گا، منافق لوگ کافروں کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں اور ان کو اپنا دوست اور رفیق بناتے ہیں ان کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں تا کہ گردش آنے کی صورت میں ذلیل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی رد فرمایا، اور صاف حکم دیا کہ جب اللہ کی آیتوں کے ساتھ ٹھٹا کیا جارہا ہو، تو ایسی مجلس میں کسی مومن کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ کافروں کی مجلس میں جا کر ان کی خوشامد کرتے ہیں اور مومنوں کے پاس آ کر ان کی چاپلوسی کرتے ہیں تا کہ ان دونوں گروہوں میں سے جن کا پہلو غالب ہو، اسی کے ساتھ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دوغلی پالیسی کی مذمت بیان فرمائی۔ اب آج کے درس میں منافقین کی مزید کارگزاریوں اور ان کے انجام کا ذکر فرمایا ہے۔

منافقوں کے دھوکے کی سزا اور شان نزول:

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامتیں اور ان کے خواص بیان فرمائے تھے' اس آیت میں ان کا تتمہ بیان فرمایا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج ؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی' ابو عامر بن النعمان اور دیگر منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے، جیسے سورہ بقرہ میں ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی (آیت) "یخادعون اللہ والذین امنوا وما یخدعون الا انفسھم"۔ (البقرہ:۹)

حسن ؒ نے بیان کیا ہے کہ مومن اور منافق دونوں پر ایک نور ڈالا جائے گا جس میں چلتے ہوئے وہ پل

صراط تک پہنچیں گے' پل صراط پر پہنچنے کے بعد منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا اور مومن اپنے نور کی وجہ سے پل صراط پر چلتے رہیں گے اس وقت منافقین مومنوں سے کہیں گے:

(آیت) "یوم یقول المنفقون والمنفقت للذین امنوا انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا ورآءکم فالتمسوا نورا فضرب بینھم بسور لہ باب باطنہ فیہ الرحمۃ وظاھرہ من قبلہ العذاب، ینادونھم الم نکن معکم قالوا بلی ولکنکم فتنتم انفسکم وتربصتم وارتبتم وغرتکم الامانی حتی جآء امر اللہ وغرکم باللہ الغرور"۔ (الحدید: ۱۴۔۱۳)

ترجمہ: جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے یہ کہیں گے' ہمیں دیکھو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں' ان سے کہا جائے گا اپنے پیچھے واپس جاؤ پھر وہاں کوئی نور تلاش کرو' پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی' جس کی اندرونی جانب کے دروازہ میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب کے دروازہ میں عذاب ہوگا، منافق مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے کیوں نہیں لیکن تم نے خود کو (نفاق کے) فتنہ میں ڈال دیا' اور تم (مسلمانوں کی مصیبتوں کے) منتظر رہے' اور تم (اسلام کے متعلق) شک کرتے رہے اور تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے تم کو دھوکے میں ڈالے رکھا' حتی کہ اللہ کا حکم آ گیا اور (شیطان کے) دھوکے نے تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھا۔ حسن ؒ نے کہا اللہ تعالیٰ جو ان کو دھوکے کی سزا دے گا' اس کا بھی یہی معنی ہے' ابن جریج ؒ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ [1]

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ : اللہ تعالیٰ کو فریب دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں، حالانکہ دل میں کفر چھپائے ہوئے ہیں اور اللہ کا انھیں

۱۔ (جامع البیان ج ٤ ص ٤٤٩)

فریب دینا یہ ہے کہ وہ انھیں ان کی فریب کاریوں کا بدلہ دیتا ہے اور انھیں دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل وخوار کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

(يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ)[البقرۃ:۹،۱۰]" اللہ سے دھوکا بازی کرتے ہیں اور ان لوگوں سے جو ایمان لائے، حالانکہ وہ اپنی جانوں کے سوا کسی کو دھوکا نہیں دے رہے اور وہ شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں ہی میں ایک بیماری ہے تو اللہ نے انھیں بیماری میں اور بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے۔"

قیامت کے دن بھی ان کے اسی طرح کا معاملہ کیا جائے گا۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا: (يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۔ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۔ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَاْوٰىكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلٰىكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ)[الحدید:۱۳ تا ۱۵]۔

ترجمہ: "جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ان لوگوں سے کہیں گے جو ایمان لائے ہمارا انتظار کرو کہ ہم تمھاری روشنی سے کچھ روشنی حاصل کرلیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پس کچھ روشنی تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار بنادی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کی اندرونی جانب، اس

میں رحمت ہوگی اور اس کی بیرونی جانب، اس کی طرف عذاب ہوگا۔ وہ انھیں آواز دیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں اور لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم انتظار کرتے رہے اور تم نے شک کیا اور (جھوٹی) آرزوؤں نے تمہیں دھوکا دیا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور اس دغاباز نے تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دیا۔ سو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنھوں نے انکار کیا، تمہارا ٹھکانا ہی آگ ہے، وہی تمہاری دوست ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔"

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى: یعنی جب وہ نماز کے لیے آتے ہیں تو بوجھل جسم کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، جیسے کسی نے انھیں اس کام پر مجبور کیا ہو، اس لیے کہ ان کی نیت نماز کی نہیں ہوتی اور نہ اس پر ان کا ایمان ہوتا ہے اور نہ نمازوں کے ارکان و اعمال پر وہ غور و خوض کرتے ہیں۔ ان کا مقصد تو لوگوں کے لیے دکھلاوا ہوتا ہے، تاکہ انھیں مسلمان سمجھا جائے۔ اس لیے جن نمازوں میں چھپنے کی گنجائش ہوتی اس میں وہ غیر حاضر رہتے، جیسے صبح اور عشاء کی نماز۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "منافقوں پر سب سے بھاری نماز عشاء اور صبح کی نماز ہے، تاہم اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ ان میں کس قدر اجر و ثواب ہے، تو یہ ان میں ضرور شریک ہوں، خواہ گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے ہی آنا پڑے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں نماز کا حکم دوں اور پھر اقامت کہی جائے اور میں کسی دوسرے آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں اپنے ساتھ کچھ ایسے لوگوں کو لے کر جاؤں جن کے پاس ایندھن کے گٹھے ہوں، پھر جو لوگ نماز کے لیے نہ آئے ہوں، ان کے گھروں کو آگ سے جلا دوں۔"[1]

۱۔ [بخاری، کتاب الأذان، باب فضل صلوۃ العشاء فی الجماعۃ: ۶۵۷۔ مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلوۃ الجماعۃ: ۶۵۱/۲۵۲]

يُرَاءُوْنَ النَّاسَ: سیدنا جندب علقیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص لوگوں کو اپنی نیکی سنانا چاہے گا اللہ تعالیٰ بھی (اس کی برائی یا اس کا عذاب) لوگوں کو سنائے گا اور جو شخص دکھانے کے لیے عبادت کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو دکھائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب لوگوں کو دکھائے گا)۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(کسی نیک کام کے نتیجہ میں) جو شخص شہرت کا طالب ہو اللہ تعالیٰ اس کی بدنیتی قیامت کے دن سب کو سنا دے گا اور اسی طرح جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک کام کرے اللہ بھی قیامت کے دن اس کو لوگوں کو دکھلا دے گا۔"[2]

وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا: یعنی جلدی جلدی سے، جیسے کوئی بیگار ٹالنا مقصود ہے۔ سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے کہ منافق بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ شیطان کے سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو یہ کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور ان میں بھی اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔"[3]

معلوم ہوا عصر کی نماز دیر سے پڑھنا بھی نفاق ہے اور دو سجدے جلدی جلدی ادا کرنا جن میں وقفہ نہ ہو ایک ہی سجدہ ہوتے ہیں ورنہ آپ چار کی بجائے آٹھ ٹھونگے فرماتے۔

۱۔[مسلم، کتاب الزہد، باب تحریم الریاء: ۲۹۸۷]

۲۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعۃ: ۶۴۹۹۔ مسلم، کتاب الزھد، باب تحریم الریاء: ۲۹۸۶]

۳۔[مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التکبیر: ۶۲۲۔ ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی تعجیل العصر: ۱۶۰]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں۔ (النساء: ۱۴۲)

اس آیت میں منافقوں کی تین علامتیں ذکر فرمائی ہیں سستی سے نماز پڑھنا' لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھنا اور اللہ کا ذکر بہت کم کرنا' سستی اور کم ذکر کرنے پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

گراں باری اور سستی سے نماز پڑھنے کے متعلق احادیث:

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

علاء بن عبدالرحمن ؒ بیان کرتے ہیں کہ وہ بصرہ میں حضرت انس بن مالک ؓ کے گھر گئے جب وہ ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہو گئے تھے' ان کا گھر مسجد کے ساتھ تھا' جب ہم ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے پوچھا کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے ہم نے کہا ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں انھوں نے کہا عصر کی نماز پڑھو' ہم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی' جب ہم فارغ ہوئے تو حضرت انس ؓ نے کہا میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اتنی تاخیر کرنا منافق کی نماز ہے' وہ بیٹھ کر سورج کو دیکھتا رہتا ہے حتی کہ جس وقت سورج دو سینگھوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اس میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔ [1]

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: عشاء اور فجر کی نماز منافقوں پر سب سے بھاری ہے' اور فرمایا کاش ان کو معلوم ہوتا کہ عشاء اور فجر کی نماز میں کتنا اجر ہے۔

۱۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۶۲۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۱۳' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۶۰' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۵۱۰)

۔۔۔[1]

ریاکاری سے عبادت کرنے کے متعلق احادیث:

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں: کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بیشک ریا شرک ہے۔[2]

امام احمد بن حنبل متوفیؒ ۲۴۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت محمود بن ولیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ شرک اصغر ہے' صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ریا' قیامت کے دن جب اللہ عزوجل لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا تو فرمائے گا: جاؤ انہی لوگوں کے پاس جن کے لیے تم ریاکاری کرتے تھے' دیکھو ان سے تمہیں کوئی جزا ملتی ہے۔[3]

حضرت شداد بن اوسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجھے اپنی امت پر شرک اور شہوت خفیہ کا خوف ہے' میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی' آپ نے فرمایا ہاں' لیکن وہ سورج' چاند' پتھروں اور بتوں کی عبادت نہیں کرے گی' لیکن وہ اپنے اعمال میں ریا کرے گی' اور شہوت خفیہ یہ ہے کہ ایک شخص روزہ رکھے' پھر کسی نفسانی خواہش کی بناء

۱۔(صحیح البخاری' کتاب مواقیت الصلوۃ' باب:۲۱' صحیح مسلم' رقم الحدیث:۶۵۱)

۲۔(سنن ترمذی' رقم الحدیث:۱۵۴۰)

۳۔(مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

پر وہ روزہ ترک کر دے۔ [1]

حضرت بشیر بن عقربہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے محض لوگوں کے دکھانے اور سنانے کے لیے خطبہ دیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ریا اور سمعہ (دکھانے اور سنانے) کے مقام پر کھڑا کرے گا۔ [2]

امام مسلم بن حجاج قشیریؒ ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان حیران ہو کبھی اس ریوڑ کی طرف کی جاتی ہو اور کبھی اس ریوڑ کی طرف۔ [3]

ابن جریر و ابن المنذرؒ نے حسنؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہر مومن اور منافق پر روشنی پھینکی جائے جس کے ذریعہ وہ قیامت کے دن چلیں گے یہاں تک کہ جب پل صراط پر پہنچیں گے تو منافقین کا نور بجھ جائے گا اور مومن لوگ اس نور کے ساتھ چلتے رہیں گے یہ اللہ کی ان کے ساتھ خفیہ تدبیر ہوگی۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وھو خادعھم" سے مراد ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو نور دے گا جس میں وہ مسلمانوں کے ساتھ چلیں گے جیسا کہ وہ دنیا میں ان کے ساتھ ہوتے تھے پھر ان کا یہ نور (اللہ تعالیٰ) کھینچ لیں گے اور اس کو بجھا دیں گے تو وہ اپنے اندھیروں میں کھڑے رہ

۱۔ (مسند احمد ج ٤ ص ١٢٤، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ١٣٩٨ھ)

۲۔ (مسند احمد ج ٣ ص ٥٠٠، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ١٣٩٨ھ)

۳۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٢٢٨٤، سنن نسائی، رقم الحدیث: ٥٠٥٢، مسند احمد ج ٢، رقم الحدیث: ٥٠٧٩، ٥٧٩٤)

جائیں گے۔ابن المنذرؒ نے مجاہد وسعید بن جبیرؒ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

ابن جریرؒ نے ابن جریجؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی اور ابو عامر بن نعمان کے بارے میں نازل ہوئی۔

ابن المنذر وابن ابی حاتم وابن ابی الدنیاؒ نے الصحت میں ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ وہ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ ایک آدمی یوں کہے میں سست ہوں اور اس آدمی کی تاویل فرماتے تھے۔

ابویعلیٰؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتا ہے اور اس کو بری طرح پڑھتا ہے جب خلوت میں ہوتا ہے تو یہ استہانت ہے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے رب کو حقیر جانتا ہے۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "یراءون الناس" یعنی اللہ کی قسم ! اگر وہ لوگ نہ ہوتے تو منافق نماز نہ پڑھتے تھے اور صرف دکھاوے اور شہرت کے لیے نماز پڑھتا ہے۔

ابن ابی شیبہ وابن جریر وابن المنذر والبیہقیؒ نے شعب الایمان میں حسنؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولا یذکرون اللہ الاقلیلا" اس وجہ سے کہ وہ غیر اللہ کے لیے ہوتی ہے۔

عبد بن حمید وابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ولا یذکرون اللہ الاقلیلا" بلاشبہ منافق کا ذکر تھوڑا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں فرماتے اور ہر چیز جس کو اللہ تعالیٰ رد فرمادیں وہ تھوڑی ہوتی ہے اور ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے وہ بہت ہوتی ہے۔

تقویٰ کے ساتھ عمل کرو

ابن المنذرؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا کہ کوئی عمل تقوی کے ساتھ تھوڑا نہیں ہوتا اور کیسے تھوڑا ہوگا جو قبول کرلیا جائے۔

مسلم وابوداؤد والبیہقیؒ نے اپنی سنن میں انسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا منافق کی نماز ہے بیٹھ کر سورج کو دیکھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑے ہوکر چار ٹھونگے مار لیتا ہے اور اس میں تھوڑا سا اللہ کو یاد کرلیتا ہے۔

منافقین کی حالت نفاق پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے کہ وہ ایمان وکفر کے درمیان حیران اور مضطرب ہوتے ہیں۔ کافروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کے ساتھ اور مومنوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے ساتھ دوستی اور تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ ظاہراً و باطناً وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں نہ کافروں کے ساتھ۔ ظاہر ان کا مسلمانوں کے ساتھ ہے تو باطن کافروں کے ساتھ اور بعض منافق تو کفر و ایمان کے درمیان متحیر اور تذبذب ہی کا شکار رہتے تھے۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ: سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہے۔ کبھی اس ریوڑ کی طرف آتی ہے اور کبھی اس ریوڑ کی طرف اور نہیں جانتی کہ ان دونوں میں سے کس کے پیچھے لگے۔"[1]

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا: یعنی جو شخص سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود خود گمراہی میں پڑا ہو اور باطل پرستی کی طرف راغب ہو تو اسے راہ راست پر لانے کے لیے کوئی انسانی نصیحت اور

۱۔[مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صفات المنافقین: ۲۷۸٤۔ نسائی، کتاب الإیمان، باب مثل المنافق: ۵۰٤۰]

کوشش کارگر نہیں ہوسکتی، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی سزا کے طور پر گمراہی اور باطل پرستی میں پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جائے گا۔ ارشاد فرمایا: (مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ) [الاعراف: ۱۸۶] "جسے اللہ گمراہ کردے پھر اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔"

ابن ابی حاتمؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ مومن منافق اور کافر کی مثال تین آدمیوں کی طرح ہے جو ایک وادی کی طرف گئے ان میں سے ایک اس میں داخل ہوگیا اور اس نے اس کو عبور کرکے (دوسرے کنارے پر) آ گیا۔ پھر ان میں سے دوسرا اس میں داخل ہوا جب وادی کے نصف پر پہنچا تو اس کو آواز دی اس آدمی نے جو وادی کے کنارے پر تھا ہلاکت ہو تیرے لیے تو کہاں ہلاکت کی طرف جا رہا ہے۔ لوٹ آ جہاں سے تو چلا تھا اور وہ آدمی اس کو آواز دیتا ہے جو (وادی) کو عبور کر چکا تھا ادھر آ جا نجات اس طرف ہے تو اس نے کبھی ادھر اور کبھی ادھر دیکھنا شروع کیا اس درمیان ایک سیلاب آیا اور وہ اس میں غرق ہوگیا جو عبور کر گیا وہ مومن ہے جو غرق ہوا وہ منافق ہے جو کنارے پر ٹھہرا رہا وہ ادھر ادھر تذبذب کا شکار رہا وہ کافر ہے۔

ابن جریر و ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ لفظ آیت "مذبذبین بین ذلک، لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء" یعنی (یہ لوگ) یہ مخلص ایمان والے ہیں اور نہ مشرک ہیں کہ جن کا شرک واضح ہو پھر فرمایا ہم کو یہ بات ذکر کی گئی کہ اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مومن، کافر اور منافق کے لیے ایک مثال بیان فرماتے تھے۔

جیسے مثال تین آدمیوں کی جو ایک نہر پر پہنچے مومن اس میں کود کر پار ہوگیا پھر منافق کود ا یہاں تک کہ قریب تھا کہ مومن کے پاس پہنچ جائے کافر نے اس کو آواز دی کہ میری طرف آ جاؤ مجھے تجھ پر ڈر ہے

کہیں ڈوب نہ جاؤ۔ مومن نے اس کو آواز دی کہ میری طرف آجاؤ میرے پاس تیرے لیے نجات ہے اور اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کی طرف پھینکتا ہے منافق برابر ان دونوں کے درمیان متردد رہتا ہے یہاں تک کہ اس پر پانی آتا ہے اور وہ غرق ہو جاتا ہے منافق برابر شک اور شبہ میں رہتا ہے یہاں تک کہ اس پر موت آجاتی ہے اور اس حال میں ہوتا ہے۔

ابن جریر و ابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "مذبذبین بین ذلک" سے منافق مراد ہے (پھر فرمایا) لفظ آیت "لا الی ھؤلاء" یعنی نہ تو وہ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ہیں اور نہ ان یہودیوں کی طرف ہے۔

ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت "مذبذبین بین ذلک" یعنی متردد ہیں اسلام اور کفر کے درمیان۔

عبد بن حمید و بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں و مسلم و ابن جریر اور ابن المنذرؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا منافق کی مثال دو ریوڑوں میں بھاگنے والے بکری کی طرح ہے کبھی اس طرف بھاگتی ہے کبھی دوسری طرف بھاگتی ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ کس کے پیچھے چلے۔

احمد و بیہقیؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا منافق کی مثال قیامت کے دن اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان دوڑتی پھرتی ہے جب اس ریوڑ کے پاس آئے تو اسے سینگ مارتی ہے۔ اور جب دوسرے ریوڑ کے پاس جائے تو وہ اسے ٹکر مارتی ہے۔

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

اے ایمان والو! مومنوں کے مقابلے میں کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو۔

کافروں کے نابالغ بچوں پر عذاب نہیں ہوگا

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ "اے ایمان والو!" اس سے مراد مخلصین مومنین ہیں' اور کافروں سے مراد یہودی یا منافق ہیں اور معنی یہ ہے کہ اے اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والو! یہودیوں یا منافقوں کو دوست نہ بناؤ۔

جیسا کہ منافق کافروں کو دوست بناتے ہیں ورنہ تم بھی منافقوں کی مثل ہو جاؤ گے' اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ "اے ایمان والو!" سے مراد منافق ہیں اور معنی یہ ہے کہ اے بظاہر ایمان لانے والو! کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ' بلکہ مخلص مومنین کو اپنا دوست بناؤ تا کہ تمہیں بھی اخلاص نصیب ہو لیکن پہلی تفسیر راجح ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم اپنے خلاف واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو؟ یعنی تم ایسی حجت اور دلیل قائم کرنا چاہتے ہو جس کی بناء پر تم عذاب کے مستحق ہو جاؤ' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی شخص کو بغیر دلیل کے عذاب نہیں دے گا' حالانکہ اگر وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی

مخلوق کو عذاب دے تو یہ اس کا عین عدل ہوگا کیونکہ وہ سب مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنے ملک میں جو چاہے کرسکتا ہے' لیکن اس نے اپنی حکمت سے اور اپنے فضل سے یہ وعدہ کرلیا کہ وہ اپنے مخلص اور صالح بندوں کو عذاب نہیں دے گا اور خلف وعدہ محال ہے اس لیے مخلصین اور صالحین کو عذاب ہونا بھی محال ہے' نیز اس آیت سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ وہ بغیر دلیل کے عذاب نہیں دیتا تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مشرکوں اور کافروں کے نابالغ بچوں کو عذاب نہیں ہوگا کیونکہ نابالغ بچوں کے حق میں بعث متحقق نہیں ہوئی اور نہ ہی نابالغ بچے مکلف ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ مومنوں کے بجائے کافروں کو دوست بنائیں، ان کی صحبت ورفاقت اختیار کریں، ان کی ہمدردی وخیر خواہی کریں، ان سے محبت کے تعلقات استوار کریں اور مومنوں کے خفیہ حالات ان سے بیان کریں۔ آگے فرمایا کہ اگر تم لوگ ایسا کرو گے تو اپنے خلاف اللہ کے نزدیک ایک واضح حجت قائم کرو گے اور عذاب کے مستحق بنو گے۔

لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ: اللہ نے کافروں کو دوست بنانے کی جگہ جگہ ممانعت کی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ)[آل عمران:۲۸]۔

ترجمہ: "ایمان والے مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح بچنا اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔" اور فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ

بَعۡضٍ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ)[المائدۃ:۵۱]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہے، بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اور فرمایا: (لَا تَجِدُ قَوۡمًا يُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ يُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَهُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَهُمۡ اَوۡ عَشِيۡرَتَهُمۡ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِيۡمَانَ وَاَيَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ وَيُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ)[المجادلۃ:۲۲]۔

ترجمہ: "تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، یاد رکھو! یقیناً اللہ کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔"

اور فرمایا: (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّىۡ وَعَدُوَّكُمۡ اَوۡلِيَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَيۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ وَقَدۡ كَفَرُوۡا بِمَا جَآءَكُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ يُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَاِيَّاكُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِهَادًا فِىۡ سَبِيۡلِىۡ وَابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِىۡ تُسِرُّوۡنَ اِلَيۡهِمۡ

بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ)[الممتحنۃ:۱]۔

ترجمہ:"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ یقیناً انھوں نے اس حق سے انکار کیا جو تمہارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور خود تمہیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو، جو تمہارا رب ہے، اگر تم میرے راستے میں جہاد کے لیے اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے نکلے ہو۔ تم ان کی طرف چھپا کر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں زیادہ جاننے والا ہوں جو کچھ تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔"

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ بیشک نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:"نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال ایسے ہے جیسے کستوری اٹھانے والا اور آگ کی بھٹی دھونکنے والا۔ پس کستوری اٹھانے والا یا تو تجھے (کستوری) عطیہ دے گا، یا تو خود اس سے خرید لے گا، یا یہ کہ (کم از کم) تو اس سے پاکیزہ خوشبو تو پالے گا اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا، یا پھر تو اس سے بدبو (ضرور) پائے گا۔"[۱]

عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "اتریدون ان تجعلوا اللہ علیکم سلطنا مبینا" یعنی تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی واضح دلیل موجود ہے۔

عبدالرزاق و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ قرآن مجید میں

۱۔[بخاری، کتاب الذبائح، باب المسک: ۵۵۳۴۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب استحباب مجالسۃ الصالحین: ۲۶۲۸]

جہاں بھی سلطان کا لفظ ہے اس سے مراد حجت ہے۔

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾ ﴾

بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔اور تم ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔(۱۴۵) سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دین اختیار کریں تو یہ مومنوں کے ساتھی ہیں اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت اجر عطا فرمائے گا۔(۱۴۶)

درک کا معنی اور دوزخ کے طبقات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا منافق آگ کے سب سے نچلے درک میں ہوں گے' ابوعبیدہؒ نے کہا ہے کہ درک کا معنی منزل ہے اور جہنم میں کئی منازل ہیں اور منافق سب سے نچلی منزل میں ہوں گے' ابن الانباریؒ نے کہا ہے کہ درک سیڑھی کے ڈنڈے کو کہتے ہیں۔ضحاکؒ نے کہا جب منازل میں یہ لحاظ کیا جائے کہ بعض' بعض سے اوپر ہیں تو ان کو درج (درجہ) کہتے ہیں اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ بعض

بعض سے نیچے ہیں تو ان کو درک کہتے ہیں۔ ابن فارس ؒ نے کہا جنت میں درجات ہیں اور دوزخ میں درکات ہیں' حضرت ابن مسعود ؓ نے آیت کی تفسیر میں فرمایا منافق لوہے کہ ایک ایسے تابوت میں ہوں گے جس کا کوئی دروازہ نہیں ہوگا۔ (۱)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی ؒ متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں: دوزخ کے سات طبقات ہیں' پہلا طبقہ جہنم ہے دوسرا لظی ہے' تیسرا الحطمہ ہے چوتھا السعیر ہے' پانچواں سقر ہے چھٹا جحیم ہے اور ساتواں ھاویہ ہے اور کبھی ان تمام طبقات پر جہنم کا اطلاق بھی کر دیا جاتا ہے' ان طبقات کو درکات اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تہ در تہ ہیں' اور منافقوں کا آخری طبقہ میں ہونا ان کے شدت عذاب پر دلالت کرتا ہے۔ (۲)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بعض اوقات بندہ ایسی بات کہہ دیتا ہے، جس کا اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس میں کتنا بڑا گناہ ہے اور اس کی وجہ سے وہ دوزخ میں مشرق و مغرب کی دوری سے بھی زیادہ گہرائی میں جا گرتا ہے۔" (۳)

نفاق کی علامتوں پر اشکال کے جوابات

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو اس

۱۔ (جامع البیان جزء ۵ ص ۴۵۴)

۲۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

۳۔ [مسلم، کتاب الزھد، باب حفظ اللسان: ۵/۲۹۸۸۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان: ۶۴۷۷]

میں خیانت کرتا ہے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہوگا' اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی خصلت ہوگی حتی کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے' جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے' اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو بدکلامی کرے۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہوگا' اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی خصلت ہوگی حتی کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے' جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو بدکلامی کرے۔ (۳)

الفریابی وابن ابی شیبہ وھنادوابن ابی الدنیاوابن جریروابن المنذروابن ابی حاتمؒ نے صفۃ النار میں ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ان المنفقین فی الدرک الاسفل" سے مراد ہے کہ لوہے کے صندوق

۱۔(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۶۸۲' ۳۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۵۹' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۶' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۹۱۶۹' سنن کبری للبیہقی ج ۶ ص ۲۸۸)

۲۔(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۶۸۲' ۳۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۵۹' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۶' مسند احمد: ج ۳' رقم الحدیث: ۹۱۶۹' سنن کبری للبیہقی ج ۶ ص ۲۸۸)

۳۔(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۴۵۹' ۳۴' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۵۸' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۶۴۱' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۶۸۸' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۵۰۳' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۶۷۸۲' سنن کبری: ج ۹ ص ۲۳۰)

میں ان کو بند کر دیا جائے گا اور دوسرے لفظ میں "مبھمۃ علیہم" یعنی وہ اس طرح بند ہوں گے ان کو کھولنے کی جگہ کو بھی نہیں پائیں گے۔

عبد بن حمید و ابن ابی حاتمؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ان المنفقین فی الدرک الاسفل" میں "الدرک الاسفل" سے لوہے کے ایسے گھر مراد ہیں کہ ان کے دروازے ان پر فٹ کر دیئے جائیں گے (جو نہیں کھلیں گے) اور ان کے نیچے اور ان کے اوپر آگ جلائی جائے گی۔

ابن جریر و ابن المنذرؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ان المنفقین فی الدرک الاسفل" سے مراد ایسے صندوق ہیں جو ان پر بند کر دیئے جائیں گے۔

ابن جریر و ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فی الدرک الاسفل" یعنی آگ کے سب سے نچلے حصے۔

ابن جریر ابن المنذرؒ نے عبداللہ بن کثیرؒ سے روایت کیا کہ میں نے سنا کہ جہنم میں طبقات اور منزلیں ہیں بعض بعض کے اوپر ہیں۔

منافقین کو سخت عذاب ہوگا

ابن ابی الدنیاؒ نے صفۃ النار میں ابوالاحوصؒ سے روایت کیا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا دوزخ والوں کو سخت عذاب ہوگا ایک آدمی نے کہا منافقوں کو (سخت عذاب ہوگا) ابن مسعودؓ نے فرمایا تو نے سچ کہا کیا تو جانتا ہے کہ وہ کس طرح عذاب دیئے جائیں گے اس نے کہا نہیں انھوں نے فرمایا ان کو لوئے کے صندوقوں میں رکھ کر ان پر ڈاٹ لگا دی جائے گی (یعنی ان کو بند کر دیا جائے گا) پھر ان کو سب سے نچلے طبقہ میں رکھ دیا جائے گا ان تنوروں میں سے نیز وہ کنوؤں سے بھی تنگ ہوں گے اس کو کہا جاتا ہے غم کا

کنواں (ان منافقوں کو ڈالنے کے بعد) اس کنویں کو بند کر دیا جائے گا ہمیشہ ان کے لیے ان کے برے اعمال کے بدلے میں۔

ابن ابی الدنیاؒ نے کتاب الاخلاص میں وابن ابی حاتم والحاکمؒ (نے اس کو صحیح کہا) اور بیہقیؒ نے شعب میں معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب ان کو یمن کی طرف بھیجا تو انھوں نے عرض کیا مجھ کو نصیحت فرمایئے آپ نے فرمایا اپنے دین کو خالص رکھ تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا۔

ابن ابی الدنیاؒ نے الاخلاص میں اور بیہقیؒ نے شعب میں ثوبانؓ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا مخلص لوگوں کے لیے خوشخبری ہے یہ لوگ ہدایت کے چراغ ہیں ان سے تمام تاریک فتنے چھٹ جاتے ہیں۔

البیہقیؒ نے اسلم قبیلہ میں سے ایک آدمی نے ابوفراسؒ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجھ سے سوال کرو جس چیز کے بارے میں چاہو ایک آدمی نے آواز دی یا رسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز قائم کرنا زکوۃ ادا کرنا پھر اس نے کہا ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اخلاص پھر اس نے کہا یقین کیا ہے؟ فرمایا قیامت کی تصدیق کرنا۔

البزارؒ نے (حسن سند کے ساتھ) ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حجۃ الوداع میں فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے (یعنی خوش وخرم رکھے) جس نے میری گفتگو سنی پھر اس کو یاد رکھا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فقہ پڑھنے والا فقیہ نہیں ہوتا (پھر فرمایا) تین باتیں ہیں جن سے مومن کا دل نہیں بھرتا عمل کو خالص اللہ کے لیے کرنا مسلمانوں کے حکمران کے لیے خیر خواہی کرنا اپنی جماعت کو

لازم پکڑنا ان کی دعائیں پیچھے سے ان کی حفاظت کرتی ہیں۔

النسائیؒ نے مصعب بن سعیدؒ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ ان کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کمزور صحابہؓ پر فضیلت حاصل ہے تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اس وقت کی امت اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں ان کے ضعیفوں کے ساتھ ان کی دعاؤں ان کی نمازوں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے۔

ابن ابی شیبہ والمروزیؒ نے زوائد الزھد میں وابوالشیخ ابن حبان نے مکحولؒ سے روایت کیا کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو بندہ چالیس دن تک اللہ کے لیے اخلاص کرتا ہے تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔

کامیاب کی شرائط

احمد وبیہقیؒ نے ابوذرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے دل کو ایمان کے لیے خالص کر دیا۔ اور اس کا دل سلامتی والا ہو گیا اور اس کی زبان سچائی والی ہو گئی اور اس کا نفس مطمئنہ بن گیا۔ اس کی طبیعت ماننے والی بن گئی اور اس کا کان سننے والا بن گیا اور اس کی آنکھ دیکھنے والی ہو گئی مگر کان (گویا) قیف ہے (کہ حق کی باتیں اس میں انڈیل دی گئیں) اور آنکھ اس کو ثابت کرتی ہے جبکہ دل اس کو یاد کرنے والا ہوتا ہے اور وہ آدمی کامیاب ہو گیا جس نے اپنے دل کو یاد رکھنے والا بنایا۔

الحکیم الترمذیؒ نے نوادر الاصول میں زید بن ارقمؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہو گیا کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

!اس کا اخلاص کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو حرام کاموں سے روک دے۔

ابن ابی شیبہ واحمدؒ نے الزھد میں والحکیم الترمذی وابن ابی حاتمؒ نے ابوثمامہؒ سے روایت کیا کہ حواریوں نے عیسیٰؑ سے عرض کیا اے روح اللہ! اللہ کے لیے کون مخلص ہے؟ تو انھوں نے فرمایا جو شخص اللہ کے لیے عمل کرتا ہے اور وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس بات پر اس کی تعریف کریں۔

ابن عساکرؒ نے ابوادریسؒ سے روایت کیا کہ کوئی بندہ اخلاص کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ وہ اس بات کو ناپسند کرے کہ کوئی اس کے کسی عمل پر اس کی تعریف کرے۔

عبد بن حمید وابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "مایفعل اللہ بعذابکم" سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شکر کرنے والے مومن کو عذاب نہیں دیتے۔

آیت نمبر: ۱۴۶ یہ منافقین سے استثنا ہے، نفاق سے توبہ کی شرط میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے قول اور فعل کی اصلاح کرے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے یعنی ذات باری تعالیٰ کو ملجا ومعاذ بنائے اور اپنے دین کو خالص اللہ تعالیٰ کے ملنے کی وجہ سے ان کا اجر مومنین کے اجر کے برابر ذکر فرمایا، بخاری میں اسودؒ سے مروی ہے فرمایا: ہم عبداللہؓ کے حلقہ میں بیٹھے تھے حضرت حذیفہؓ آئے حتی کہ ہمارے اوپر کھڑے ہوئے پھر سلام کیا پھر کہا: نفاق تم سے بہتر قوم پر نازل ہوا تھا، اسودؒ نے کہا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: منافقین تو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہیں، حضرت عبداللہؓ مسکرائے اور حضرت حذیفہؓ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گئے، حضرت عبداللہؓ! اٹھے تو ان کے شاگرد بکھر گئے حضرت حذیفہؓ نے مجھے کنکری ماری تو میں ان کی طرف آیا حضرت حذیفہؓ نے کہا: مجھے حضرت عبداللہؓ کے ہنسنے سے تعجب ہوا ہے جو میں نے کہا تھا وہ جان گئے تھے، بیشک اس قوم پر نفاق نازل ہوا تھا جو تم سے بہتر تھی، پھر انھوں نے توبہ

کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ [1]

امام احمدؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے ابو ثمامہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے دریافت کیا یا روح اللہ! اللہ کا مخلص کون ہے فرمایا وہ شخص مخلص ہے جو اللہ کے لیے عمل کرے اور اس عمل پر لوگوں کی تعریف کو پسند نہ کرے۔

حکیم ترمذیؒ نے نوادر الاصول میں حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہو گیا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کلمہ پڑھنے میں اخلاص کیا ہے فرمایا پڑھنے والے کو یہ کلمہ ممنوعات سے باز رکھے (یہ اخلاص کلمہ ہے)

بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اور حاکمؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے (حاکم بنا کر) یمن کو بھیجا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے کچھ ہدایت فرمایئے۔ فرمایا اپنے دین کو خالص رکھنا' تیرے لیے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔

ابن ابی الدنیاؒ نے الاخلاص میں اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت ثوبانؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت ثوبانؓ نے کہا میں نے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے سنا آپ فرما رہے تھے خوشی ہو مخلصوں کے لیے یہی لوگ ہدایت کے چراغ ہیں' ہر تاریک فتنہ کی ظلمت ان سے چھٹ جاتی ہے۔

۱۔ (صحیح بخاری، تفسیر القرآن جلد ۲ صفحہ ۶۶۲)

فاولئک مع المومنین تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے یعنی جنت کے اندر ان مخلص مومنوں کے ساتھ ہوں گے جو ایمان و اخلاص کی وجہ سے ان سے پہلے جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے۔

فراء نے مع المومنین کی تفسیر کی ہے مع المومنین (یعنی مع کا ترجمہ من کیا ہے)

وسوف یوت اللہ المومنین اجرا عظیما اور مومنوں کو اللہ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ یعنی آخرت میں مخلص مومنوں کو اجر عظیم عنایت کرے گا۔ اجر عظیم سے مراد ہے جنت اور اللہ کی خوشنودی اور مراتب قرب خداوندی۔

﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ ﴾

اللہ کیا کرے گا تم کو عذاب دے کر (اے لوگو!) اگر تم شکر گزاری سے کام لو، اور (صدق دل سے) ایمان لے آو اور اللہ بڑا ہی قدر دان، سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے۔ "اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ" اور شکر کو ایمان پر مقدم فرمایا ہے' بظاہر ایمان کو شکر پر مقدم ہونا چاہیے تھا کیونکہ ایمان تمام اعمال پر مقدم ہے' امام رازیؒ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ اصل عبارت میں تقدیم اور تاخیر ہے یعنی اصل عبارت یہ ہے کہ اگر تم ایمان لے آؤ اور شکر ادا کرو' اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ واو ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی۔ [1]

مقصد یہ بتانا ہے کہ عذاب کا باعث تمہارا شکر نہ کرنا اور ایمان نہ لانا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۶)

کہ تمہیں عذاب دے، سو اگر تم دل سے ایمان لے آؤ اور قول و فعل سے اللہ کی فرمان برداری کر کے اس کا شکر ادا کرو تو اللہ قدر دان ہے، اور سب کچھ جانتا بھی ہے۔

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس حال میں کہ سیدنا معاذؓ سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، فرمایا: "جو کوئی اپنے سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، تو اللہ اس پر (دوزخ کی) آگ حرام کر دیتا ہے۔"[1]

سیدنا معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "تو جانتا ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟" میں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔" پھر فرمایا: "تو جانتا ہے کہ جب بندے یہ کام کریں تو ان کا اللہ پر کیا حق ہے؟" میں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: "وہ حق یہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے۔"[2]

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے موقع پر کچھ عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا:

"اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ و خیرات کیا کرو، کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ اہل جہنم کی اکثریت عورتوں کی ہے۔" عورتوں نے کہا، اللہ کے رسول! ایسا کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: "تم لعنت بہت

۱۔[بخاری، کتاب العلم، باب من خص بالعلم قومًا دون قومٍ: ۱۲۸]

۲۔[بخاری، کتاب اللباس، باب إرداف الرجل خلف الرجل: ۵۹۶۷۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنۃ: ۳۰]

زیادہ بھیجتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں نے جہنم میں دیکھا تو اس میں اکثریت عورتوں کی تھی، جو ناشکری کرتی ہیں۔" پوچھا گیا کہ کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا: "خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان ناشناس ہوتی ہیں، اگر آپ ان میں سے کسی ایک پر لمبا عرصہ احسان کرتے رہیں، پھر وہ آپ سے کوئی (ناپسندیدہ) چیز دیکھ لے تو کہتی ہے، میں نے تو (آج تک) تجھ سے کبھی کوئی خیر دیکھی ہی نہیں۔"[2]

﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾

اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

شان نزول: (آیت) "لا یحب اللہ الجہر"

ہناد بن سریؒ نے کتاب الزہد میں مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت یعنی اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے، ماسوائے مظلوم کے، ایک شخص نے دوسرے شخص کو اپنے ہاں مہمان رکھا لیکن صحیح طور پر اس کی مہمان نوازی کا حق ادا نہ کیا، اس نے وہاں سے آنے کے بعد لوگوں سے کہنا شروع کیا

۱۔[بخاری، کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم: ۳۰۴۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات: ۷۹]

۲۔[بخاری، کتاب الایمان، باب کفران العشیر وکفر دون کفر: ۲۹]

کہ میں فلاں صاحب کا مہمان ہوا لیکن اس نے مہمان داری کا حق ادا نہیں کیا اس طرح اس شخص نے برائی کا اظہار کیا لیکن یہ شخص مظلوم تھا اس لیے (آیت) "الا من ظلم"۔ سے اس کے اظہار کی اجازت دی گئی۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب ؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے حضرت ابوبکر ؓ کو برا کہا اور ان کو اذیت دی' حضرت ابوبکر ؓ خاموش رہے' پھر ان کو دوسری دفعہ اذیت دی پھر حضرت ابوبکر ؓ خاموش رہے' پھر ان کو تیسری بار اذیت دی تو حضرت ابوبکر ؓ نے اس سے بدلہ لیا' حضرت ابوبکر ؓ نے بدلہ لیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہاں سے اٹھ کر تشریف لے جانے لگے' حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب وہ شخص تم کو برا کہتا تھا تو آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہو کر اس کی تکذیب کرتا تھا' اور جب تم نے اس سے بدلہ لیا تو شیطان آ گیا اور جس جگہ شیطان آ جائے تو میں وہاں بیٹھنے والا نہیں ہوں۔ [1]

کسی شخص کو برا کہنا' گالی دینا' خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ' اور کسی شخص کی غیبت کرنا یا کسی شخص کی چغلی کرنا یہ تمام امور اس آیت سے ممنوع اور ناجائز ہیں۔

کسی کی برائی' غیبت اور چغلی کی ممانعت کے متعلق احادیث:

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۸۹۶) حضرت ابوہریرہ (رض) نے بھی اس حدیث کو اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۸۹۷)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ایک دوسرے کو برا کہنے والے جو کچھ کہتے ہیں اس کا وبال ابتداء کرنے والے پر ہوتا ہے جب تک کہ مظلوم تجاوز نہ کرے۔ (۱)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کو چھوڑ دو اور اس کو برا نہ کہو۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اپنے فوت شدہ لوگوں کی نیکیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں کے ذکر سے باز رہو۔ (۳)

امام مسلم بن حجاج قشیریؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے' صحابہؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا تم اپنے بھائی کے اس وصف کا ذکر کرو جس کو وہ ناپسند کرتا ہو' آپ سے عرض کیا گیا یہ بتایئے اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں' آپ نے فرمایا اگر تمہارے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو تم بیان کرتے ہو تب ہی تو تم اس کی غیبت کرو گے اور اگر اس میں وہ عیب نہ ہو تو پھر تم اس پر بہتان باندھو

۱۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۵۸۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۸۹۴)

۲۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۸۹۹)

۳۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۹۰۰)

گے۔ (۱)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ان کا لحاف چوری ہوگیا۔ وہ چرانے والے پر بددعا کر رہی تھیں آپ نے فرمایا: اپنی دعا میں اس کی تخفیف نہ کرو۔ (۲)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا آپ کے لیے صفیہ سے اتنا اتنا (قد) کافی ہے! ان کا ارادہ تھا کہ ان کا قد چھوٹا ہے' آپ نے فرمایا تم نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو اس سے سارا پانی آلودہ ہوجائے گا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی انسان کی نقل اتاری آپ نے فرمایا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں کسی کی نقل اتاروں اور مجھے اس کے بدلہ فلاں فلاں چیز مل جائے۔ (۳)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا جس کے پیتل کے ناخن تھے جس سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے تھے' میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون ہیں' انھوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی بے عزتی کرتے تھے) یعنی غیبت کرتے تھے)

حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت ابوطلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے

۱۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۸۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۸۷۴)

۲۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۴۹۶)

۳۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۸۷۵)

فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی اس جگہ بے عزتی کرتا ہے جہاں اس کی عزت نہ کی جارہی ہو اور اس کی توقیر میں کمی کی جارہی ہو تو اللہ اس کو ایسی جگہ بے عزت کرے گا جہاں وہ اپنی نصرت چاہتا ہو' اور جو شخص کسی مسلمان کی ایسی جگہ نصرت کرے گا جہاں اس کی توقیر میں کمی کی جارہی ہو اور اس کی بے حرمتی کی جارہی ہو تو اللہ اس کی ایسی جگہ مدد فرمائے گا جہاں وہ اپنی مدد پسند کرتا ہو۔ (۱)

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جنت میں چغل خور داخل نہیں ہوگا۔ (۲)

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں تو ہمارے متعلق اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں' اگر تو سیدھی رہی تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ (۳)

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کیا ہے کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ فاسد ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے سنو وہ دل ہے۔ (۴)

۱۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۸۸۴)

۲۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۸۷۲)

۳۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۱۵' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۹)

۴۔ (صحیح بخاری: ۵۲)

سنن ترمذی کی روایت میں ہے تمام اعضاء کی صحت اور فساد کا مدار زبان پر ہے اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے اس کا مدار دل پر ہے اور یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے' اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کون ہے جو میرے لیے اس کا ضامن ہو جو دو جبڑوں کے درمیان اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے۔ میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں گا۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس شخص نے کسی مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب کی پردہ پوشی فرمائے گا۔" [2]

سیدنا ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری تمام امت کو معاف کر دیا جائے گا سوائے ان کے جو ظاہر کرنے والے ہیں اور ظاہر کرنا یہ ہے کہ آدمی رات کو کوئی (برا) عمل کرے پھر جب صبح ہو تو اگرچہ اللہ نے اس کی برائی پر پردہ ڈال دیا تھا وہ کہے اے فلاں میں نے رات کو ایسا ایسا کیا۔ اللہ نے تو اس پر پردہ ڈال دیا تھا اس نے اپنے (عیب) سے اللہ کے پردہ کو کھول دیا۔" [3]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم میں سے ایک شخص اپنے رب سے بہت قریب ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا پھر فرمائے گا

۱۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۴۱۶' صحیح بخاری' رقم الحدیث: ۶۴۷۴' مسند احمد ج ۸' رقم الحدیث: ۲۲۸۸۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۶)

۲۔ [بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم: ۲۴۴۲۔ مسلم، کتاب البر باب تحریم الظلم: ۲۵۸۰]

۳۔ [بخاری، کتاب الادب، باب ستر المومن علی نفسہ: ۶۰۶۹۔ مسلم، کتاب الزھد، باب النھی عن ھتک الانسان ستر نفسہ: ۲۹۹۰]

تو نے فلاں فلاں عمل کیا تھا؟ وہ شخص کہے گا، ہاں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے فلاں فلاں عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا، ہاں۔ الغرض پھر وہ اپنے ہر جرم کا اقرار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے جرموں پر پردہ ڈال دیا تھا اور آج انھیں معاف کرتا ہوں۔"[1]

اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ : یعنی جب کوئی شخص ظلم پر اتر آئے تو مظلوم کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کی زیادتی کے خلاف آواز بلند کرے۔ خصوصا جہاں آواز بلند کرنے سے اس پر ظلم رک سکتا ہے یا اس کا مداوا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا (وَلَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سَبِيۡلٍ) الشوری ٤١ ۔) اور بیشک جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے لے تو یہ وہ لوگ ہیں جن پر کوئی راستہ نہیں۔

اسی طرح لوگوں کو اس کے ظلم سے بچانے کے لیے اس کا عیب بیان کرنا بھی جائز ہے۔ رواۃ حدیث کی جرح بھی اسی ضمن میں آتی ہے، کیونکہ ضعیف روایت بیان کرنا امت پر ظلم ہے۔ کوئی شخص باوجود وسعت کے دوسرے کا حق نہ دیتا ہو تو اس کو طعن و ملامت کرنا بھی جائز ہے، جیسا کہ نبی سے بیان کیا جاتا ہے: غنی آدمی کا حق ادا کرنے میں دیر کرنا یا ٹال مٹول کرنا (اس کے لیے) سزا اور (اس کی) آبرو کو حلال کر دیتا ہے۔[2]

اسی طرح جو پہلے زیادتی کرے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: دونوں گالیاں بکنے والے جو کچھ کہتے ہیں اس کا گناہ ان دونوں میں سے ابتدا کرنے والے پر ہے، جب تک

١۔ [بخاری، کتاب الادب، باب ستر المومن علی نفسہ: ٦٠٧٠]

٢۔ (بخاری، کتاب الاستقراض، باب لصاحب الحق مقال، قبل الحدیث۔ ٢٤٠١)

کہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔ [1]

کوئی شخص کسی کے منہ سے کسی کے لیے برا کلمہ نکلوائے تو وہ بھی اس کے تحت جائز ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم کے پاس ایک شخص آیا، وہ اپنے ہمسائے کی شکایت کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اور صبر کرو۔ وہ پھر آپ کے پاس دو یا تین بار آیا تو آپ نے فرمایا: جا اپنا سامان راستے پر ڈال دے۔ چنانچہ اس نے اپنا مال و متاع راستے پر ڈال دیا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے (کہ کیا ہوا؟) تو اس نے انھیں اپنے ہمسائے کا سلوک بتایا۔ تو لوگ اسے لعنت ملامت کرنے لگے کہ اللہ اس کے ساتھ ایسے کرے اور ایسے کرے۔ تو وہ ہمسایہ اس کے پاس آیا اور اس سے بولا اپنے گھر میں واپس چلے جاؤ۔ (آئندہ) میری طرف سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں دیکھو گے۔ [2]

ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول" سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ کوئی آدمی کسی کے لیے بددعا کرے مگر یہ کہ وہ مظلوم ہو کیونکہ اس کے لیے اجازت دی گئی کہ وہ ظالم کے لیے بددعا کرے اگر وہ صبر کرے گا تو اس کے لیے بہتر ہے۔

عبد بن حمید و ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مظلوم کو معذور قرار دیا ہے کہ وہ بددعا کرے جسے تم سنتے ہو۔

ابوداؤدؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ ان کی ایک چیز چرائی گئی تو وہ بددعا کرنے لگیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس چیز سے فارغ نہ ہو جا۔ اپنی بددعا کے ساتھ۔

۱۔ (مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب النھی عن السباب۔ ۲۵۸۷۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب المستبان۔ ۴۸۹۴)

۲۔ (ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار۔ ۵۱۵۳)

ترمذیؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس نے ظالم کے لیے بددعا کی اس نے اپنا انتقام لے لیا۔

مظلوم کے لیے اپنی مظلومیت بیان کرنا جائز ہے

عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ (یہ آیت) ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی کہ اس نے زمین کے ایک جنگل میں ایک آدمی سے مہمانی طلب کی اس نے اس کی مہمانی نہیں کی۔تو یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت "الامن ظلم" تو مہمان ضرور یہ ذکر کرے کہ اس نے میری مہمانی نہیں کی اس پر زیادہ یہی بات نہ کرے۔

الفریابی وعبد بن حمید وابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ ایک آدمی کسی آدمی کے پاس اترا تو اس نے اس کی اچھی طرح سے مہمان نوازی نہیں کی اور وہ اس کے پاس سے باہر نکلتا ہے اور وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے اچھی مہمان نوازی نہیں کی اس نے میرے ساتھ برا سلوک کیا۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی سے اعلانیہ بدگوئی پسند نہیں کرتا مگر جس پر ظلم کیا گیا وہ یہ کہہ سکتا ہے اس نے جس قدر ظلم کیا اس سے اتنا بدلہ لیا تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ میرے والد نے یہ آیت پڑھی لفظ آیت "لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الامن ظلم" اور فرماتے تھے جو شخص اس نفاق پر قائم رہا تو اس کی بدگوئی کرنا درست ہے یہاں تک کہ وہ نکل جائے (اپنے نفاق سے)۔

ابن المنذرؒ نے اسماعیلؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الامن ظلم" کے

بارے میں ضحاک بن مزاحمؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس میں تقدیم اور تاخیر ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت "یفعل اللہ بعدابکم ان شکرتم ثم وامنتم" (پھر فرمایا) "الامن ظلم" اور وہ اس کو اس طرح پڑھتے تھے پھر فرمایا لفظ آیت "لایحب اللہ الجھر بالسوء من القول" یعنی کسی حال میں بھی (اللہ تعالیٰ بری بات کو زبان پر لانے کو پسند نہیں فرماتے)۔

﴿ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾ ﴾

اگر تم کوئی نیکی ظاہر کرو یا اسے پوشیدہ رکھو یا کسی برائی سے درگزر کرو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔

تمام احکام کا مدار دو چیزوں پر ہے خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت' (آیت) "مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم وکان اللہ شاکرا علیما"۔ میں خالق کی عظمت کو بیان فرمایا' اور مخلوق پر شفقت بھی دو طرح سے ہے' مخلوق سے ضرر کو دور کرنا اور ان کو نفع پہنچانا' مخلوق سے ضرر کو دور کرنے کے متعلق فرمایا (آیت) "لایحب اللہ الجھر بالسوء"۔ الا یہ اور ان کو نفع پہنچانے کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا؛ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا چھپا کر کرو"۔ نماز' روزہ' صدقہ' اور خیرات تمام اقسام کے نیک کاموں کو شامل ہے۔ فرائض علی الاعلان ادا کرنے چاہئیں تا کہ انسان پر ترک فرائض کی تہمت نہ لگے اور نوافل چھپا کر ادا کرنے چاہئیں تا کہ انسان کے اعمال میں زیادہ سے زیادہ اخلاص آسکے حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نے فرمایا: قیامت کے دن سات آدمیوں پر اللہ اپنا سایہ کرے گا جس دن کے سایہ کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہوگا۔ آپ نے ان سات میں سے ایک اس شخص کا ذکر کیا جو چھپا کر صدقہ دے حتی کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ [1]

اس آیت میں دوسری نیکی یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی برائی کو معاف کردو اور اس پر دلیل یہ قائم فرمائی ہے کہ اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت قدرت والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ عذاب پر قادر ہونے کے باوجود بندوں کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے سو تم بھی اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ اور اس کی صفات سے متصف ہو جاؤ اور انتقام لینے پر قدرت کے باوجود لوگوں کی غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کردو اور اگر تم نے لوگوں کی خطاؤں کو معاف نہ کیا تو تم اللہ سے اپنی خطاؤں کی معافی کی کیسے توقع رکھو گے۔

جس پر زیادتی ہوئی ہو اس کے لیے جائز قرار دیا گیا کہ وہ اپنا قضیہ حاکم کے سامنے پیش کرے اور اپنا بدلہ لے لے، لیکن اس آیت کریمہ میں اس سے بہتر اور افضل بات کی طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ برائی کرے اور تم اسے معاف کردو، تو تمہارے ذہن میں یہ بات رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو معاف کرتا ہے، حالانکہ وہ انتقام لینے پر قادر ہے۔ اس لیے اگر تم بھی قدرت ہونے کے باوجود معاف کر دیتے ہو تو یقین رکھو کہ اللہ ظاہر اور پوشیدہ ہر معاملے کو جانتا ہے، وہ تمہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا اور تمہیں اس کا اچھے سے اچھا بدلہ دے گا۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: 40) اور کسی برائی کا بدلہ اس کی مثل ایک برائی ہے، پھر جو معاف کردے اور اصلاح کرلے تو

1۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۴۲۳)

اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرما دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے سربلندی عطا فرما دیتا ہے۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بیشک اللہ تعالیٰ مومن کو قریب کر لے گا، پھر اسے ڈھانپ لے گا (یعنی اس پر رحم کرے گا) اور اسے (مخلوق سے) چھپا لے گا اور فرمائے گا، کیا تو فلاں گناہ کا اقرار کرتا ہے؟ کیا تو فلاں گناہ کا اعتراف کرتا ہے؟ وہ عرض کرے گا، ہاں، اے پروردگار۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے تمام گناہوں کا اعتراف کرا لے گا اور وہ شخص اپنے دل میں خیال کرے گا کہ اب تو مارا گیا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ ڈالا تھا اور آج میں تیرے گناہوں کو معاف کیے دیتا ہوں۔ پھر اسے اس کی نیکیوں کی کتاب دے دی جائے گی۔ (۲)

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ

۱۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب استحباب العفو والتواضع: 2588]

۲۔ (بخاری، کتاب المظالم، باب قول اللہ تعالیٰ: (الا لعنۃ اللہ علی الظالمین): 2441]

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ
سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

بلاشبہ جولوگ اللہ کے ساتھ اوراس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ کے اوراس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور (اس طرح) وہ چاہتے ہیں کہ) کفر اور ایمان کے درمیان) ایک بیچ کی راہ نکال لیں۔(۱۵۰) یہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے ان کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱۵۱)۔"اور جولوگ اللہ اوراس کے رسولوں پر ایمان لائے اوران میں سے کسی کے درمیان تفریق نہ کی یہی وہ لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ انھیں ان کے اجر دے گا اور اللہ بہت ہی بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔(۱۵۲)

ربط آیت: یہاں سے ذکر ہے یہود کا۔ چونکہ یہود میں نفاق کا مضمون بہت تھا اور آپ کے زمانہ میں جو منافق تھے وہ یہود تھے یا یہودیوں سے ربط اور محبت رکھنے والے اوران کے مشورہ پر چلنے والے تھے اس لیے قرآن شریف میں اکثر ان دونوں فریق کا ذکر اکٹھا فرمایا ہے۔

منافقین کے قبیح اعمال واقوال بیان کرنے کے بعد اب یہاں سے اللہ تعالیٰ نے ان یہود ونصاری کی

سرزنش کی ہے جو اس کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انھوں نے ایمان لانے میں اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کر دیا ہے۔ پھر بعض انبیاء پر ان کا ایمان ہے اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور یہ محض اپنی خواہش و عادت اور اپنے آباو اجداد کی تقلید کی وجہ سے ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل ہے۔

یہودیوں پر اللہ لعنت کرے، ان کا دیگر انبیاء پر تو ایمان تھا مگر سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان نہیں تھا۔ اسی طرح نصرانیوں کا دیگر انبیاء پر تو ایمان تھا مگر خاتم النبیین اور اشرف المرسلین سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کفر کرتے تھے۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ جو کسی بھی نبی کے ساتھ کفر کرے تو گویا کہ اس نے تمام انبیاء کے ساتھ کفر کیا، کیونکہ ہر اس نبی پر ایمان لانا واجب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا، لہٰذا جو شخص حسد یا عصبیت یا خواہش کی وجہ سے کسی بھی نبی کی نبوت کا انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جن انبیاء پر اس کا ایمان ہے وہ بھی شرعی ایمان نہیں ہے، بلکہ وہ کسی غرض، خواہش اور عصبیت پر مبنی ہے۔ جیسا کہ ہمارے زمانے کے مادہ پرستوں نے مسجد کی حد تک نماز، بازاروں میں سود، عدالتوں اور حکومت کے شعبوں میں کفریہ قوانین، سب کچھ ملا کر اس کا نام اسلام رکھا ہے اور بعض نے کہا کہ قرآن کو تو حجت مانیں گے مگر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فرمان کو نہیں مانیں گے، کیونکہ یہ آپ کے بہت بعد میں لکھی گئیں، یہ منکرین حدیث بھی انھیں لوگوں میں شامل ہیں۔

عبد بن حمید و ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہ لوگ یہودی اور نصرانی اللہ کے دشمن ہیں یہودی توراۃ اور موسیٰ پر ایمان لائے اور انجیل اور عیسیٰ کا انکار کیا (اسی طرح) نصرانی

انجیل اور عیسیٰ پر ایمان لائے اور قرآن اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انکار کیا انھوں نے یہودیت اور نصرانیت کو اپنا لیا جو (دونوں کی اپنی طرف سے) اختراع ہیں (اور) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں اور لوگوں نے اسلام کو چھوڑا حالانکہ یہی اللہ کا دین ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ امام ابن جریرؒ نے سدی اور ابن جریج رحمہما اللہ سے اسی طرح روایت کیا۔

چونکہ یہود میں نفاق کا مضمون بہت تھا اور آپ کے زمانہ میں جو منافق تھے وہ یہود تھے یا یہودیوں سے ربط اور محبت رکھنے والے اور ان کے مشورہ پر چلنے والے تھے اس لیے قرآن شریف میں اکثر ان دونوں فریق کا ذکر اکٹھا فرمایا ہے۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسولوں سے منکر ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں یعنی اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں پر ایمان نہیں لاتے اور بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور مطلب یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے بیچ میں ایک نیا مذہب اپنے لیے نکالیں ایسے ہی لوگ اصل اور ڈھیٹ کافر ہیں۔ ان کے لیے خواری اور ذلت کا عذاب تیار ہے۔ فائدہ: اللہ کا ماننا جب ہی معتبر ہے کہ اپنے زمانہ کے پیغمبر کی تصدیق کرے اور اس کا حکم مانے بدون تصدیق نبی کے اللہ کا ماننا غلط ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ ایک نبی کی تکذیب اللہ کی اور تمام رسولوں کی تکذیب سمجھی جاتی ہے۔ یہود نے جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب کی تو حق تعالیٰ کی اور تمام انبیاء کی تکذیب کرنے والے قرار دیے گئے اور کٹے کافر سمجھے گئے۔

آخری آیت میں پھر ایجابی طور پر بیان فرما دیا گیا ہے کہ نجات آخرت انہی لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے سب رسولوں پر بھی ایمان رکھیں اسی لیے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے: "یعنی قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر و تشریح کرتا ہے۔" خود قرآنی تفسیر کے

خلاف کوئی تفسیر کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔

اس سے مراد امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لوگ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہر کتاب اور ہر اس نبی پر ایمان رکھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں ان کا پورا پورا بدلہ دے گا اور ان سے اگر کوئی تقصیر ہوئی ہوگی تو اسے معاف کر دے گا اور از روئے رحمت ان کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا دے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ : انبیائے کرام کے درمیان تفریق نہ کرنے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس طرح حکم دیتا ہے، ارشاد فرمایا: (قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ) [البقرہ:136] کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمان بردار ہیں۔ اور فرمایا (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ) [البقرہ:285] رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی جانب سے اس کی طرف نازل کیا گیا اور سب مومن بھی، ہر ایک اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔

سیدنا عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات کی گواہی دے

کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ ؑ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں، جو اس نے مریم ؑ کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں اور جنت حق ہے، جہنم حق ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دے گا، خواہ وہ کیسا ہی عمل کرتا ہو۔ [1]

سیدنا ابو موسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کے لیے دو گنا ثواب ہے۔

(1) وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو، اپنے نبی پر ایمان لایا ہو اور (پھر) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بھی ایمان لائے۔

(2) وہ مملوک غلام، جو اللہ کے حق کو اور اپنے مالک کے حق کو ادا کرتا رہے۔

(3) وہ شخص جس کے پاس اس کی لونڈی ہو، اس نے اسے ادب سکھایا اور اس کی عمدہ تربیت کی اور اسے اچھی و اعلیٰ تعلیم دی، پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا، پس اس کے لیے دو گنا ثواب ہے۔ [2]

﴿ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ

---

[1] [بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: یا اھل الکتاب لاتغلوا فی دینکم)۔3435۔ مسلم کتاب الایمان، باب الدلیل علی من مات علی التوید دخل الجنۃ قطعا۔28]

[2] [بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ۔97۔ مسلم، کتاب الایمان باب وجود الایمان برسالۃ نبینا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم):154]

مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيۡنَا مُوۡسٰى سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۵۳﴾

اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دیں۔سووہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا سوال کر چکے ہیں انھوں نے یوں کہا کہ تو ہمیں آمنے سامنے اللہ کو دکھا دے،سوان کو ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے پکڑ لیا۔پھر انھوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا اس کے بعد کہ ان کے پاس دلائل آچکے تھے پھر ہم نے اس کو معاف کر دیا۔اور ہم نے موسیٰ کو صریح غلبہ دے دیا۔

شان نزول: (آیت) "۔یسئلک اھل الکتب"

ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے پاس اللہ کی طرف سے الواح لے کر آئے، آپ بھی ہمارے پاس الواح لائیں، تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں، اس پر (آیت) یسئلک۔سے لے کر بھتانا عظیما"۔تک یہ آیات نازل ہوئیں تو ان یہودیوں میں سے ایک شخص گھٹنوں کے بل گر پڑا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) پر اور کسی پر کوئی چیز نازل نہیں کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (آیت) "وما قدروا اللہ حق قدرہ"۔

امام محمد ابن جریرؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن کعب قرظیؒ بیان کرتے ہیں کہ یہودی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آ کر کہنے لگے موسیٰ اللہ کے پاس سے الواح لائے تھے تو جب آپ بھی اللہ کے پاس سے (لکھی ہوئی) الواح لے آئیں گے تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریجؒ نے کہا کہ یہود اور نصاریٰ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پاس آئے اور کہا ہم نے آپ کی دعوت کی اس وقت تک پیروی نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہماری جانب اللہ کے پاس سے یہ مکتوب آئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور فلاں شخص کے پاس بھی یہ مکتوب آئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ [1]

جب یہودیوں نے ازراہ عناد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ سوال کیا کہ ان کے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: کہ یہ یہودی تو اس سے بڑے بڑے سوال حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کر چکے ہیں ہر چند کہ یہ سوال ان کے آباؤ اجداد نے کیے تھے لیکن چونکہ یہ ان سوالات پر راضی تھے اور ان ہی کی طرح سرکشی کر رہے تھے اور کئی معجزات دیکھنے کے باوجود نبوت پر ایمان نہیں لا رہے تھے اور ان ہی کی طرح معاند تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سوالات کی نسبت آپ کے زمانہ کے یہودیوں کی طرف کر دی اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ اب کہہ رہے ہیں کہ توراۃ کی طرح آسمان سے لکھی ہوئی کتاب نازل ہو تو پھر ایمان لائیں گے حالانکہ جب ان کے آباؤ اجداد پر آسمان سے لکھی ہوئی کتاب نازل ہوئی تو وہ اس

۱۔ (جامع البیان ج ٤ ص ۱۱۔۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

پر ایمان نہیں لائے تھے بلکہ انھوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھاؤ اس سے واضح ہو گیا کہ ان کا یہ مطالبہ شرح صدر اور اطمینان قلب کے لیے نہیں تھا بلکہ محض عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھا۔

یہودیوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مطالبہ کیا کہ جس طرح موسیٰ پر پوری توراۃ لکھی ہوئی نازل تھی، اسی طرح آسمان سے ہمارے لیے کوئی کتاب اترنی چاہیے، تاکہ ہم تمہارے اوپر ایمان لے آئیں۔ یہ بات انھوں نے ہٹ دھرمی اور کفر کی وجہ سے کہی تھی، ورنہ رسول اللہ پر ایمان لانے کے لیے توراۃ میں بیان کردہ دلائل و براہین کے بعد انھیں کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کے اس مطالبہ پر حیرت نہ کریں، انھوں نے تو موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ کو ان ظاہری آنکھوں سے دکھا دو۔ تو آسمان سے بجلی نے انھیں ان کے عناد و تکبر کی وجہ سے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے، پھر اللہ نے ان کے حال پر رحم کرتے ہوئے انھیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے بچھڑے کو معبود بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کوہ طور سے واپس آئے اور دوبارہ انھیں توحید کی دعوت دی اور شرک پر ان کی سرزنش کی، تب انھوں نے توبہ کی اور اللہ نے انھیں پھر معاف کر دیا۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ: یہاں یہود کی جہالت کے بیان کا مقصد ان کی سرکشی اور طبعی ضد و عناد کو واضح کرنا ہے۔ ان کا مقصد آپ پر ایمان لانا تو تھا نہیں، محض شرارت کے لیے اور لاجواب کرنے کے لیے نت نئے اعتراضات پیش کرتے رہے، ان میں سے ایک ان کی یہ فرمائش بھی تھی کہ موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تختیاں ملی تھیں، آپ بھی اللہ کے ہاں سے اسی طرح کتاب لا کر دکھائیں، تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں اور آپ پر ایمان لائیں۔ کفار مکہ نے بھی ایسا

ہی سوال کیا تھا، ارشاد فرمایا: (وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا)[بنی اسرائیل:93] اور ہم تیرے چڑھنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے، یہاں تک کہ تو ہم پر کوئی کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔ تو کہہ میرا رب پاک ہے، میں تو ایک بشر کے سوا کچھ نہیں جو رسول ہے۔

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ: یعنی تمہاری اس فرمائش کے عین مطابق موسیٰ (علیہ السلام) کتاب لائے تو تم نے اس سے بڑا مطالبہ پیش کر دیا، یعنی یہ کہ ہمیں واضح طور پر سامنے اللہ تعالیٰ کا دیدار کراؤ۔ ارشاد فرمایا: (وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)[البقرہ:55،56] اور جب تم نے کہا اے موسیٰ۔ ہم ہرگز تیرا یقین نہ کریں گے، یہاں تک کہ ہم اللہ کو کھلم کھلا دیکھ لیں، تو تمہیں بجلی نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے تمہیں تمہارے مرنے کے بعد زندہ کیا، تاکہ تم شکر کرو۔

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ: یعنی اگرچہ بلاد مصر میں موسیٰ کے ہاتھوں وہ کھلی نشانیاں اور زبردست دلائل دیکھ چکے تھے اور یہ مشاہدہ کر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن فرعون کو اس کے تمام لشکروں سمیت سمندر میں غرق کر دیا تھا اور انھیں سمندر سے صحیح سلامت پار کر دیا تھا، مگر سمندر پار کرنے کے بعد ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ان کا جب ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو اپنے بتوں کی عبادت کرتے تھے تو یہ کہنے لگے: (اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ)[الاعراف:138] ہمارے لیے کوئی معبود بنا دے، جیسے ان کے کچھ معبود ہیں۔

ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ سے روایت کیا کہ یہودیوں میں سے کچھ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے پاس اللہ کی طرف سے تختیاں لے کر آئے تھے آپ بھی اللہ کی طرف سے تختیاں لے آئیں تب ہم آپ کی تصدیق کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی لفظ آیت "یسئلک اہل الکتب ان تنزل علیہم کتبا من السماء" سے لے کر "وقولہم علی مریم بھتانا عظیما" تک۔

ابن جریر وابن المنذرؒ نے ابن جریجؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہود ونصاری نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا تو ہم کو بلاتا ہے یہاں تک کہ تو ہمارے پاس اللہ کی طرف سے کتاب لائے (اور اس میں یہ لکھا ہو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں شخص کے لیے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) اتاری "یسئلک اہل الکتب" آخر تک۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ یہودیوں نے کہا اگر تو اس بات میں سچا ہے کہ اللہ کا رسول ہے تو ہمارے پاس کتاب لکھی ہوئی آسمان سے لے آ جیسے موسیٰ لاتے تھے۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے لفظ آیت "ان تنزل علیہم کتبا من السماء" کے بارے میں روایت کیا کہ یعنی خاص کتاب اور "جھرۃ" سے مراد ہے آنکھوں کے سامنے۔

ابن جریر وابن المنذرؒ نے ابن عباسؓ سے لفظ آیت "فقالوا ارنا اللہ جھرۃ" کے بارے میں روایت کیا کہ بلاشبہ انھوں نے جب اسے دیکھا تو انھوں نے اعلانیہ کہا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ دکھا۔ تو اس میں تقدیم اور تاخیر ہے۔

سعید بن منصور وعبد بن حمیدؒ نے عمر بن خطابؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت "فاخذتھم الصعقۃ"

پڑھا۔

ابن المنذرؒ نے ابن جریجؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "فاخذتھم الصعقۃ" میں "صاعقہ" سے مراد ہے موت اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی ان کو موت دیدی ان کی اس (گستاخانہ) بات کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنا عرصہ ان کی موت دیدی پھر ان کو زندہ کر کے اٹھا دیا۔

عبد بن حمید و ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "ورفعنا فوقھم الطور" کے بارے میں روایت کیا کہ طور سے مراد وہ پہاڑ ہے جس کے دامن میں یہ لوگ تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھایا اور سائبان کی طرح ان کے اوپر کر دیا اور فرمایا کہ تم لوگ ضرور میرے حکم کو اپناؤں گے یا میں ضرور اس کو تم پر گرا دوں گا تو کہنے لگے ہم اس کو اپنائیں گے (یعنی اس پر عمل کریں گے) اور اللہ تعالیٰ نے ان سے (اس پہاڑ کو) ہٹا دیا۔

عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے لفظ آیت "وقلنا لھم ادخلوا الباب سجدا" کے بارے میں روایت کیا کہ ہم یہ بات بیان کرتے تھے کہ یہ دروازہ بیت المقدس کے دروازوں میں سے تھا۔ اور فرمایا لفظ آیت "وقلنا لھم لا تعدوا فی السبت" یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو حکم فرمایا کہ ہفتہ کے دن مچھلی نہ کھاؤ اور نہ مچھلی کو چھیڑو اور اس کے علاوہ (سب دنوں میں) ان کے لیے حلال کر دی گئی اور اللہ تعالیٰ کے اس قول "فبما نقضھم" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کے عہد کو توڑنے کی وجہ سے فرمایا لفظ آیت "وقولھم قلوبنا غلف" یعنی ہم کچھ نہیں سمجھتے (کیونکہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے) فرمایا لفظ آیت "بل طبع اللہ علیھا" یعنی جب قوم نے اللہ کا حکم چھوڑ دیا تو اپنے رسولوں کو قتل کر دیا اور اس کی آیات کا انکار کر دیا اور اس وعدہ کو توڑ

دیا جو انھوں نے کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان پر لعنت کی جب انھوں نے (ایسی نافرمانیاں) کیں۔

ابن جریج و ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وقولہم علی مریم بھتانا عظیما" سے مراد ہے کہ انھوں نے (مریم (علیہ السلام)) پر زنا کی تہمت لگالی۔

بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور حاکمؒ (نے اس کو صحیح کہا) علیؓ سے روایت کیا کہ مجھ کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ تیرے لیے عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال ہے یہودیوں نے ان سے بغض رکھا یہاں تک کہ ان کی والدہ پر تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی (اور محبت میں اس قدر آگے بڑھے) یہاں تک کہ ان کو ایسا مقام دیا جو ان کے لائق نہیں تھا (یعنی ان کو خدا کا بیٹا بنا دیا)۔

﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾ ﴾

"اور ہم نے ان سے پختہ عہد لینے کے لیے ان پر پہاڑ کو اٹھایا اور ہم نے ان کو کہا سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہو جاؤ اور ہم نے ان سے کہا کہ ہفتے کے دن میں زیادتی نہ کرنا اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔

شریعت توراۃ کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد

اس آیت سے آیت: ۱۶۱ تک اللہ نے یہود کی باقی سرکشیوں اور جہالتوں کو بیان فرمایا ہے' ان میں سے ایک جہالت اور سرکشی اس موقع پر ہوئی جب ان کے سروں کے اوپر پہاڑ طور اٹھالیا گیا' اور اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ دین سے نہ پھریں لیکن وہ دین سے پھر گئے پھر ان پر پہاڑ طور اٹھا کر ان سے عہد لیا گیا کہ وہ عہد شکنی نہیں کریں گے اور انھوں نے اپنے اوپر پہاڑ کے گرنے کے خوف سے یہ عہد کرلیا' دوسرا قول یہ ہے کہ انھوں نے توراۃ کی شریعت کے قبول کرنے سے انکار کردیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں کے اوپر طور مسلط کردیا اور انھوں نے اس پہاڑ کے خوف سے توراۃ کی شریعت کو قبول کرلیا۔

دوسری جہالت اور سرکشی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم نے ان سے کہا سجدہ (شکر) کرتے ہوئے اس دروازہ میں داخل ہوجاؤ' اس کی پوری تفصیل سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے اور تیسری سرکشی یہ تھی کہ ان سے اللہ نے فرمایا تھا کہ ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھنا' اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن شکار نہ کرنا' دوسرا قول یہ ہے کہ تلاش روزگار اور حصول معاش کے لیے ہفتہ کے دن کوئی کام نہ کرنا اس کی تفصیل اور تحقیق بھی سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ : بنی اسرائیل نے توراۃ کے احکام کی پابندی کرنے سے انکار کردیا تھا اور موسیٰ (علیہ السلام) جس دین و شریعت کو لائے تھے اس کی حکم عدولی ان سے ظاہر ہورہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ کو بلند کردیا اور ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مانو، تو انھوں نے ماننا شروع کردیا اور اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوگئے، مگر حالت سجدہ میں بھی اوپر کی طرف دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ ان پر گر نہ جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا: (وَاِذْ نَتَقْنَا

الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ)[الاعراف: 171] اور جب ہم نے پہاڑ کو ہلا کر ان کے اوپر اٹھایا، جیسے وہ ایک سائبان ہے اور انھوں نے یقین کرلیا کہ بیشک وہ ان پر گرنے والا ہے، جو کچھ ہم نے تمھیں دیا ہے اسے قوت کے ساتھ پکڑو۔

وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا : دوسری حرکت انھوں نے یہ کی کہ جب انھیں شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا حکم ہوا تو وہ کولہوں کے بل داخل ہوئے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: (یہودی شہر کے) دروازے میں کولہوں کے بل داخل ہوئے تھے۔ [1]

وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا : اہل کتاب سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار نہیں کریں گے، لیکن انھوں نے اس عہد کو بھی توڑ دیا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

(وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ)[الاعراف: 163] اور ان سے اس بستی کے بارے پوچھ جو سمندر کے کنارے پر تھی، جب وہ ہفتے کے دن میں حد سے تجاوز کرتے تھے، جب ان کی مچھلیاں ان کے ہفتے کے دن سر اٹھائے ہوئے ان کے پاس آتیں اور جس دن ان کا ہفتہ نہ ہوتا وہ ان کے پاس نہ آتی تھیں، اس طرح ہم ان کی آزمائش کرتے تھے، اس کی وجہ سے جو وہ نافرمانی کرتے تھے۔

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (واذ قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ) 4479۔ مسلم، کتاب التفسیر۔ باب فی تفسیر آیات متفرقۃ: 3015]

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ
الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ
عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ
وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا
الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا
صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ
شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا
قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ ﴾

سو ہم نے اس وجہ سے (ان پر لعنت کی) کہ انھوں نے عہد شکنی کی اور اللہ کی آیات
کے ساتھ کفر کیا۔ اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ اور انھوں نے یوں کہا کہ ہمارے دلوں پر

غلاف ہیں۔ بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ اس لیے وہ تھوڑی سی باتوں کے سوا کسی بات پر ایمان نہیں لاتے۔ (۱۵۵) اور (اس وجہ سے بھی ان پر لعنت کی) کہ انھوں نے کفر اختیار کیا اور انھوں نے مریم پر بہت بڑا بہتان لگایا۔ (۱۵۶) اور ان کے اس دعویٰ کے سبب سے کہ ہم نے مسیح ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا۔ حالانکہ نہ تو انھوں نے اس کو قتل کیا نہ سولی دی۔ بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ ہو گیا اور جو لوگ اس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں وہ اس کے معاملہ میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو اس بارے میں کوئی قطعی علم نہیں۔ بس گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ انھوں نے اس کو ہرگز قتل نہیں کیا ۔(۱۵۷) بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے ۔(۱۵۸) اور کوئی نہیں اہل کتاب میں مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ضرور ایمان لائے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے۔" (۱۵۹)

ربط آیات:۔

ماقبل کی آیات میں بھی یہود کی شرارتوں کا ذکر تھا اور ان شرارتوں کی وجہ سے ان پر لعن، طعن اور سزا کا بیان ہوا تھا، ان آیات میں بھی یہود کے بعض جرائم کی تفصیل مذکور ہے، اس کے ضمن میں حضرت عیسیٰ کے متعلق ان کے باطل خیال کی تردید کی گئی ہے، اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام)

کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ظلم وستم سے بچا کر زندہ آسمان پر اٹھا لیا ہے، یہ لوگ جو دعوی ہے جس شخص کو انھوں نے قتل کیا تھا وہ عیسیٰ (علیہ السلام) نہیں تھے، بلکہ ان کے ہمشکل ایک دوسرا شخص تھا جس کو قتل کر کے یہ لوگ یوں سمجھنے لگے کہ ہم نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دیا۔

اہل کتاب، قاتلان انبیاء، عیسیٰؑ کی روداد اور مراحل قیامت

اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمتوں سے دور ڈال دیئے گئے اور ملعون وجلاوطن کر دیئے گئے اولاً ان کی عہد شکنیہ تھی کہ جو وعدے انھوں نے اللہ سے کئے ان پر قائم نہ رہے، دوسرے اللہ کی آیتوں یعنی حجت و دلیل اور نبیوں کے معجزوں سے انکار اور کفر، تیسرے بلا وجہ، ناحق انبیاء کرام کا قتل۔ ان کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت ان کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ چوتھی ان کا یہ خیال اور قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی پردے میں ہیں، جیسے مشرکین نے کہا تھا آیت (وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ)41۔ فصلت:5) یعنی "اے نبی تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ "ہمارے دل علم کے ظروف ہیں وہ علم وعرفان سے پر ہیں۔" سورہ بقرہ میں بھی اس کی نظیر گذر چکی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہو چکے تھے۔

پس پہلی تفسیر کی بنا پر یہ مطلب ہوا کہ وہ عذر کرتے تھے کہ ہمارے دل بوجہ ان پر غلاف ہونے کے نبی کی باتوں کو یاد نہیں کر سکتے تو انھیں جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں بلکہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل مسخ ہو گئے ہیں اور دوسری تفسیر کی بنا پر تو جواب ہر طرح ظاہر ہے۔ سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس کی پوری تفصیل

وتشریح گذر چکی ہے۔ پس بطور نتیجے کے فرمادیا کہ اب ان کے دل کفر وسرکشی اور کمی ایمان پر ہی رہیں گے، پھر ان کا پانچواں جرم عظیم بیان ہورہا ہے کہ انھوں نے سیدہ مریم (علیہا السلام) پر زنا کاری جیسی بدترین اور شرمناک تہمت لگائی اور اسی زنا کاری کے حمل سے حضرت عیسیٰ ؑ کو پیدا شدہ بتایا، بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی۔ اللہ کی ان پر پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے۔ پھر ان کا چھٹا گناہ بیان ہورہا ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کے یہ ہانک بھی لگاتے ہیں کہ "ہم نے حضرت عیسیٰ کو مار ڈالا" جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے تو تو مجنون ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو نبوت دے کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھائے مثلاً بچپن کے اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مٹی کے پرند بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ تو یہودیوں کو سخت طیش آیا اور مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذاء رسانی شروع کر دی۔

آپ کی زندگی تنگ کر دی، کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا، ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گذاری، پھر بھی انھیں چین نہ لینے دیا، یہ دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے جو ستارہ پرست مشرک شخص تھا (اس مذہب والوں کے ملک کو اس وقت یونان کہا جاتا تھا) یہ بہت روئے پیٹے اور بادشاہ کو حضرت عیسیٰ ؑ کے خلاف اکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے۔ لوگوں کو بہکا رہا ہے، روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے، امن میں خلل ڈالتا ہے۔ لوگوں کو بغاوت پہ اکساتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا، ایک فرمان لکھا کہ وہ حضرت عیسیٰ ؑ کو گرفتار

کر لے اور سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے۔ اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہ تھے، آپ کے ساتھ اس وقت بارہ تیرہ یا زیادہ سے زیادہ ستر آدمی تھے، جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لیے رہا جب حضرت عیسیٰ ؑ نے یہ محسوس کر لیا کہ اب وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے یعنی اس کی صورت اللہ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے اللہ مخلصی دے؟ میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔" اس پر ایک نوجوان نے کہا مجھے یہ منظور ہے لیکن حضرت عیسیٰ ؑ نے انھیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا، تیسری دفعہ بھی کہا مگر ہر مرتبہ صرف یہی تیار ہوئے ؓ۔

اب آپ نے یہی منظور فرما لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰ ؑ یہی ہیں اور چھت کی طرف ایک روزن نمودار ہو گیا اور حضرت عیسیٰ ؑ کی اونگھ کی حالت ہو گئی اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے آیت (اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ)[3]۔ آل عمران: 55) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اے عیسیٰ میں تم سے مکمل تعاون کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔" حضرت روح اللہ کے سوئے ہوئے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے، یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابیؓ کو جس پر جناب مسیح (علیہ السلام) کی شباہت ڈال دی گئی تھی، عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور

راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم ؑ کو قتل کر دیا اور لطف تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی اور ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح (علیہ السلام) کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح آسمان پر چڑھا لیے گئے اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ کام آیا۔ باقی عیسائیوں کا بھی وہی خیال تھا جو یہودیوں کا تھا، یہاں تک کہ پھر یہ بھی گھڑ لیا کہ عیسیٰ ؑ کی والدہ سولی تلے بیٹھ کر روتی چلاتی رہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں، واللہ اعلم۔ دراصل یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے اپنے بزرگ بندوں کا امتحان ہیں جو اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے، پس اس غلطی کو اللہ تعالیٰ نے واضح اور ظاہر کر کے حقیقت حال سے اپنے بندوں کو مطلع فرما دیا اور اپنے سب سے بہتر رسول اور بڑے مرتبے والے پیغمبر کی زبانی اپنے پاک، سچے اور بہترین کلام میں صاف فرما دیا کہ "حقیقتاً نہ کسی نے حضرت عیسیٰ کو قتل کیا، نہ سولی دی بلکہ ان کی شبیہ جس پر ڈالی گئی تھی، اسے عیسیٰ ہی سمجھ بیٹھے، جو یہود و نصاریٰ آپ کے قتل کے قائل ہو گئے وہ سب کے سب شک و شبہ میں حیرت و ضلالت میں مبتلا ہیں۔

ان کے پاس کوئی دلیل نہیں نہ انھیں خود کچھ علم ہے صرف سنی سنائی باتوں پہ یقین کے سوا کوئی ان کے پاس دلیل نہیں۔ اسی لیے پھر اسی کے متصل فرما دیا کہ" یہ یقینی امر ہے کہ روح اللہ کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ جناب باری عز اسمہ نے جو غالب تر ہے اور جس کی قدرتیں بندوں کے فہم میں بھی نہیں آسکتیں اور جس کی حکمتوں کی تہ تک اور کاموں کی لم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، اپنے خاص بندے کو جنہیں اپنی روح کہا تھا اپنے پاس اٹھا لیا" حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو

آسمان پر اٹھانا چاہا تھا، آپ گھر میں آئے اور گھر میں بارہ حواری تھے، آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، آپ نے فرمایا! تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر کچھ مجھ سے کفر کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا "تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہ ڈالی جائے اور میری جگہ وہ قتل کر دیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے۔" اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت روح اللہ کی پیش گوئی کے مطابق بعض نے آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا۔ پھر ان کے تین گروہ ہو گئے، یعقوبیہ، نسطوریہ اور مسلمان، یعقوبیہ تو کہنے لگے خود اللہ ہم میں تھا، جب تک چاہا رہا، پھر آسمان پر چڑھ گیا، نسطوریہ کا خیال ہو گیا کہ اللہ کا لڑکا ہم میں تھا، جسے ایک زمانے تک ہم میں رکھ کر پھر اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ کا بندہ اور رسول ہم میں تھا جب تک اللہ نے چاہا وہ ہم میں رہا اور پھر اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔ ان پہلے دو گمراہ فرقوں کا زور ہو گیا اور انھوں نے تیسرے سچے اور اچھے فرقے کو کچلنا اور دبانا شروع کیا، چنانچہ یہ کمزور ہوتے گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مبعوث فرما کر اسلام کو غالب کیا۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے اور نسائی میں حضرت ابو معاویہؓ سے بھی یہی منقول ہے اسی طرح سلف میں سے بہت سے بزرگوں کا قول ہے، حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں جس وقت شاہی سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰ پر چڑھ دوڑے اور گھیرا ڈال دیا اس وقت آپ کے ساتھ سترہ آدمی تھے۔ ان لوگوں نے جب دروازے کھول کر دیکھا تو دیکھا کہ سب کے سب حضرت عیسیٰ کی صورت میں ہیں تو کہنے لگے تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے، اب یا تو تم اسے جو حقیقی عیسیٰ ہوں ہمیں سونپ دو یا اسے منظور کر لو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں۔ یہ سن کر روح اللہ نے فرمایا "کوئی ہے جو جنت میں میرا رفیق بنے اور یہاں میرے

بدلے سولی پر چڑھنا منظور کرے" ایک صحابی اس کے لیے تیار ہو گئے اور کہنے لگے عیسیٰؑ میں تیار ہوں، چنانچہ دشمنان دین نے انھیں گرفتار کیا قتل کیا اور سولی چڑھایا اور بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے عیسیٰؑ کو قتل کیا، حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور اللہ نے اپنے رسول کو اسی وقت اپنے پاس چڑھا لیا۔ تفسیر ابن جریرؒ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو یہ وحی کر دیا کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو آپ پر بہت گراں گذرا اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے حواریوں کی دعوت کی، کھانا تیار کیا اور سب سے کہہ دیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا، مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جب وہ آئے تو خود کھانا کھلایا سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے، جب وہ کھا چکے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑوں سے ان کے ہاتھ پونچھے یہ ان پر بھاری پڑا اور برا بھی لگا لیکن آپ نے فرمایا" اس رات میں جو کچھ کر رہا ہوں، اگر تم میں سے کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس کا کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا ہے نہ میں اس کا۔"

چنانچہ وہ سب خاموش رہے۔ جب آپ ان تمام کاموں سے فارغ ہو گئے تو فرمایا دیکھو! تمہارے نزدیک میں تم سب سے بڑے مرتبے والا ہوں اور میں نے تمہاری خدمت خود کی ہے، یہ اس لیے کہ تم میری اس سنت کے عامل بن جاؤ، خبردار تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے، بلکہ ہر بڑا چھوٹے کی خدمت کرے، جس طرح خود میں نے تمہاری خدمت کی ہے۔ اب تم سے میرا جو خاص کام تھا جس کی وجہ سے آج میں نے تمہیں بلایا ہے وہ بھی سن لو کہ "تم سب مل کر آج رات بھر خشوع وخضوع سے میرے لیے دعائیں کرو کہ اللہ میری اجل کو موخر کر دے۔" چنانچہ سب نے دعائیں شروع کیں لیکن خشوع وخضوع سے میرے لیے دعائیں کرو کہ اللہ میری اجل کو موخر کر دے۔" چنانچہ سب

نے دعائیں شروع کیں لیکن خشوع وخضوع کا وقت آنے سے پہلے ہی اس طرح انھیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہوگیا، آپ نے انھیں بیدار کی کوشش میں ایک ایک کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہا تمھیں کیا ہوگا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں سکتے؟ میری مدد نہیں کرتے؟ لیکن سب نے جواب دیا اے رسول اللہ ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک چھوڑ کئی کئی راتیں جاگتے تھے، جاگنے کے عادی ہیں لیکن اللہ جانے، آج کیا بات ہے کہ بری طرح نیند نے گھیر رکھا ہے، دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے تو آپ نے فرمایا! اچھا پھر چرواہا رہے گا اور بکریاں تین تیرہ ہو جائیں گی، غرض اشاروں کنایوں میں اپنا مطلب ظاہر کرتے رہے، پھر فرمایا" دیکھو تم میں سے ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کرے گا اور تم میں سے ایک چند درہموں کے بدلے مجھے بیچ دے گا اور میری قیمت کھائے گا۔" اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے ادھر ادھر چلے گئے، یہود جو اپنی جستجو میں تھے، انھوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا یہ بھی اس کا ساتھی ہے، مگر شمعون نے کہا" غلط ہے میں اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ انھوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن کچھ آگے جا کر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا، وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنا آپ چھڑایا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی اب یہ پچھتانے لگے اور سخت غم گین ہوئے۔ صبح ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تمھیں عیسیٰ کا پتہ بتادوں تو تم مجھے کیا دلواؤ گے؟ انھوں نے کہا تیس درہم، چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی، اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا پتہ بتادیا۔ اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے، اب انھوں نے گرفتار کرلیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعنہ زنی کے کہتے جاتے تھے کہ آپ تو مردوں کو زندہ کرتے تھے، جنات کو بھگا دیا کرتے تھی، مجنون کو اچھا کر دیا کرتے تھے، اب کیا بات ہے

کہ خود اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے، تھو ہے تمہارے منہ پر! یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اسی طرح بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینا تھی اور ارادہ کیا کہ سولی پر چڑھا دیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنی طرف چڑھا لیا اور انھوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا سولی پر چڑھا دیا۔" پھر سات دن کے بعد حضرت مریمؑ اور وہ عورت جس کو حضرت عیسیٰؑ نے جن سے نجات دلوائی تھی۔ وہاں آئیں اور رونے پیٹنے لگیں تو ان کے پاس حضرت عیسیٰؑ آئے اور ان سے کہا کہ "کیوں روتی ہو؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کر لیا ہے اور مجھے ان کی اذیتیں نہیں پہنچیں، ان پر تو شبہ ڈال دیا گیا ہے میرے حواریوں سے کہو کہ مجھ سے فلاں جگہ ملیں" چنانچہ یہ بشارت جب حواریوں کو ملی تو وہ سب کے سب گیارہ آدمی اس جگہ پہنچے، جس حواری نے آپ کو بیچا تھا، اسے انھوں نے وہاں نہ پایا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا گلا گھونٹ کر آپ ہی مر گیا۔

اس نے خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا "اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔" پھر پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے، اس کا نام یحییٰ ہے، اب یہ تمہارا ساتھی ہے سنو صبح کو تمہاری زبانیں بدل دی جائیں گی، ہر شخص اپنی اپنی قوم کی زبان بولنے لگے گا، اسے چاہیے کہ اسی قوم میں جا کر اسے میری دعوت پہنچائے اور اللہ سے ڈرائے۔ یہ واقعہ نہایت ہی غریب ہے، ابن اسحاقؒ کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ جس نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل کے لیے اپنی فوج بھیجی تھی اس کا نام داؤد تھا۔ حضرت عیسیٰ اس وقت سخت گھبراہٹ میں تھے، کوئی شخص اپنی موت سے اس قدر پریشان حواس باختہ اور اس قدر واویلا کرنے والا نہ ہوگا، جس قدر آپ نے اس وقت کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا یا اللہ اگر تو موت کے پیالے کو

کسی سے بھی ٹالنے والا ہے تو مجھ سے ٹال دے اور یہاں تک کہ گھبراہٹ اور خوف کے مارے ان کے بدن سے خون پھوٹ کر بہنے لگا، اس وقت اس مکان میں آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے، جن کے نام یہ ہیں فرطوس، یعقوبس، ربداء، ینجس، (یعقوب کا بھائی) اندارا ابلیس، فیلبس، ابن یلما، منتا طوم اس، یعقوب بن حلقایا، نداوسیس، قتابیا، لیودس وکریا یوطا۔ بعض کہتے ہیں تیرہ آدمی تھے اور ایک کا نام سرجس تھا۔ اسی نے اپنا آپ سولی پر چڑھایا جانا حضرت عیسیٰ کی بشارت پر منظور کیا تھا۔ جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) آسمان پر چڑھا لیے گئے اور بقیہ لوگ یہودیوں کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے، اب جو گنتی گنتے ہیں تو ایک کم نکلا۔ اس کے بارے میں ان میں آپس میں اختلاف ہوا۔ یہ لوگ جب اس جماعت پر چھاپہ مارتے ہیں اور انھیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عیسیٰ کو چونکہ پہچانتے نہ تھے تو لیودس وکریا یوطا نے تیس درہم لے کر ان سے کہا تھا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں جسے میں جا کر بوسہ دوں تم سمجھ لینا کہ عیسیٰ وہی ہے، جب یہ اندر پہنچتے ہیں، اس وقت حضرت عیسیٰ اٹھا لیے گئے تھے اور حضرت سرجس آپ کی صورت میں بنا دیئے گئے تھے۔

اس نے جا کر حسب قرارداد انہی کا بوسہ لیا اور یہ گرفتار کر لیے گئے پھر تو یہ بہت نادم ہوا اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹک گیا اور نصرانیوں میں ملعون بنا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام یودس رکریا بوطا تھا، یہ جیسے ہی حضرت عیسیٰ کی پہچان کرانے کے لیے اس گھر میں داخل ہوا، حضرت عیسیٰ تو اٹھا لیے گئے اور خود اس کی صورت حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور اسی کو لوگوں نے پکڑ لیا، یہ ہزار چیختا چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، میں تو تمہارا ساتھی ہوں، میں نے ہی تو تمہیں عیسیٰ کا پتہ دیا تھا لیکن کون سنتا؟ آخر اسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا، اب اللہ ہی کو علم ہے کہ یہی تھا یا وہ تھا، جس کا ذکر پہلے ہوا۔ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ حضرت روح

اللہ کی مشابہت جس پر ڈال دی گئی تھی اسے صلیب پر چڑھایا اور حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں "حضرت عیسیٰ ؑ کی شبیہ آپ کے ان تمام ساتھیوں پر ڈال دی گی تھی۔" اس کے بعد ذکر ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت تک آپ ان کے گواہ ہوں گے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں ایک تو یہ کہ عیسیٰ ؑ موت سے پہلے یعنی جب آپ دجال کو قتل کرنے کے لیے دوبارہ زمین پر آئیں گے اس وقت تمام مذاہب ختم ہو چکے ہوں گے اور صرف ملت اسلامیہ جو دراصل ابراہیم حنیف کی ملت ہے رہ جائے گی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں (موتہ) سے مراد موت عیسیٰ ہے ابو مالکؒ فرماتے ہیں جب جناب مسیح اتریں گے، اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔ ابن عباسؓ سے اور روایت میں ہے خصوصاً یہودی ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی آپ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی حضرت عیسیٰ ؑ اللہ کے پاس اب زندہ موجود ہیں۔ جب آپ زمین پر نازل ہوں گے، اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو آپ پر ایمان نہ لائے۔ آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح (علیہ السلام) کو اپنے پاس اٹھالیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ پر ایمان لائے گا۔ حضرت قتادہؒ، حضرت عبدالرحمٰنؒ وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے اور یہی تفسیر بالکل ٹھیک ہے، انشاء اللہ العظیم اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسے بادلائل ثابت کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے۔ اس لیے کہ موت

کے وقت حق و باطل سب کھل جاتا ہے تو ہر کتابی حضرت عیسیٰ ؑ کی حقانیت کو زمین سے سدھارنے سے پہلے یاد کر لیتا ہے۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کوئی یہودی نہیں مرتا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہ پر ایمان نہ لائے۔ حضرت مجاہدؒ کا یہی قول ہے۔ بلکہ ابن عباس ؓ سے تو یہاں تک مروی ہے کہ اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے تو اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ ؑ پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ کہہ دے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت ابی بن کعب کی تو قرأت میں (قبل موتھم) ہے۔ ابن عباس ؓ سے پوچھا جاتا ہے کہ فرض کرو کوئی دیوار سے گر کر مر جائے؟ فرمایا پھر بھی اس درمیانی فاصلے میں وہ ایمان لا چکتا ہے۔ عکرمہؒ، محمد بن سیرینؒ، محمد ضحاکؒ، سعید بن جبیرؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک قول امام حسنؒ سے ایسا بھی مروی ہے کہ جس کا مطلب پہلے قول کا سا بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عیسیٰ ؑ کی موت سے پہلے کا بھی ہو سکتا ہے۔ [1]

تیسرا قول یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اپنی موت سے پہلے ایمان لائے گا۔ عکرمہؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان سب اقوال میں زیادہ تر صحیح قول پہلا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان سے قیامت کے قریب اتریں گے، اس وقت کوئی اہل کتاب آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا۔

فی الواقع امام صاحب (ابن جریرؒ) کا یہ فیصلہ حق بجانب ہے۔ اس لیے کہ یہاں کی آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود یہودیوں کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنا ہے کہ ہم نے جناب مسیح کو قتل کیا اور سولی دی اور اسی طرح جن جاہل عیسائیوں نے یہ بھی کہا ہے ان کے قول کو بھی باطل کرنا ہے، روح اللہ نہ

۱۔ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ بیروت

مقتول ہیں، نہ مصلوب۔ تو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ فی الواقع نفس الامر میں نہ تو روح اللہ مقتول ہوئے، نہ مصلوب ہوئے بلکہ ان کے لیے شبہ ڈال دیا گیا اور انھوں نے حضرت عیسیٰؑ جیسے ایک شخص کو قتل کیا لیکن خود انھیں اس حقیقت کا علم نہ ہوسکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو اپنے پاس چڑھا لیا۔ وہ زندہ ہیں، اب تک باقی ہیں، قیامت کے قریب اتریں گے۔ جیسے صحیح متواتر احادیث میں ہے مسیح ہر گمراہ کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیروں کو قتل کریں گے، جزیہ قبول نہیں کریں گے، اعلان کردیں گے کہ یا تو اسلام کو قبول کرو یا تلوار سے مقابلہ کرو۔

پس اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کریں گے اور ایک بھی ایسا نہ رہے گا جو اسلام کو مانے بغیر رہ جائے یا رہ سکے۔ پس جسے یہ گمراہ یہود اور یہ جاہل نصرانی مرا ہوا جانتے ہیں اور سولی پر چڑھایا ہوا مانتے ہیں، یہ ان کی حقیقی موت سے پہلے ہی ان پر ایمان لائیں گے اور جو کام انھوں نے ان کی موجودگی میں کئے ہیں اور کریں گے یہ ان پر قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دیں گے یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے قبل زندگی کے مشاہدہ کئے ہوئے کام اور دوبارہ کی آخری زندگی جو زمین پر گذاریں گے، اس میں ان کے سامنے جتنے کام انھوں نے کئے وہ سب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے اور انھیں اللہ کے سامنے انھیں پیش کریں گے۔ ہاں اس کی تفسیر میں جو دو قول اور بیان ہوئے ہیں وہ بھی واقعہ کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہیں۔ موت کا فرشتہ آجانے کے بعد احوال آخرت، سچ جھوٹ کا معائنہ ہوجاتا ہے، اس وقت ہر شخص سچائی کو سچ کہنے اور سمجھنے لگتا ہے لیکن وہ ایمان اللہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اسی سورت کے شروع میں ہے آیت (وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا

الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا)۴۔النسآء:18)اور جگہ فرمان ہے آیت (فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ)۴۰۔ غافر:84)یعنی جولوگ موت کے آجانے تک برائیوں میں مشغول رہے ان کی توبہ قبول نہیں اور جولوگ عذاب رب دیکھ کر ایمان لائیں، انھیں بھی ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ پس ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ پچھلے دو اقوال جن کی امام ابن جریرؒ نے تردید کی ہے وہ ٹھیک نہیں۔ اس لیے کہ امام صاحب فرماتے ہیں اگر پچھلے دونوں قولوں کو اس آیت کی تفسیر میں صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ کسی یہودی یا نصرانی کے اقرباء اس کے وارث نہ ہوں، اس لیے کہ وہ تو حضرت عیسیٰؑ پر اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لا کر مرا اور اس کے وارث یہود و نصاریٰ ہیں، مسلمان کا وارث کافر نہیں ہوسکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب ایمان ایسے وقت لائے کہ اللہ کے نزدیک معتبر ہو، نہ ایسے وقت ایمان لانا جو بالکل بے سود ہے۔ ابن عباسؓ کے قول پر گہری نظر ڈالئے کہ دیوار سے گرتے ہوئے، درندے کے جبڑوں میں، تلوار کے چلتے ہوئے وہ ایمان لاتا ہے تو ایسی حالت کا ایمان مطلق نفع نہیں دے سکتا۔ جیسے قرآن کی مندرجہ بالا دونوں آیتیں ظاہر کر رہی ہیں واللہ اعلم۔ میرے خیال سے تو یہ بات بہت صاف ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے پچھلے دونوں قول بھی معتبر مان لینے سے کوئی اشکال پیش نہیں آتی۔ اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ لیکن ہاں آیت سے واقعی مطلب تو یہ نکلتا ہے جو پہلا قول ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) آسمانوں پر زندہ موجود ہیں، قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور یہودیوں و نصرانیوں دونوں کو جھوٹا بتائیں گے اور جو افراط تفریط انھوں نے کی ہے، اسے باطل قرار دیں گے۔ ایک طرف ملعون جماعت یہودیوں کی ہے، جنہوں نے آپ کو آپ کی عزت سے بہت

گرا دیا اور ایسی ناپاک باتیں آپ کی شان میں کہیں جن سے ایک بھلا انسان نفرت کرے۔ دوسری جانب نصرانی ہیں جنہوں نے آپ کے مرتبے کو اس قدر بڑھایا کہ جو آپ میں نہ تھا اس کے اثبات میں اتنے بڑھے کہ مقام نبوت سے مقام ربوبیت تک پہنچا دیا جس سے اللہ کی ذات بالکل پاک ہے۔ اب ان احادیث کو سنئے جن میں بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) آخر زمانے میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر اتریں گے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف سب کو بلائیں گے۔ صحیح بخاری شریف جسے ساری امت نے قبول کیا ہے اس میں امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ رحمتہ والرضوان کتاب ذکر انبیاء میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے۔ عادل منصف بن کر صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ ہٹا دیں گے۔ مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اسے لینا کوئی منظور نہ کرے گا، ایک سجدہ کر لینا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب تر ہوگا۔ اس حدیث کو بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے بطور شہادت قرآنی کے اسی آیت (وان من) کی آخر تک تلاوت کی۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور سند سے یہی روایت بخاری مسلم میں مروی ہے اس میں ہے کہ سجدہ اس وقت فقط اللہ رب العالمین کے لیے ہی ہوگا۔ اور اس آیت کی تلاوت میں قبل موتہ کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ قبل موت عیسیٰ بن مریمؑ پھر اسے حضرت ابو ہریرہؓ کا تین مرتبہ دوہرانا بھی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عیسیٰؑ حج یا عمرے پر یا دونوں پر لبیک کہیں گے، میدان حج میں، روحاء میں۔ یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے عیسیٰ بن مریمؑ اتریں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹائیں گے، نماز باجماعت ہوگی اور اللہ کی راہ میں مال اس

قدر کثرت سے دیا جائے گا کہ کوئی قبول نہ کرنے والا نہ ملے گا۔ خراج چھوڑ دیں گے، روحاء میں جائیں گے اور وہاں سے حج یا عمرہ کریں گے یا دونوں ایک ساتھ کریں گے۔ پھر ابو ہریرہؓ نے یہی آیت پڑھی لیکن آپ کے شاگرد حضرت حنظلہؒ کا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا "حضرت عیسیٰ کے انتقال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے۔" مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب حدیث کے ہی الفاظ ہیں یا حضرت ابو ہریرہؓ کے اپنے۔

صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہوگا، جب تم میں مسیح بن مریمؑ اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ ابو داؤد، مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا" انبیاء کرام (علیہم السلام) سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں، مائیں جدا جدا اور دین ایک۔ عیسیٰ بن مریمؑ سے زیادہ تر نزدیک میں ہوں اس لیے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں، یقیناً وہ اترنے والے ہیں پس تم انھیں پہچان رکھو۔ درمیان قد ہے، سرخ سفید رنگ ہے۔ وہ دو گیروے رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے اوڑھے اور باندھے ہوں گے، بال خشک ہونے کے باوجود ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ قبول نہ کریں گے، لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے، ان کے زمانے میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی، صرف اسلام ہی اسلام رہے گا، ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو ہلاک کرے گا۔ پھر زمین پر امن ہی امن ہوگا یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ، چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چرتے پھریں گے اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے، انھیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے، چالیس برس تک ٹھہریں گے، پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔" ابن جریرؒ کی اسی روایت میں ہے، آپ لوگوں سے اسلام کے لیے جہاد

کریں گے، اس حدیث کا ایک ٹکڑا بخاری شریف میں بھی ہے اور روایت میں ہے" سب سے زیادہ قریب تر حضرت عیسیٰ ؑ سے دنیا اور آخرت میں میں ہوں۔" صحیح مسلم میں ہے" قیامت قائم نہ ہوگی، جب تک رومی اعماق یا والق میں نہ اتریں اور ان کے مقابلہ کے لیے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ نکلے گا، جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے، جب صفیں بندھ جائیں گی تو رومی کہیں گے تم سے ہم لڑنا نہیں چاہتے، ہم میں سے جو دین بدل کر تم میں ملے ہم ان سے لڑنا چاہتے ہیں تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ لیکن مسلمان کہیں گے واللہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے ان کمزور بھائیوں کو تمہارے حوالے کر دیں۔

چنانچہ لڑائی شروع ہوگی مسلمانوں کے اس لشکر کا تہائی حصہ تو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوگا، ان کی توبہ اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا اور تہائی حصہ شہید ہو جائے گا، جو اللہ کے نزدیک سب سے افضل شہید ہیں لیکن آخری تہائی حصہ فتح حاصل کرے گا اور رومیوں پر غالب آجائے گا، پھر یہ کسی فتنے میں نہ پڑیں گے، قسطنطنیہ کو فتح کریں گے، ابھی تو وہ اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکائے ہوئے مال غنیمت تقسیم کر ہی رہے ہوں گے کہ شیطان چیخ کر کہے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آ گیا، اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے، شام میں پہنچیں گے، دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لیے صفیں ٹھیک کر رہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہوگی اور حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ نازل ہوں گے، ان کی امامت کرائیں گے، جب دشمن رب انھیں دیکھے گا تو اسی طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے، اگر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اسے یونہی چھوڑ دیں، جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے حربے پر اس

کا خون لوگوں کو دکھائیں گے۔ [1]

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) سے ملاقات کی، آپس میں قیامت کی نسبت بات چیت ہونے لگی، ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، اس طرح موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی، لیکن حضرت عیسیٰ ؑ نے فرمایا اس کے آنے کا ٹھیک وقت تو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا، ہاں مجھ سے میرے رب نے جو عہد لیا ہے وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا اس کے ہمراہ دو شاخیں ہوں گی، مجھے دیکھ کر اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے، یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے پیچھے ایک کافر ہے اور اسے قتل کر لیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو غارت کر دے گا اور لوگ امن وامان کے ساتھ اپنے اپنے وطن اور شہروں کو لوٹ جائیں گے، اب یاجوج ماجوج نکلیں گے، ہر طرف سے چڑھ دوڑیں گے، تمام شہروں کو روندیں گے، جس جس چیز پر گذر ہوگا اسے ہلاک کر دیں گے، جس پانی کے پاس سے گذریں گے پی جائیں گے، لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئیں گے، میں اللہ سے دعا کروں گا، اللہ ان سب کو ایک ساتھ فنا کر دے گا لیکن ان کے مردہ جسموں سے ہوا بگڑ جائے گی، بدبو پھیل جائے گی، پھر مینہ برسے گا اور اس قدر کہ ان کی تمام لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا۔ بس اس وقت قیامت کی اس طرح آمد آمد ہوگی۔ جس طرح پورے دن کی حاملہ عورت ہو کہ اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ صبح کو بچہ ہو جائے یا شام کو، رات کو پیدا ہو یا دن کو؟" مسند احمد میں ہے حضرت ابو نضرہ ؒ فرماتے ہیں ہم حضرت عثمان بن ابوالعاص ؓ کے پاس جمعہ والے دن آئے کہ ہم اپنا لکھا ہوا قرآن

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری، مطبوعہ بیروت

ان کے قرآن سے ملائیں، جب جمعہ کا وقت آیا تو آپ نے ہم سے فرمایا "غسل کرلو" پھر خوشبو لے آئے جو ہم نے ملی، پھر ہم مسجد میں آئے اور ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے۔ جنہوں نے ہم سے دجال والی حدیث بیان کی پھر حضرت عثمان بن ابوالعاص ؓ آئے، ہم کھڑے ہو گئے، پھر سب بیٹھ گئے، آپ ؓ نے فرمایا" میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا ہے کہ مسلمان تین شہر میں جائیں گے، ایک دونوں سمندر کے ملنے کی جگہ پر، دوسرا حیرہ میں اور تیسرا شام میں، پھر تین گھبراہٹیں لوگوں کو ہوں گی، پھر دجال نکلے گا، یہ پہلے شہر کی طرف جائے گا، وہاں کے لوگ تین حصوں میں بٹ جائیں گے، ایک حصہ تو کہے گا ہم اس کے مقابلہ پر ٹھہرے رہیں گے اور دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے؟ دوسری جماعت گاؤں کے لوگوں میں مل جائے گی اور تیسری جماعت دوسرے شہر میں چلی جائے گی جو ان سے قریب ہوگا، دجال کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے، جن کے سروں پر تاج ہوں گے، ان کی اکثریت یہودیوں کی اور عورتوں کی ہوگی، یہاں کے یہ مسلمان ایک گھاٹی میں سمٹ کر محصور ہو جائیں گے، ان کے جانور جو چرنے چگنے کو گئے ہوں گے، وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے، اس سے ان کے مصائب بہت بڑھ جائیں گے اور بھوک کے مارے برا حال ہو جائے گا، یہاں تک کہ اپنی کمانوں کی تانیں سینک سینک کر کھالیں گے، جب سخت تنگی کا عالم ہوگا تو انھیں سمندر میں سے آواز آئے گی کہ لوگو تمہاری مدد آ گئی، اس آواز کو سن کر یہ لوگ خوش ہوں گے۔

کیونکہ آواز سے جان لیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز ہے، عین صبح کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے، ان کا امیر آپ سے کہے گا کہ اے روح اللہ آگے بڑھئے اور نماز پڑھایئے لیکن آپ کہیں گے کہ اس امت کے بعض بعض کے امیر ہیں، چنانچہ انہی کا امیر آگے بڑھے گا

اور نماز پڑھائے گا، نماز سے فارغ ہو کر اپنا حربہ ہاتھ میں لے کر مسیح دجال کا رخ کریں گے، دجال آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا، آپ اس کے سینہ پر وار کریں گے جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے، لیکن انھیں کہیں امن نہیں ملے گا، یہاں تک کہ اگر وہ کسی درخت تلے چھپیں گے تو وہ درخت پکار کر کہے گا کہ اے مومن یہ ایک کافر میرے پاس چھپا ہوا ہے اور اسی طرح پتھر بھی۔" ابن ماجہ میں ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے ایک خطبہ کا کم و بیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا، جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں، تمام انبیاءؑ اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں، میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو، وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا، اگر میری موجودگی میں آ گیا تو میں آپ اس سے نمٹ لوں گا اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو اپنے آپ کو اس سے بچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کو ہر مسلمان کا خلیفہ بناتا ہوں۔ وہ شام و عراق کے درمیان نکلے گا، دائیں بائیں خوب گھومے گا، لوگو اے اللہ کے بندو! دیکھو دیکھو تم ثابت قدم رہنا، سنو میں تمہیں اس کی ایسی صفت بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی۔ وہ ابتداء میں دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں، پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور کہے گا میں اللہ ہوں، پس تم یاد رکھنا کہ اللہ کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا، ہاں مرنے کے بعد دیدار باری تعالیٰ ہو سکتا ہے اور سنو وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں، اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہوگا جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ غرض ہر ایمان دار پڑھ لے گا۔ اس کے ساتھ آگ ہوگی اور باغ ہوگا اس کی آگ دراصل جنت ہوگی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہوگا، سنو تم میں سے جسے وہ آگ میں ڈالے، وہ اللہ سے

فریاد رسی چاہے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے، اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی جیسے کہ خلیل اللہ پر نمرود کی آگ ہوگئی، اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کردوں تو تو مجھے رب مان لے گا وہ اقرار کرے گا، اتنے میں دو شیطان اس کی ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور ان سے کہیں گے بیٹے یہی تیرا رب ہے تو اسے مان لے، اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کردیا جائے گا اسے آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کروادے گا، پھر لوگوں سے کہے گا میرے اس بندے کو دیکھنا اب میں اسے زندہ کردوں گا، لیکن پھر بھی یہی کہے گا کہ اس کا رب میرے سوا اور ہے، چنانچہ یہ اسے اٹھا بیٹھائے گا اور یہ خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دے گا میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے۔ اللہ کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی بہت زیادہ یقین ہوگیا۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا" یہ مومن میری تمام امت سے زیادہ بلند درجہ کا جنتی ہوگا۔" حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں اس حدیث کو سن کر ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص حضرت عمر بن خطابؓ ہی ہوں گے آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا، حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا اور آسمان سے بارش ہوگی، وہ زمین کو پیداوار اگانے کا حکم دے گا اور زمین سے پیداوار نکلے گی، اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قبیلے کے پاس جائے گا وہ اسے نہ مانیں گے، اسی وقت ان کی تمام چیزیں برباد اور ہلاک ہوجائیں گی، ایک اور قبیلے کے پاس جائے گا جو اسے خدا مان لے گا، اسی وقت اس کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برسے گی اور زمین پھل اور کھیتی اگائے گی، ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہوجائیں گے۔

سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام کا گشت کرے گا، ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام زمین کا گشت کرے گا، جب مدینہ کا رخ کرے گا تو یہاں ہر ہر راہ پر فرشتوں کو کھلی تلواریں لیے ہوئے پائے گا تو ضریب کی انتہائی حد پر ضریب احمر کے پاس ٹھہر جائے گا، پھر مدینے میں تین بھونچال آئیں گے، اس وجہ سے جتنے منافق مرد اور جس قدر منافقہ عورتیں ہوں گی۔

سب مدینہ سے نکل کر اس کے لشکر میں مل جائیں گے اور مدینہ ان گندے لوگوں کو اس طرح اپنے میں سے دور پھینک دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو لاگ کر دیتی ہے، اس دن کا نام یوم الخلاص ہوگا۔" ام شریک ؓ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا اولاً تو ہوں گے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہوگی، ان کا امام پچھلے پیروں پیچھے ہٹے گا تا کہ آپ آگے بڑھ کر امامت کرائیں لیکن آپ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ، اقامت تمہارے لیے کی گئی ہے پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا، فارغ ہو کر آپ فرمائیں گے، دروازہ کھول دو، پس کھول دیا جائے گا، ادھر دجال ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لیے ہوئے موجود ہوگا، جن کے سر پر تاج اور جن کی تلواروں پر سونا ہوگا، دجال آپ کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دے گا لیکن آپ فرمائیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے تو اسے ٹال نہیں سکتا۔ چنانچہ آپ اسے مشرقی باب لد کے پاس پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کریں گے، اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن انھیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی، ہر پتھر ہر

درخت ہر دیوار اور ہر جانور بولتا ہوگا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے، آ اسے مار ڈال، ہاں ببول (غرقد) کا درخت یہودیوں کا درخت ہے یہ نہیں بولے گا۔" حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں اس کا رہنا چالیس سال تک ہوگا، سال آدھے سال کے برابر اور سال مہینہ بھر جیسا اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔

صبح ہی ایک شخص شہر کے ایک دروازے سے چلے گا، ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا تو شام ہوجائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ پھر ان چھوٹے دنوں میں ہم نماز کیسے پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا اندازہ کرلیا کرو جیسے ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں پس عیسیٰ بن مریمؑ میری امت میں حاکم ہوں گے، عادل ہوں گے، امام ہوں گے، باانصاف ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو ہٹادیں گے صدقہ چھوڑ دیا جائے گا پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی، حسد اور بغض بالکل جاتا رہے گا، ہر زہریلے جانور کا زہر ہٹا دیا جائے گا، بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے لیکن وہ انھیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا، شیروں سے لڑکے کھیلیں گے نقصان کچھ نہ ہوگا، بھیڑئے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھریں گے جیسے رکھوالا کتا ہو تمام زمین اسلام اور اصلاح سے اس طرح بھر جائے گی جیسے کوئی برتن پانی سے لبالب بھرا ہوا ہو، سب کا کلمہ ایک ہوجائے گا، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی، لڑائی اور جنگ بالکل موقف ہوجائے گی، قریش اپنا ملک سلب کرلیں گے، زمین مثل سفید چاندی کے منور ہوجائے گی اور جیسی برکتیں زمانہ آدم میں تھیں لوٹ آئیں گی، ایک جماعت کو ایک انگور کا خوشہ پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہوگا، ایک انار اتنا ہوگا کہ ایک جماعت کھائی اور سیر ہوجائے بیل اتنی اتنی قیمت پر ملے گا اور

گھوڑا چند درہموں پر ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا اس کی قیمت گر جانے کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لیے کہ لڑائیوں میں اس کی سواری بالکل نہ لی جائے گی۔ دریافت کیا گیا بیل کی قیمت بڑھ جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لیے کہ تمام زمین پر کھیتیاں ہونی شروع ہو جائیں گی۔ دجال کے آنے سے تین سال پیشتر سے سخت قحط سالی ہوگی، پہلے سال بارش کا تیسرا حصہ بحکم الٰہی روک لیا جائے گا اور زمین کی پیداوار کا بھی تیسرا حصہ کم ہو جائے گا، پھر دوسرے سال اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش کی دو تہائیاں روک لے اور یہی حکم زمین کو اپنی پیداوار کی دو تہائیاں کم کر دے۔

تیسرے سال آسمان سے بارش کا ایک قطرہ نہ برسے گا، نہ زمین سے کوئی روئیدگی پیدا ہوگی، تمام جانور اس قحط سے ہلاک ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اس وقت لوگ زندہ کیسے رہ جائیں گے، آپ نے فرمایا" ان کی غذا کے قائم مقام اس وقت ان کا لا الہ الا اللہ کہنا اور اللہ اکبر کہنا اور سبحان اللہ کہنا اور الحمد اللہ کہنا ہوگا۔" امام ابن ماجہؒ فرماتے ہیں میرے استاد نے اپنے استاد سے سنا وہ فرماتے تھے۔ یہ حدیث اس قابل ہے کہ بچوں کے استاد اسے بچوں کو بھی سکھا دیں بلکہ لکھوائیں تا کہ انھیں بھی یاد رہے یہ حدیث اس سند سے ہے تو غریب لیکن اس کے بعض حصوں کی شواہد دوسری حدیثیں ہیں۔ اسی حدیث جیسی ایک حدیث نواس بن سمعانؓ سے مروی ہے اسے بھی ہم یہاں ذکر کرتے ہیں" صحیح مسلم شریف میں ہے ایک دن صبح کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دجال کا ذکر کیا اور اس طرح اسے واضح بیان فرمایا کیا کہ ہم سمجھے، کہیں مدینہ کے نخلستان میں وہ موجود نہ ہو پھر جب ہم لوٹ کر آپ کی طرف آئے تو ہمارے چہروں سے آپ نے جان لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ہم نے دل کی بات کہہ دی تو آپ نے فرمایا! دجال کے علاوہ مجھے تو تم سے اس سے بھی بڑا خوف ہے، اگر وہ

میری موجودگی میں نکلا تو میں آپ اس سے بھگت لوں گا اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اس سے آپ بھگت لے گا، میں اپنا خلیفہ ہر مسلمان پر اللہ کو بناتا ہوں، وہ جوان ہوگا، آنکھ اس کی ابھری ہوئی ہوگی، بس یوں سمجھ لو کہ عبدالعزیٰ بن قطن جیسا ہوگا، تم میں جو اسے دیکھے اسے چاہیے کہ سورہ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھے۔ وہ شام وعراق کے درمیانی گوشے سے نکلے گا اور دائیں بائیں گشت کرے گا، اے اللہ کے بندو! خوب ثابت قدم رہنا، ہم نے پوچھا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ رہے گا کتنی مدت؟ آپ نے فرمایا چالیس دن، ایک دن سال کے برابر، ایک دن ایک مہینے کے برابر، ایک دن جمعہ کے برابر اور باقی دن تمہارے معمولی دنوں جیسے، پھر ہم نے دریافت کیا کہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا، کیا اس میں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کرلو اور نماز ادا کرلو، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اس کی رفتار کی سرعت کیسی ہوگی؟ فرمایا ایسی جیسے بادل ہواؤں سے بھاگتے ہیں۔ ایک قوم کو اپنی طرف بلائے گا وہ مان لیں گے تو آسمان سے ان پر بارش برسے گی، زمین سے کھیتی اور پھل اگیں گے، ان کے جانور تروتازہ اور زیادہ دودھ والے ہوجائیں گے، ایک قوم کے پاس جائے گا جو اسے جھٹلائے گی اور اس کا انکار کردے گی، یہ وہاں سے لوٹے گا تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا وہ بنجر زمین پر کھڑے ہوکر حکم دے گا کہ اے زمین کے خزانو نکل آؤ تو وہ سب نکل آئیں گے اور شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے۔ یہ ایک نوجوان کو بلائے گا اور اسے قتل کرے گا اس کے ٹھیک دو ٹکڑے کرکے اتنی اتنی دور ڈال دے گا جو کسی تیر کی کمان سے نکلے ہوئے ہو، پھر اسے آواز دے گا تو وہ زندہ ہوکر ہنستا ہوا اس کے پاس آجائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم (علیہ السلام) کو بھیجے گا اور وہ دمشق کے سفید شرقی مینارے کے پاس دو چادریں اوڑھے دو فرشتوں

کے پروں پر بازو رکھے ہوئے اتریں گے، جب سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب اٹھائیں گے تو مثل موتیوں کے وہ قطرے لڑھکیں گے، جس کافر تک ان کا سانس پہنچ جائے وہ مر جائے گا اور آپ کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے، آپ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد کے پاس اسے پا کر قتل کریں گے، پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے، جنہیں اللہ نے اسے فتنے سے بچایا ہوگا، ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت کے درجنوں کی انھیں خبر دیں گے، اب اللہ کی طرف سے حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس وحی آئے گی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تم میرے ان خاص بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ، پھر یاجوج، ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر طرف سے کودتے پھاندتے آجائیں گے، بحیرہ طبریہ پر ان کا پہلا گروہ آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا، جب ان کے بعد ہی دوسرا گروہ آئے گا تو وہ اسے ایسا سوکھا ہوا پائے گا کہ وہ کہیں گے شاید یہاں کبھی پانی نہیں ہوگا؟ حضرت عیسیٰ ؑ اور آپ کے ساتھی مومن وہاں اس قدر محصور رہیں گے کہ ایک بیل کا سر انہیں اس سے بھی اچھا لگے جیسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوب ہیں، اب آپ اور مومن اللہ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے، اللہ ان پر گردن کی گلٹی کی بیماری بھیج دے گا، جس میں سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم میں فنا ہو جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ ؑ اور آپ کے ساتھی زمین پر اتریں گے مگر زمین پر بالشت بھر بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں سے اور بدبو سے خالی ہو، پھر اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے تو بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ایک قسم کے پرند اللہ تعالیٰ بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے ڈال آئیں گے، پھر بارش ہوگی، جس سے تمام زمین دھل دھلا کر ہتھیلی جیسی صاف ہو جائے گی، پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل نکال اور اپنی برکتیں لوٹا، اس دن ایک انار ایک

جماعت کو کافی ہوگا اور وہ سب اس کے چھلکے تلے آرام حاصل کر سکیں گے، ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے سے نہیں پیا جائے گا، پھر پروردگار عالم ایک لطیف اور پاکیزہ ہوا چلائے گا جو تمام ایماندار مردوں عورتوں کی بغل تلے سے نکل جائے گی اور ساتھ ہی ان کی روح بھی پرواز کر جائے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح دھینگا مشتی میں مشغول ہو جائیں گے ان پر قیامت قائم ہوگی۔ مسند احمد میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے اسے ہم سورہ انبیاء کی آیت (حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ مِّنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ)21۔الانبیآء:96) کی تفسیر میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے جو مجھے پہنچی ہے کہ آپ فرماتے ہیں قیامت یہاں یہاں تک آجائے گی آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہہ کر فرمایا میرا تو اب جی چاہتا ہے کہ تمہیں اب کوئی حدیث ہی نہ سناؤں، میں نے تو یہ کہا تھا کہ کچھ زمانے کے بعد تم بڑے بڑے امر دیکھو گے، بیت اللہ جلا دیا جائے گا اور یہ ہوگا وہ ہوگا وغیرہ۔ پھر فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے کہ دجال نکلے گا اور میری امت میں چالیس تک ٹھہرے گا، مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجے گا، آپ کی صورت مثل حضرت عروہ بن مسعودؓ کے ہے۔ آپ اسے تلاش کر کے قتل کریں گے پھر سات سال تک لوگ اسی طرح رہیں گے کہ وہ بھی کچھ عداوت ہوگی، پھر ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے چلے گی اور سب ایمان والوں کو فوت کر دے گی، جس کے دل میں ایک ذرے برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا اگرچہ وہ کسی پہاڑ کے غار میں ہو وہ بھی فوت ہو جائے گا، پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور

درندوں جیسے دماغوں والے ہوں گے، اچھائی برائی کی کوئی تمیز ان میں نہ ہوگی، شیطان ان کے پاس انسانی صورت میں آ کر انھیں بت پرستی کی طرف مائل کرے گا لیکن ان کی اس حالت میں بھی ان کی روزی کے ددوازے ان پر کھلے ہوں گے اور زندگی بہ آرام گذر رہی ہوگی، پھر صور پھونکا جائے گا، جس سے لوگ گرنے مرنے لگیں گے، ایک شخص جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے ان کا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا، سب سے پہلے صور کی آواز اس کے کان میں پڑے گی، جس سے یہ اور تمام اور لوگ بیہوش ہوجائیں گے۔ غرض سب کچھ فنا ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ مینہ برسائے گا، جو مثل شبنم کے یا مثل سائے کے ہوگا، اس سے دوبارہ جسم پیدا ہوں گے۔

پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا، سب کے سب جی اٹھیں گے، پھر کہا جائے گا لوگو اپنے رب کی طرف چلو، انھیں ٹھہرا کر ان سے سوال کیا جائے گا پھر فرمایا جائے گا جہنم کا حصہ نکالو، پوچھا جائے گا کتنوں سے کتنے ؟ جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے، یہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور یہی دن ہے جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔ مسند احمد میں ہے ابن مریمؑ باب لد کے پاس یا لد کی جانب مسیح دجال کو قتل کریں گے۔ ترمذی میں باب لد ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے بعد امام ترمذیؒ نے چند اور صحابہؓ کے نام بھی لیے ہیں کہ ان سے بھی اس باب کی حدیثیں مروی ہیں تو اس سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن میں دجال کا مسیح علیہا لسلام کے ہاتھ سے قتل ہونا مذکور ہے۔ صرف دجال کے ذکر کی حدیثیں تو بیشمار ہیں، جنہیں جمع کرنا سخت دشوار ہے۔ مسند میں ہے کہ عرفے سے آتے ہوئے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے صحابہؓ کے ایک مجمع کے پاس سے گذرے اس وقت وہاں قیامت کے ذکر افکار ہو رہے تھے تو آپ نے فرمایا جب تک دس باتیں نہ ہولیں، قیامت قائم نہ ہوگی، آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا،

دھوئیں کا آنا، دابتہ الارض کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا آنا، عیسیٰ بن مریمؑ کا نازل ہونا، دجال کا آنا، تین جگہ زمین کا دھنس جانا، شرق میں، غرب میں اور جزیرہ عرب میں اور عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر ایک جگہ کر دے گی وہ شب باشی بھی انہی کے ساتھ کریں گے اور جب دوپہر کو وہ آرام کریں گے یہ آگ ان کے ساتھ ٹھہری رہے گی۔ یہ حدیث مسلم اور سنن میں بھی ہے اور حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ سے موقوفاً یہی مروی ہے واللہ اعلم۔

پس آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ متواتر حدیثیں جو حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عثمان بن ابو العاصؓ، حضرت ابو امامہؓ، حضرت نواس بن سمعانؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نازل ہوں گے، ساتھ ہی ان میں یہ بھی بیان ہے کہ کس طرح اتریں گے اور کہاں اتریں گے اور کس وقت اتریں گے؟ یعنی صبح کی نماز کی اقامت کے وقت شام کے شہر دمشق کے شرقی مینارہ پر آپ اتریں گے۔ اس زمانہ میں یعنی سن سات سو اکتالیس میں جامع اموی کا مینارہ سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے، اس لیے کہ آگ کے شعلہ سے یہ جل گیا ہے آگ لگانے والے غالباً ملعون عیسائی تھے کیا عجب کہ یہی وہ مینارہ ہو جس پر مسیح بن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے، صلیبوں کو توڑ دیں گے، جزیئے کو ہٹا دیں گے اور سوائے دین اسلام کے اور کوئی دین قبول نہ فرمائیں گے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیثیں گذر چکیں، جن میں پیغمبر صادق و مصدق (علیہ السلام) نے یہ خبر دی ہے اور اسے ثابت بتایا ہے۔ یہ وہ وقت ہوگا جبکہ تمام شک شبے ہٹ جائیں گے، اور لوگ حضرت عیسیٰؑ کی پیروی کے ماتحت اسلام قبول کر لیں گے۔ جیسے اس آیت میں ہے اور جیسے فرمان ہے آیت (وانہ لعلم للساعۃ) اور ایک قرأت میں (لعلم) ہے۔ یعنی جناب مسیح قیامت کا ایک

زبردست نشان ہے، یعنی قرب قیامت کا اس لیے کہ آپ دجال کے آچکنے کے بعد تشریف لائیں گے اور اسے قتل کریں گے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کا علاج نہ مہیا کیا ہو، آپ ہی کے وقت میں یاجوج ماجوج نکلیں گے، جنہیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ہلاک کرے گا۔ قرآن کریم ان کے نکلنے کی خبر بھی دیتا ہے، فرمان ہے آیت (حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ) 21۔الانبیآء:96) یعنی ان کا نکلنا بھی قرب قیامت کی دلیل ہے۔

اب حضرت عیسیٰ ؑ کی صفتیں ملاحظہ ہوں۔ پہلے کی دو احادیث میں بھی آپ کی صفت گذر چکی ہے، بخاری مسلم میں ہے کہ لیلۃ المعراج میں میں نے حضرت موسیٰ ؑ سے ملاقات کی وہ درمیانہ قد صاف بالوں والے ہیں، جیسی شنوہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ ؑ سے بھی ملاقات کی، وہ سرخ رنگ میانہ قد ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں، حضرت ابراہیم ؑ کو بھی میں نے دیکھا بس وہ بالکل مجھ جیسے تھے۔ بخاری کی اور روایت میں ہے "حضرت عیسیٰ ؑ سرخ رنگ، گھنگریالے بالوں والے، چوڑے چکلے سینے والے تھے، حضرت موسیٰ ؑ گندمی رنگ کے جسم اور سیدھے بالوں والے تھے، جیسے زط کے لوگ ہوتے ہیں، اسی طرح آپ نے دجال کی شکل وصورت بھی بیان فرمادی ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی، جیسے پھولا ہوا انگور، آپ فرماتے ہیں مجھے کعبہ کے پاس خواب میں دکھلایا گیا کہ ایک بہت گندمی رنگ والے آدمی جن کے سر کے پٹھے دونوں کندھوں تک تھے، صاف بالوں والے جن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے طواف کر رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ مسیح بن مریم ؑ ہیں، میں نے ان کے پیچھے ہی ایک شخص کو

دیکھا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی، ابن قطن سے بہت ملتا جلتا تھا، سخت الجھے ہوئے بال تھے، وہ بھی دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے، میں نے کہا یہ کون یہ؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔ بخاری کی اور روایت میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عیسیٰؑ کو سرخ رنگ نہیں بتایا بلکہ آپ نے گندمی رنگ بتایا ہے، پھر اوپر والی پوری حدیث ہے۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں ابن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا، جو جاہلیت میں مر چکا تھا۔ وہ حدیث بھی گذر چکی جس میں یہ بیان ہے کہ جناب مسیح (علیہ السلام) اپنے نزول کے بعد چالیس سال یہاں رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔ ہاں مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ یہاں سال ہا سال رہیں گے، تو ممکن ہے کہ چالیس سال کا فرمان اس مدت سمیت کا ہو جو آپ نے دنیا میں اپنے آسمانوں پر اٹھائے جانے پہلے گذاری ہے۔ جس وقت آپ اٹھائے گئے اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال کی تھی اور سات سال اب آخر زمانے کے تو پورے چالیس سال ہو گئے۔ واللہ اعلم (ابن عساکرؒ) بعض کا قول ہے کہ جب آپ آسمانوں پر چڑھائے گئے اس وقت آپ کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی، یہ بالکل فضول سا قول ہے، ہاں حافظ ابوالقاسمؒ نے اپنی تاریخ میں بعض سلف سے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حجرے میں آپ کے ساتھ دفن کئے جائیں گے واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے یعنی اس بات کے کہ اللہ کی رسالت آپ نے انھیں پہنچا دی تھی اور خود آپ نے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا تھا، جیسے سورہ مائدہ کے آخر میں آیت (واذ قال اللہ) سے (الحکیم) تک ہے یعنی آپ کی گواہی کا وہاں ذکر ہے اور اللہ کے سوال کا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے۔ (النساء: ۱۵۹)

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نزول کا بیان

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "قبل موتہ" کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں' ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف راجع ہے۔ پہلی صورت میں اس آیت کا معنی ہوگا: اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے ضرور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے گا' حضرت ابن عباسؓ کا یہ مختار ہے' امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: علی بن ابی طلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان نہ لے آئے۔ [1]

عکرمہؒ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہودی محل کے اوپر سے گرے تو وہ زمین پر پہنچنے سے پہلے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے گا۔ سدیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ہر یہودی اور نصرانی اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ پر ایمان لے آئے گا' ان پر ان کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا جو شخص ڈوب رہا ہو' یا آگ میں جل رہا ہو' یا اس پر اچانک دیوار گر جائے یا اس کو درندہ کھا جائے وہ مرنے سے پہلے کیسے ایمان لائے گا' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کے جسم سے اس کی روح اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر

۱۔ (جامع البیان جز ۶ ص ۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایمان نہ لائے۔ [1]

یہ تفسیر مرجوع ہے کیونکہ جو یہودی یا نصرانی لڑائی میں اچانک دشمن کے حملہ سے مرجاتا ہے یا خودکشی کرلیتا ہے یا وہ کسی بھی حادثہ میں اچانک مرجاتا ہے اس کو کب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لانے کا موقع ملے گا' اور راجح دوسری تفسیر ہے جس میں یہ ضمیر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف راجع ہے' امام ابن جریرؒ نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے اور اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) قیامت سے پہلے آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے' واضح رہے کہ مرزائی پہلی تفسیر کو راجح قرار دیتے ہیں تاکہ نزول مسیح نہ ثابت ہو' بہرنوع اس صورت میں معنی یہ ہے: اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص عیسیٰؑ کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لے آئے گا۔

امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی موت سے پہلے۔ ابو مالکؒ نے اس کی تفسیر میں کہا جب حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا زمین پر نزول ہوگا تو اہل کتاب میں سے ہر شخص ان پر ایمان لے آئے گا۔ حسنؒ نے اس کی تفسیر میں کہا حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے' بہ خدا وہ اب بھی زندہ ہیں لیکن جب وہ زمین پر نازل ہوں گے تو ان پر سب ایمان لے آئیں گے۔ ابن زیدؒ نے کہا جب عیسیٰ بن مریمؑ نازل ہوں گے تو دجال کو قتل کردیں گے اور روئے زمین کا ہر یہودی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے گا۔ [2]

۱۔ (جامع البیان جز ٦ ص ٢٨۔٢٧' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

۲۔ (جامع البیان جز ٦ ص ٢٦۔٢٥' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نزول کی حکمتیں

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو آسمان سے نازل کرنے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں:

(۱) یہود کے اس زعم اور دعوی کا رد کرنا کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا ہے' اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو نازل کر کے ان کے جھوٹ کو ظاہر فرما دے گا۔

(۲) جب ان کی مدت پوری ہونے کے قریب ہوگی تو زمین پر ان کو نازل کیا جائے گا تا کہ ان کو زمین میں دفن کیا جائے کیونکہ جو مٹی سے بنایا گیا ہو اس میں یہ اصل ہے کی اس کو مٹی میں دفن کیا جائے۔

(۳) جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفات اور آپ کی امت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ آپ کو ان میں سے کر دے' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو باقی رکھا حتی کہ آپ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے' احکام اسلام کی تجدید کریں گے اور آپ کا نزول دجال کے خروج کے زمانہ کے موافق ہوگا سو آپ اس کو قتل کریں گے۔

(٤) حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نزول سے نصاری کے جھوٹے دعوؤں کا رد ہوگا جو وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق کر رہے ہیں وہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ کہ یہودیوں نے ان کو سولی دی اور وہ مرنے کے تین دن بعد زندہ ہو گئے۔

(٥) نیز حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آنے کی بشارت دی تھی اور مخلوق کو آپ کی تصدیق اور اتباع کی دعوت دی تھی اس لیے خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو نازل فرمایا۔

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ ﴾

"تو جو لوگ یہودی ہوئے ان کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ پاک چیزیں حرام کر دیں، جو ان کے لیے حلال کی گئی تھیں، اور ان کے اللہ کے راستے سے بہت زیادہ لوگوں کو روکنے کی وجہ سے۔(۱۶۰) اور بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ انھیں اس سے روکا گیا تھا اور بوجہ اس کے کہ وہ لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھاتے تھے اور ہم نے ان جیسے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (۱۶۱)۔

ربط آیات:

گزشتہ آیات میں یہود کی شرارتوں کا اور ان شرارتوں کی وجہ سے ان کی سزا کا ذکر تھا، ان آیات میں بھی ان کی کچھ اور قباحتوں کا بیان ہے اور سزا کی ایک اور نعمت کا بھی ذکر ہے، وہ یہ کہ قیامت میں تو انھیں عذاب ہوگا ہی، اس دنیا میں بھی ان کی گمراہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سی پاکیزہ چیزیں جو پہلے سے حلال تھیں

بطور سزا کے ان پر حرام کر دی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیوں کے ظلم اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اس نے ان کے لیے بہت سی ایسی پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام قرار دے دیا تھا، جسے ان کے لیے پہلے حلال قرار دیا تھا، یہ حرمت قدری بھی ہوسکتی ہے، یعنی اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ انھوں نے اپنی کتاب کی تاویل کی اور احکام الٰہی کو بدل کر بہت سی حلال چیزوں کو اپنے اوپر تشدد، سختی اور تنگی کے باعث حرام قرار دے لیا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس حرمت سے مراد شرعی حرمت ہو اور اس کے معنی یہ ہوں کہ بہت سی چیزیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں، اللہ نے توراۃ میں انھیں ان کے لیے حرام قرار دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے، سود کھاتے تھے اور لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھا جایا کرتے تھے۔ ان جرموں کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ : ارشاد فرمایا: (وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ)[الانعام: 146] اور ان لوگوں پر جو یہودی بن گئے، ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائیوں اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر دونوں کی چربیاں حرام کر دیں، سوائے اس کے جو ان کی پشتیں یا انتڑیاں اٹھائے ہوئے ہوں، یا جو کسی ہڈی کے ساتھ ملی ہو۔ یہ ہم نے انھیں ان کی سرکشی کی جزا دی اور بلاشبہ ہم یقیناً سچے ہیں۔ اور فرمایا: (كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ)[آل عمران: 93] کھانے کی ہر چیز

بنی اسرائیل کے لیے حلال تھی مگر جو اسرائیل نے اپنے آپ پر حرام کر لی، اس سے پہلے کہ توراۃ اتاری جائے۔

سعید بن منصور وابن المنذر وابن ابی حاتم ؒ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت "طیبت کانت احلت لہم" پڑھا، (یعنی احلت لہم سے پہلے کانت پڑھا)۔

عبد بن حمید وابن المنذر ؒ نے قتادہ ؒ سے روایت کیا لفظ آیت "فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیہم طیبت احلت لہم" سے مراد ہے کہ قوم یہود کو سزا دی جائے گی اس ظلم کے بدلے میں جو انھوں نے ظلم کیا اور اس بغاوت کے بدلے میں جو انھوں نے بغاوت کی ان پر کچھ اشیاء حرام کر دی گئیں ان کی سرکشی اور ان کے ظلم کی وجہ سے۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر ؒ نے مجاہد ؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وبصدہم عن سبیل اللہ کثیرا" یعنی اپنے آپ کو اور دوسروں کو حق سے روکنا۔

یہودیوں کے خود ساختہ حلال وحرام

اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ حرام کام ان کا مقدر تھا یعنی اللہ کی طرف سے لکھا جا چکا تھا کہ یہ لوگ اپنی کتاب کو بدل دیں، اس میں تحریف کر لیں اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیں، صرف اپنے تشدد اور اپنی سخت گیری کی وجہ سے، دوسرا یہ کہ یہ حرمت شرعی ہے یعنی نزول توراۃ سے پہلے جو بعض چیزیں ان پر حلال تھیں، توراۃ کے اترنے کے وقت ان کی بعض بدکاریوں کی وجہ سے وہ حرام قرار دے دی گئیں جیسے فرمان ہے آیت (كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَاءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَاءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَآ إِن

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ)3۔آل عمران:93) یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ جو حضرت اسرائیلؑ نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، اس کے سوا تمام طعام بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے پھر توراۃ میں ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں، جیسے سورہ انعام میں فرمایا آیت (وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ)16۔النحل:118) یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن دار جانور حرام کردیا اور گائے بکری کی چربی بھی جو الگ تھلگ ہو، ہم نے ان پر حرام قرار دے دی، یہ اس لیے کہ یہ باغی، طاغی، مخالف رسول اور اختلاف کرنے والے لوگ تھے پہلے یہاں بھی یہی بیان ہورہا ہے کہ ان کے ظلم وزیادتی کے سبب وہ خود اللہ کے راستہ سے الگ ہوکر اور دوسروں کو بھی بہکانے کے باعث (جو ان کی پرانی عادت تھی) رسولوں کے دشمن بن جاتے تھے۔انھیں قتل کرڈالتے تھے، انھیں جھٹلاتے تھے، ان کا مقابلہ کرتے تھے اور طرح طرح کے حیلے کرکے سود خوری کرتے تھے جو محض حرام تھی اور بھی جس طرح بن پڑتا لوگوں کے مال غصب کرنے کی تاک میں لگے رہتے اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ اللہ نے یہ کام حرام کئے ہیں جرات سے انھیں کرگذرے تھے، اس وجہ سے ان پر بعض حلال چیزیں بھی ہم نے حرام کردیں، ان کفار کے لیے دردناک عذاب تیار ہیں۔ان میں جو سچے دین والے اور پختہ علم والے ہیں، اس جملے کی تفسیر سورہ آل عمران میں گذر چکی ہے اور جو باایمان ہیں وہ تو قرآن کو اور تمام پہلی کتابوں کو مانتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت ثعلبہ بن سعیدؓ، زید بن سعیدؓ، حضرت اسید بن عبیدؓ ہیں، جو اسلام قبول کرچکے تھے اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کو مان چکے تھے آگے کا جملہ آیت (والمقیمین الصلوۃ) تمام ائمہ کے قرآن میں اور ابی بن کعبؓ کے مصحف میں اسی طرح ہے لیکن بقول

علامہ ابن جریرؒ، ابن مسعودؓ کے صحیفہ میں آیت (والمقیمون الصلوۃ) ہے۔صحیح قرأت اگلی ہے جن بعض لوگوں نے اسے کتابت کی غلطی بتایا ہے ان کا قول غلط ہے۔بعض تو کہتے ہیں اس کی نصبی حالت مدح کی وجہ سے ہے، جیسے آیت (وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا) 2۔البقرۃ:177) میں ہے اور کلام عرب میں اور شعروں میں برابر یہ قاعدہ موجود پایا جاتا ہے۔بعض کہتے ہیں یہ عطف ہے اگلے جملے پر یعنی آیت (بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ) 2۔البقرۃ:4) پر یعنی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرنے پر بھی ان کا ایمان ہے یعنی اسے واجب و برحق مانتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی ان کا قرآن پر اور الہامی کتابوں پر اور فرشتوں پر ایمان ہے۔

﴿ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ﴾

مگران میں جولوگ پختہ علم رکھتے ہیں اور ایماندار ہیں۔وہ سب اس تعلیم پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئی تھی اس طرح کے ایمان لانے والے، نماز وزکوۃ کی پابندی کرنے والے، اللہ اور روز

آخرت پر سچا عقیدہ رکھنے والے لوگوں کو ہم ضرور اجر عظیم عطا کریں گے۔

ربط آیات:

اوپر کی آیات میں ان یہود کا ذکر تھا جو اپنے کفر پر قائم تھے اور مذکورہ بالا منکرات میں مبتلا تھے، آگے ان حضرات کا بیان ہے جو اہل کتاب تھے اور جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت ہوئی اور وہ صفات جو ان کی کتابوں میں خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق موجود تھیں آپ نے پوری پوری دیکھیں تو ایمان لے آئے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام واسید وثعلبہؓ، ان آیات میں انہی حضرات کی تعریف وتوصیف مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "لکن الراسخون فی العلم منہم"۔ اہل کتاب کے مومنوں کی استثناء فرمائی، یہود انکار کرتے تھے اور کہتے تھے: یہ اشیاء اصل میں حرام تھیں اور آپ انھیں حلال کرتے ہیں اور یہ ہمارے ظلم کی وجہ سے حرام نہیں ہوئی ہیں تو یہ ارشاد نازل ہوا (آیت) "لکن الراسخون فی العلم"۔ الرسخون فی العلم، سے مراد کتاب کا علم رکھنے والا ہے۔ الرسوخ سے مراد ثبوت ہے، یہ آل عمران میں گزر چکا ہے، اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ، کعب الاحبارؓ اور ان جیسے دوسرے علماء ہیں، والمومنون سے مراد مہاجرین وانصار ہیں جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحابؓ تھے۔

علم میں پختہ وہ لوگ ہیں جو منزل من اللہ وحی کے متلاشی ہوں اور وہیں سے دلیل اور راہنمائی حاصل کریں۔ لکیر کے فقیر نہ ہوں، نہ تقلید آبا کے پابند ہوں، جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی، جنہوں نے یہودیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بحیثیت رسول تسلیم کر لیا تھا۔ ان کے لیے اللہ کے ہاں دوہرا اجر ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کے لیے دوگنا ثواب ہے: (1) وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو، اپنے نبی پر ایمان لایا ہو اور (پھر) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بھی ایمان لائے۔ (2) مملوک غلام، جبکہ وہ اللہ کے حق کو اور اپنے مالکوں کے حق کو ادا کرتا رہے۔ (3) اور وہ شخص جس کے پاس اس کی لونڈی ہو، اس نے اسے ادب سکھایا اور عمدہ تربیت کی اور اسے اچھی اور عمدہ تعلیم دی، پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ پس اس کے لیے دوگنا ثواب ہے۔ [1]

عبد بن حمید و ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے لفظ آیت "الرسخون فی العلم منہم" کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ لوگوں کو مستثنیٰ کیا ان میں سے وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور جو کچھ ان پر اتارا گیا (ان پر بھی ایمان لاتا ہے) اور جو کچھ اللہ کے نبی پر اتارا گیا۔ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔

ابن اسحاق اور بیہقیؒ نے دلائل میں ابن عباسؓ سے لفظ آیت "لکن الرسخون فی العلم منہم" کے بارے میں روایت کیا کہ یہ عبداللہ بن سلام اور اسید بن سعید اور ثعلبہ بن سعیدؓ کے بارے میں نازل ہوئی جب یہودیوں سے انھوں نے علیحدگی اختیار کر لی اور اسلام لے آئے۔

راسخین فی العلم کا قرآن پر ایمان لانا

عبد بن حمید و ابن جریر و ابن ابی داؤدؒ نے مصاحف میں ابن المنذرؒ نے زبیر بن خالدؒ، سے روایت کیا کہ میں نے ابان بن عثمان بن عفانؒ سے کہا اس آیت یعنی لفظ آیت "لکن الرسخون فی العلم منہم والمؤمنون

۱۔ [بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ: ۹۷]

یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک والمقیمین الصلوۃ والمؤتون الزکوۃ" کی کتابت کی کیا حقیقت ہے جبکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد حالت رفع میں ہے جبکہ یہ کلمات نصبی حالت میں ہیں؟ انھوں نے فرمایا کاتب نے جب یہ آیت لکھی "لکن الرسخون" اور جب وہ اس لفظ پر پہنچا تو وہ رک گیا اس نے کہا میں کیا لکھوں تو اس سے کہا گیا یہ لکھو "والمقیمین الصلوۃ" تو اس نے لکھ دیا جو اس سے کہا گیا۔

ابوعبیدؒ نے اپنے فضائل میں سعید بن منصور وابن ابی شیبہ وابن جریر وابن ابی داؤد وابن المنذرؒ نے عروہؓ سے روایت کیا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے لحن قرآن (یعنی اعرابی غلطی) کے بارے میں پوچھا یعنی لفظ آیت "ان الذین امنوا والذین ھادوا والصبؤن" (المائدہ آیت ٦٩) (اور) لفظ آیت "والمقیمین الصلوۃ والمؤتون" (اور) "ان ھذن لسحرن" (طہ آیت ٦٢) تو انھوں نے فرمایا اے میرے بھانجے! یہ کاتب کا عمل ہے۔ اس نے کتابت میں غلطی کی ہے۔

ابن ابی داؤدؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ قرآن میں چار حرف ہیں (جن میں اعرابی غلطی ہے) "والصبؤن والمقیمین" (اور) "فاصدق واکن من الصالحین" (المنافقون آیت ١٠) (اور) "ان ھذن لسحرن" (طہ آیت ٦٢)۔

ابن ابی داؤدؒ نے عبدالاعلی بن عبداللہ بن عامر ثقفیؒ سے روایت کیا کہ جب وہ مصحف کی کتابت سے فارغ ہو گئے تو حضرت عثمانؓ کے پاس لایا گیا تو انھوں نے اس میں نظر ثانی کی اور فرمایا تم نے بہت اچھا عمدہ کام کیا ہے اور تم نے جمع کیا اس میں کچھ اعرابی غلطیاں دیکھتا ہوں عرب کے لوگ اپنی زبان کے ذریعہ سے اس کو درست کر لیں گے۔ ابن ابی داؤدؒ نے فرمایا میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے یعنی ہماری لغت میں ایسے ہی ہے ورنہ اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی تو سارے عرب کا کلام ایسا نہ ہوتا اور

نہ ہی آپ یہ جائز خیال کرتے کہ اس مصحف کو تمام قوموں کی طرف پڑھنے کے لیے بھیجتے۔

ابن ابی داؤدؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا کہ جب عثمانؓ کے پاس مصحف لایا گیا انھوں نے اس میں کچھ غلطیاں پائیں فرمایا اگر ہذیل قبیلہ میں سے کوئی لکھواتا اور لکھنے والا قبیلہ ثقیف میں سے ہوتا تو اس میں یہ غلطی نہ پائی جاتی۔

ابن ابی داؤدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ جب حضرت عثمانؓ کے اس مصحف لایا گیا تو آپ نے اس کے بارے میں فرمایا اس میں کچھ غلطیاں ہیں اور عنقریب عرب کے لوگ اس کو اپنی زبان میں ان کو درست کرلیں گے۔

ابن ابی داؤدؒ نے یحییٰ بن معمرؒ سے روایت کیا کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا قرآن کی کتابت میں کچھ غلطیاں ہیں اور عنقریب عرب کے لوگ اپنی زبانوں میں خود درست کرلیں گے۔

﴿ اِنَّآ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِیۡسٰی وَ اَیُّوۡبَ وَ یُوۡنُسَ وَ ہٰرُوۡنَ وَ سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ ﴾

(اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب بھی وحی کی ہے جیسے ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد بہت سے

انبیاء پر وحی کی تھی اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام)، اسماعیل (علیہ السلام)، اسحاق (علیہ السلام)، یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد کی طرف بھی وحی کی اور عیسیٰ (علیہ السلام)، ایوب (علیہ السلام)، یونس (علیہ السلام)، ہارون (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کی طرف (بھی وحی کی)۔ اور داؤد (علیہ السلام) کو تو ہم نے زبور (جیسی کتاب) عطا فرمائی۔

ربط آیات:

یسئلک اھل الکتب سے یہودیوں کا ایک احمقانہ سوال نقل کر کے تفصیل سے اس کا الزامی جواب دیا، یہاں ایک دوسرے عنوان سے اسی سوال کو باطل کیا جا رہا ہے کہ تم جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانے کے لیے یہ شرط لگاتے ہو کہ آپ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لا کر دکھلائیں، تو بتلاؤ کہ یہ جلیل القدر انبیاء جن کا ذکر ان آیات میں ہے ان کو تم بھی تسلیم کرتے ہو اور ان کے حق میں تم اس طرح کے مطالبات نہیں کرتے، تو جس دلیل سے تم نے ان حضرات کو نبی تسلیم کیا ہے، یعنی معجزات سے، تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بھی معجزات ہیں، لہٰذا ان پر بھی ایمان لے آؤ، لیکن بات یہ ہے کہ تمہارا یہ مطالبہ طلب حق کے لیے نہیں، بلکہ عناد پر مبنی ہے۔

آگے بعثت انبیاء کی حکمت بھی بیان کر دی گئی اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب کر کے بتلا دیا گیا کہ یہ لوگ اگر آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تو اپنا انجام خراب کرتے ہیں، آپ کی نبوت پر تو خدا بھی گواہ ہے اور خدا کے فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔

شان نزول: (آیت) "انا اوحینا الیک"

ابن اسحاق ؒ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ عدی بن زید نے کہا ہمیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد کسی اور شخص پر کوئی چیز نازل کی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ ؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا (بنوقینقاع کے یہودیوں میں سے) مسکین اور عدی بن زید نے کہا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ؑ کے بعد کوئی چیز نازل نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اور نبیوں کی طرف وحی نازل فرمائی ہے اسی طرح آپ پر بھی وحی نازل فرمائی ہے۔ [1]

ایک قول یہ ہے کہ جب یہودیوں نے آپ سے یہ کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ پر بھی اسی طرح کتاب نازل کی جائے جس طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر کتاب نازل کی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ تم نوح ؑ، ابراہیم ؑ، اسماعیل ؑ، اسحاق ؑ، یعقوب ؑ، ایوب ؑ، یونس ؑ، ہارون اور سلیمان ؑ کو نبی مانتے ہو حالانکہ ان پر بھی آسمان سے کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی تھی، سو تمہارا آسمان سے کتاب نازل کیے جانے کا مطالبہ کٹ حجتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، نبوت کا ثبوت صرف اظہار معجزہ پر موقوف ہے آپ سے پہلے نبیوں کی نبوت بھی معجزہ سے ثابت ہوئی اور آپ نے اپنی نبوت پر متعدد معجزات پیش کیے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جس کی نظیر پیش کرنا یا جس میں کمی بیشی اور

۱۔ (جامع البیان جز ۶ ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تحریف ثابت کرنا آج بھی پوری دنیا کے لیے چیلنج ہے اور قیامت تک رہے گا جب کہ باقی انبیاء (علیہم السلام) کے معجزات میں سے کسی نبی کا معجزہ ان کے جانے کے بعد باقی نہیں رہا تو یہ کس قدر انصاف سے بعید ہے کہ جن نبیوں کے معجزات فانی تھے ان کو نبی مانا جائے اور جس عظیم الشان نبی کا معجزہ زندہ جاوید ہے اس کی نبوت کا انکار کر دیا جائے۔

انبیاء کے ذکر میں اس آیت میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا' یا اس لیے کہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے احکام شرعیہ بیان کیے یا اس لیے کہ جس طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت اسلام تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے ہے اس طرح حضرت نوح (علیہ السلام) کی دعوت بھی تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے تھی۔

حضرت نوح (علیہ السلام) کے بعد دوسرے نبیوں کا بالعموم ذکر فرمایا پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا نام لیا' یہ ان کے شرف کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ تمام نبیوں کے سلسلہ آباء میں تیسرے اہم باپ ہیں' حضرت آدم (علیہ السلام)' حضرت نوح اور پھر حضرت ابراہیم' (علیہ السلام) حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر یہود کا رد کرنے کے لیے فرمایا کیونکہ یہود ان کی نبوت کے منکر تھے' اور حضرت داؤدؑ کو زبور عطا فرمانے کا ذکر فرمایا کیونکہ زبور بھی اسی طرح قسط وار نازل کی گئی تھی جس طرح قرآن مجید قسط وار نازل ہو رہا تھا۔

ابن اسحاق وابن جریر وابن المنذر وبیہقیؒ نے دلائل میں ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ مسکین اور عدی بن زید نے کہا اے محمد! ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز اتاری ہو موسیٰ کے بعد تو اللہ

تعالیٰ نے اس بارے میں نازل فرمایا لفظ آیت "انا اوحینا الیک" آخری آیات تک۔

ابن جریرؒ نے ربیع بن حثیمؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ" سے مراد ہے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی جیسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے نبیوں کی طرف کی گئی۔

قرآن مجید کو یک بارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں:

قرآن مجید کی قسط وار نازل ہونے کو یہود نے اپنی کم عقلی سے نقص گردانا حالانکہ اس میں ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بڑی فضیلت ہے کیونکہ کتاب نازل کرنے کو جو رابطہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے زندگی میں صرف ایک بار قائم ہوا وہ رابطہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تاحیات قائم رہا' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) توراۃ لینے پہاڑ طور پر گئے تھے' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قرآن مجید کے لیے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا' بلکہ آپ جہاں تشریف فرما ہوتے تھے' قرآن مجید وہی نازل ہوجاتا تھا' خواہ آپ بدر کے میدان میں ہوں' احد کی گھاٹیوں میں ہوں' غار ثور میں ہوں' کسی سواری پر ہوں' حضرت عائشہؓ کے بستر پر ہوں' جہاں آپ ہوتے تھے قرآن کریم وہیں نازل ہوجاتا تھا' لوگ آپ سے سوالات کرتے تھے ان کے جواب میں آیتیں نازل ہوتیں' یہود اور نصاریٰ کے اعتراضات کے جوابات میں' اور مختلف پیش گوئیوں کے سلسلہ میں آیات نازل ہوتی تھیں' یہ سہولت یک بارگی نزول میں کہاں ہے پھر اگر یکبارگی کتاب نازل ہوتی تو تمام احکام یک بارگی فرض ہوجاتے اور لوگوں کے لیے ایک دم ان پر عمل کرنا اور پرانی عادتوں اور رسموں کا چھوڑنا مشکل ہوتا' بہ تدریج کتاب کے نزول سے لوگوں پر اسلام کا قبول کرنا آسان ہوگیا' قرآن مجید کو یک بارگی نازل نہ کرنے

میں یہ فضیلت' باریکیاں اور فوائد ہیں جو یہود کی سمجھ میں نہیں آئے اور ان کو سمجھایا گیا تو انھوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے مانا نہیں۔

﴿ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ ﴾

اور بہت سے رسول ہیں جن کے واقعات ہم نے پہلے تمہیں سنائے ہیں اور بہت سے رسول ایسے ہیں کہ ہم نے ان کے واقعات تمہیں نہیں سنائے۔ اور موسیٰ ؑ سے تو اللہ تعالیٰ براہ راست ہم کلام ہوا۔

نبیوں اور رسولوں کی تعداد کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی ؒ متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید ؒ ' حکیم ترمذی ؒ نے نوادر الاصول میں' امام ابن حبان ؒ نے اپنی صحیح میں' حاکم ؒ نے اور امام ابن عساکر ؒ نے حضرت ابوذر ؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبی کتنے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو اور تیرہ جم غفیر ہیں۔ پھر فرمایا اے ابوذر ؓ! چار سریانی: آدم ؑ شیث ؑ نوح اور خنوع ؑ اور وہ ادریس ؑ ہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا' اور چار عرب ہیں: ہود ؑ ' صالح ؑ ' شعیب ؑ اور تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اور بنو اسرائیل کے انبیاء میں سب سے پہلے موسیٰ ؑ ہیں اور سب سے آخری عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں' اور سب سے پہلے آدمی ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔

امام ابن حبانؒ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے موضوعات میں' اور یہ دونوں حکم متضاد ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے نہ صحیح ہے نہ موضوع ہے جیسا کہ میں (سیوطیؒ) نے مختصر الموضوعات میں بیان کیا ہے۔

امام ابن ابی حاتمؒ، حضرت ابوامامہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں' ان میں سے تین سو پندرہ جم غفیر رسل ہیں۔

امام ابویعلیٰؒ نے اور امام ابونعیمؒ نے حلیہ میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے پہلے میرے بھائی انبیاء میں سے آٹھ ہزار نبی ہیں' پھر عیسیٰ بن مریم ؑ ہیں پھر ان کے بعد میں ہوں۔

امام حاکمؒ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث کیا گیا' ان میں چار ہزار انبیاء بنی اسرائیل تھے۔

امام ابن عساکرؒ نے کعب احبارؒ سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے حضرت آدمؑ پر انبیاء اور مرسلین کی تعداد کے برابر لاٹھیاں نازل فرمائیں' پھر انھوں نے اپنے بیٹے شیثؑ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے بیٹے تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو گے' تم اس لاٹھی کو مضبوطی اور تقوی کے ساتھ پکڑ لو' اور جب تم اللہ کا نام لو تو اس کے ساتھ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام لینا' کیونکہ میں نے ان کا نام عرش کے پائے پر اس وقت لکھا دیکھا جب میں ہنوز روح اور مٹی (کے پتلے) کے درمیان تھا' پھر میں نے آسمان کا طواف کیا تو میں نے آسمانوں میں ہر جگہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام لکھا ہوا دیکھا' پھر

اللہ نے مجھے جنت میں ٹھہرایا تو میں نے جنت کے ہر محل اور ہر بالا خانہ میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام لکھا ہوا دیکھا' اور میں نے بڑی آنکھ والی حوروں پر سرکنڈوں پر شجرہ طوبیٰ کے پتوں پر اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر اور ملائکہ کی آنکھوں کے درمیان بھنوؤں پر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ (سند ضعیف)

امام ابن ابی حاتمؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ آدم اور نوحؑ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں' اور نوح اور ابراہیمؑ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں' اور ابراہیم اور موسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں' اور موسیٰ اور عیسیٰؑ کے درمیان چار سو سال ہیں' اور عیسیٰؑ اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان چھ سو سال ہیں۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے اعمشؒ سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔

امام حاکمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آدم اور نوحؑ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں اور نوح اور ابراہیمؑ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں' اور ابراہیم اور موسیٰؑ کے درمیان سات سو سال ہیں' اور موسیٰ اور عیسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال ہیں اور عیسیٰؑ اور ہمارے نبی (علیہ السلام) کے درمیان چھ سو سال ہیں۔ [1]

ابن ابی حاتمؒ نے علیؓ سے لفظ آیت "ورسلا قد قصصھم علیک" کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حبشی غلام کو بھی نبی بنا کر بھیجا تھا اور وہ ان نبیوں میں سے ہے جن کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بیان نہیں کیا گیا اور دوسرے لفظ میں یوں ہے۔ حبشیوں میں سے بھی ایک نبی بھیجا گیا۔ محمد (صلی اللہ

۱۔ (الدر المنثور ج۲ ص۲۴۸۔۲۴۷' مطبوعہ ایران)

علیہ وآلہ وسلم) کا نام آسمان پر ہر جگہ مکتوب ہے۔

الطبرانی اور حاکمؒ نے (اس کو صحیح کہا) یونسؒ کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ بنو عبس میں سے ایک آدمی تھا جس کو خالد بن سنان کہا جاتا تھا اس نے اپنی قوم سے کہا میں تم سے حدثان کی آگ کو ٹھنڈی کر سکتا ہوں عمارہ بن زید نے اسے کہا جو اس کی قوم میں سے ایک آدمی تھا اللہ کی قسم! اے خالد! تو نے ہم کو جو بھی بات کہی وہ سچی ہوتی ہے تیرا اور حدثان کی آگ کا کیا معاملہ ہے۔ تو اس کے بارے میں خیال کرتا ہے کہ تو اس کو بجھا دے گا۔ سماک بن حربؒ نے کہا وہ چلا اور اس کے ساتھ عمارہ بھی چلا اور اپنی قوم میں سے تیس آدمیوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ اس (آگ) کے پاس آئے اور وہ نکل رہی تھی پہاڑ کے دامن سے حرۃ (کے مقام) سے۔ اس کو حرۃ الشجمع کہا جاتا تھا۔

خالد نے ان کے لیے ایک خط کھینچا اور ان لوگوں کو اس میں بٹھا دیا اور کہا اگر میں دیر لگاؤں تم پر (واپس آنے سے) تو مجھ کو میرے نام کے ساتھ نہ پکارنا وہ آگ نکلی اس حال میں کہ وہ ایک سرخی مائل گھوڑے ہیں جو بعض، بعض کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ خالد ان کے آگے آیا اور ان کو اپنی لاٹھی سے مارنا شروع کیا اور وہ کہہ رہا تھا۔ ظاہر ہوئی ظاہر ہوئی ظاہر ہوئی ایک ہدایت۔ ابن راعیہ معزی نے خیال کیا کہ میں اس دائرہ سے باہر نہیں نکلتا تھا اور میرے کپڑے بھیگ جاتے تھے یہاں تک کہ ان میں پھٹن واقع ہوگئی اس نے (یعنی خالد نے) ان پر دیر لگائی عمارہ نے کہا اللہ کی قسم! اگر تمہارا ساتھی زندہ ہوتا تو وہ تمہاری طرف ضرور نکلتا انھوں نے کہا اس نے ہم کو اپنے نام کے ساتھ بلانے سے منع کیا تھا۔ عمارہ نے کہا اس کو اس کے نام کے ساتھ پکارو۔ اللہ کی قسم! اگر تمہارا ساتھی زندہ ہے تو وہ تمہاری طرف نکلے گا انھوں نے اس کو اس کے نام کے ساتھ پکارا اس نے اپنے سر کو ان کی طرف نکالا اور کہا کیا میں نے تم کو منع

نہیں کیا تھا مجھ کو میرے نام کے ساتھ نہ پکارنا اللہ کی قسم تم نے مجھے قتل کر دیا ہے اب مجھے دفن کر دو جب تمہارے ساتھ گدھے گزریں تو ان میں سے ایک گدھا دم کٹا ہوگا۔ تو مجھے قبر سے نکال لینا تم مجھ کو زندہ پاؤ گے انھوں نے اس کو دفن کر دیا ان کے پاس سے گدھے گزرے۔ جن میں ایک گدھا دم کٹا ہوا تھا انھوں نے کہا اس کی قبر کو اکھیڑو کیونکہ اس نے ہم کو حکم دیا تھا کہ ہم اس کی قبر کو اکھیڑیں۔ عمارہ نے کہا مضر ہمارے بارے میں یہ باتیں نہ شروع کر دیں کہ ہم مردہ اکھیڑتے ہیں اسے کبھی نہ اکھیڑو۔ اور خالد نے ان کو یہ بتا رکھا تھا کہ اس کی بیوی کی زرہ میں دو تختیاں ہیں جب تم پر معاملہ پیچیدہ ہو جائے تو ان دونوں کو دیکھنا بیشک تم دیکھ لو گے کہ جس کے بارے میں تم سوال کرو گے اور کہا ان دونوں کو حائضہ عورت نہ چھوئے جب وہ اس کی بیوی کے پاس لوٹ آئے تو انھوں نے اس سے ان دونوں کے بارے میں سوال کیا تو اس نے ان دونوں کو نکالا اس حال میں کہ وہ حائضہ تھی اور تختیوں سے وہ علم ضائع ہو گیا۔ ابو یونسؒ نے کہا کہ سماک بن حربؒ نے فرمایا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ نبی تھے اس کی قوم نے ان کو ضائع کر دیا اس کا بیٹا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا مرحبا اے میرے بھائی کے بیٹے! حاکمؒ نے کہا یہ بخاری کی شرط پر روایت صحیح ہے۔ کیونکہ ابو یونس ہی حاتم بن صغیرہ ہے ذہبی نے کہا یہ روایت منکر ہے۔ (ضعیف جداً۔ طاہر)

آدمؑ کے بعد پہلے نبی ادریسؑ ہیں

ابن سعد والزبیر بن بکارؒ نے موفقیات میں ابن عساکرؒ نے کلبیؒ سے فرمایا کہ پہلے نبی جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں بھیجا وہ ادریس (علیہ السلام) تھے اور یہی اخنوع بن یرد ہے اس کا نسب یوں ہے یارد بن مھلا ییل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدمؑ، پھر رسولوں (کا سلسلہ) منقطع ہو گیا یہاں تک کہ نوح

(علیہ السلام) بن لمک بن متوشلخ بن اخنوح بن یارد مبعوث ہوئے اور سام بن نوح بھی نبی تھے۔ پھر رسولوں (کا سلسلہ) منقطع ہو گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو نبی بنا کر بھیجا ان کا نسب یہ ہے ابراہیم بن تارح اور تارح ہی آزر ہے)۔ بن ناحور بن شاروح بن ارغو بن فالغ (اور فالغ ہی فالغ ہے جنہوں نے زمین کو تقسیم کیا) بن عامر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ پھر اسماعیل بن ابراہیمؑ کو مبعوث فرمایا جو مکہ میں فوت ہوئے اور وہی دفن ہوئے پھر اسحاق بن ابراہیمؑ کے جو شام میں فوت ہوئے اور لوطؑ بن ھاران بن تارح کے بیٹے تھے اور ابراہیم (علیہ السلام) اس کے چچا تھے اور یہ ابراہیم (علیہ السلام) کے بھتیجے تھے پھر اسرائیل اور وہ یعقوبؑ بیٹے اسحاقؑ کے ہیں پھر یوسف بن یعقوب پھر شعیبؑ بن بوبب بن عنقاء بن مدین بن ابراہیم پھر ھود بن عبداللہ بن الخلود بن عاد بن بن عوض بن ارم بن سام بن نوح، پھر صالح بن آسف بن کماشج بن اروم بن ثمود بن جابر بن ارم بن سام بن نوح پھر موسیٰ اور ہارون جو عمران بن فاھت بن لاوی بن یعقوبؑ کے بیٹے تھے پھر ایوبؑ بن رازخ بن امور بن لیغزر بن العیص پھر داؤد بن ایشاء بن عوید بن ناخر بن سلمون بن نجشون بن خادب بن رام بن خضرون بن یہود بن یعقوب۔

پھر سلیمانؑ بیٹے داؤدؑ کے تھے پھر یونسؑ بیٹے متی بنیامین کی اولاد میں سے جو یعقوبؑ کی اولاد میں سے تھے اور الیاسؑ بن بشیر بن العاذر بن ہارون بن عمران اور ذالکفلؑ ان کے نام عوید یا تھا جو یہود بن یعقوب کی اولاد میں سے تھے سوائے ادریسؑ کے اور نوحؑ اور لوطؑ اور ہود اور صالح (علیہم السلام) اور عرب میں سے کوئی نبی نہیں تھا سوائے پانچ کے ہود صالح (علیہ السلام)، اسماعیل (علیہ السلام)، شعب (علیہ السلام) اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو عرب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ان کے علاوہ کوئی نبی

عربی میں بات نہیں بات کرتا تھا اس وجہ سے ان کو عرب کہتے ہیں۔

ابن المنذر وطبرانی وبیہقیؒ نے شعب الایمان میں ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ دس کے علاوہ سب بنی اسرائیل میں سے تھے نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ، ابراہیمؑ، اسحاقؑ، اسماعیلؑ، یعقوب وشعب (علیہم السلام) اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کے دو نام ہوں سوائے عیسیٰ ویعقوب (علیہم السلام) کے کہ یعقوبؑ کا دوسرا نام اسرائیل تھا اور عیسیٰؑ کا دوسرا نام مسیح تھا۔

ابن ابی حاتمؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ آدم اور نوحؑ کے درمیان ہزار سال کا عرصہ تھا اور نوح اور ابراہیمؑ کے درمیان بھی ہزار سال کا عرصہ تھا اور ابراہیم اور موسیٰؑ کے درمیان بھی ہزار سال کا عرصہ تھا اور موسیٰ اور عیسیٰؑ کے درمیان چار سو سال کا عرصہ تھا اور عیسیٰ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ تھا۔

ابن ابی حاتمؒ نے اعمشؒ سے روایت کیا کہ موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کے درمیان ایک ہزار نبی ہوئے۔

الحاکمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ آدمؑ کی عمر ہزار سال تھی اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) اور نوح (علیہ السلام) کے درمیان ہزار سال کا عرصہ تھا نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کے درمیان ہزار سال کا اور ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان سات سو سال کا، موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان پندرہ سو سال کا عیسیٰ (علیہ السلام) اور ہمارے نبی کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ تھا۔

ابن المنذرؒ نے وائل بن داؤدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وکلم اللہ موسیٰ تکلیما" سے مراد ہے کئی مرتبہ

(اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہوئی)۔

عبداللہ بن احمدؒ نے زوائد الزھد میں ثابتؒ سے روایت کیا کہ جب موسیٰ بن عمران (علیہ السلام) فوت ہو گئے تو فرشتے آسمانوں میں بعض، بعض کی طرف گھومے اور اپنے ہاتھوں کو گالوں کے نیچے رکھا اور آواز لگا رہے تھے کہ موسیٰ کلیم اللہ وفات پا گئے پھر کون سی مخلوق ہے جو نہیں مرے گی۔

قرآن میں انبیاءؑ کے نام

جن نبیوں اور رسولوں کے اسمائے گرامی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کیے گئے ان کی تعداد 24 یا 25 ہے۔(1) آدم (2) ادریس (3) نوح (4) ہود (5) صالح (6) ابراہیم (7) لوط (8) اسماعیل (9) اسحاق (10) یعقوب (11) یوسف (12) ایوب (13) شعیب (14) موسیٰ (15) ہارون (16) یونس (17) داؤد (18) سلیمان (19) الیاس (20) الیسع (21) زکریا (22) یحییٰ (23) عیسیٰ (24) ذوالکفل (علیہم الصلوۃ والسلام)۔(اکثر مفسرین کے نزدیک) (25) ان سب کے سردار سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ان کے علاوہ بہت سے انبیائے کرام ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہوا۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا : ارشاد فرمایا: (وَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ) [الاعراف:143] اور جب موسیٰؑ ہمارے مقررہ وقت پر آیا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا۔

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ ﴾

ان سب رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے بنا کر بھیجا، تا کہ نہ

رہے لوگوں کے لیے کوئی (عذر) حجت اللہ کے حضور ان رسولوں کے (آنے کے) بعد اور اللہ بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنانے اور ڈرانے کے لیے اپنی کتابیں نازل فرمائیں، اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور وہ سب کچھ واضح فرما دیا جسے وہ پسند فرماتا اور ناپسند فرماتا ہے، تاکہ کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے کہ اسے تو خبر ہی نہ ہوئی تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى)[طٰہٰ:134] اور اگر ہم واقعی انھیں اس سے پہلے کسی عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ ضرور کہتے اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے، اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوں اور رسوا ہوں۔ اور فرمایا: (وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ)[القصص:47] اور اگر یہ نہ ہوتا کہ انھیں اس کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچے گی جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان والوں میں سے ہو جاتے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیور کوئی نہیں، اسی وجہ سے اس نے ظاہری اور خفیہ تمام برائیوں کو حرام قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح کو پسند کرنے والا بھی کوئی نہیں، اسی وجہ سے اس نے اپنی ذات کی خود مدح فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا بھی کوئی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس نے کتاب اتاری اور ڈرانے

والے (رسول) بھیجے (تا کہ لوگوں کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے)۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے عذر کے سلسلے میں حجت تمام کر دی جس کی مدت کو موخر کیا، یہاں تک کہ وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ [2]

احمد و بخاری و ترمذی و نسائی و ابن المنذر و ابن مردویہؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی زیادہ غیرت مند نہیں ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور چھپی ہوئی برائیوں کو حرام فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی ایسا نہیں ہے جس کو تعریف محبوب ہو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی خود ہی تعریف فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کے ہاں عذر محبوب نہیں اس وجہ سے نبیوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

احمد و بخاری و مسلم والحکیم الترمذیؒ نے مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ایسا نہیں ہے جو عذر کو قبول کرنے کو محبوب رکھتا ہو اسی لیے رسولوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر کسی کو مدح پسند نہیں اس لیے جنت کا وعدہ فرمایا۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل" تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ تو نے ہماری طرف رسول نہیں بھیجے۔

---

[1]۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن: 4634۔ مسلم کتاب التوبۃ، باب غیرۃ اللہ تعالیٰ وتحریم الفواحش: 2760/35]

[2]۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب من بلغ ستین سنۃ فقد اعذر اللہ الیہ: 6419]

﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا
طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ ﴾

لیکن اللہ شہادت دیتا ہے اس کے متعلق جو اس نے تیری طرف نازل کیا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے اور فرشتے شہادت دیتے ہیں اور اللہ کافی گواہ ہے۔(۱۶۶) بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے۔(۱۶۷) اس طرح جن لوگوں نے کفر و نافرمانی کا طریقہ اختیار کیا اور ظلم و ستم پر اتر آئے اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا اور انھیں کوئی راستہ نہ دکھائے گا۔(۱۶۸) سوائے جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور ایسا کرنا اللہ پر بہت آسان ہے۔(۱۶۹)

شان نزول: (آیت) "لکن اللہ یشہد"

ابن اسحاق ؒ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں گئی، آپ نے ان سے فرمایا اللہ کی قسم تم یہ اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں وہ بولے ہم نہیں جانتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دے رہے ہیں۔

یعنی اگرچہ آپ کی تکذیب اور مخالفت کرنے والے اس بات کے منکر ہیں مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور آپ پر اس نے اپنی کتاب کو نازل فرمایا ہے۔ کتاب سے مراد وہ قرآن مجید ہے کہ: (لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ) (حم السجدۃ:٤٢) "اس کے پاس باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے، ایک کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔

اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ: یعنی اپنے اس علم کے مطابق جس کے بارے میں اس نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا۔ جس میں ماضی اور مستقبل سے متعلق غیب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی وہ صفات مقدسہ بھی شامل ہیں جنہیں کوئی نبی مرسل اور ملک مقرب اس وقت تک معلوم نہیں کرسکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس کو علم سے نہ نوازدے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ) (البقرۃ:٢٥٥) "اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے مگر جتنا وہ چاہے۔"

ابن اسحاق وابن جریر وابن المنذر اور بیہقی ؒ نے دلائل میں ابن عباس ؓ سے روایت کیا کہ ایک جماعت یہودیوں میں سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئی آپ نے ان سے فرمایا اللہ کی قسم!

میں نہیں جانتا ہوں اور بلاشبہ تم بھی جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں انھوں نے کہا ہم اس کو نہیں جانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت "لکن اللہ یشھد" پوری آیت۔

ابن جریر و ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے "لکن اللہ یشھد" پوری آیت کے بارے میں روایت کیا کہ اللہ کی قسم گواہوں پر کوئی تہمت نہیں۔

آیت نمبر: ۱۶۷۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "ان الذین کفروا"۔ یعنی یہود، (آیت) "وصدوا عن سبیل اللہ" یعنی جنہوں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع سے لوگوں کو اپنے اس قول سے روکا کہ ہم اپنی کتاب میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفت کو نہیں پاتے، نبوت، حضرت داؤد (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) کی اولاد میں ہے اور توراۃ میں ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت منسوخ نہ ہوگی۔ (آیت) "قد ضلوا ضللا بعید"۔ کیونکہ انھوں نے کفر کیا اس کے ساتھ لوگوں کو انھوں نے اسلام سے منع کیا۔

ان لوگوں سے مراد یہودی ہیں جو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر خود بھی ایمان نہیں لاتے تھے اور لوگوں کو بھی یہ کہہ کر روکا کرتے تھے کہ اس شخص کی کوئی صفت ہماری کتاب میں مذکور نہیں، یا یہ کہ نبوت کا دائرہ ہارون اور داؤد کی اولاد تک محدود ہے، یا یہ کہ سیدنا موسیٰ (علیہ السلام) کی لائی ہوئی شریعت منسوخ نہیں ہوسکتی۔ ان کی اس قسم کی کوششوں ہی کو قرآن نے بہت دور گمراہ ہونا فرمایا ہے۔

اس آیت میں بھی یہود پر عذاب کی وعید ہے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہود نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کا کفر (انکار) کیا' اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات ڈال کر ان کو اسلام لانے سے روکا مثلاً ان سے کہا اگر یہ واقعی رسول ہوتے تو آسمان سے یک بارگی

کتاب لے کر آتے جیسے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) توراۃ لائے تھے' اور یہ کہا کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت قیامت تک تبدیل نہیں ہوگی نہ اس میں کوئی نسخ ہوگا' اور انھوں نے کہا کہ حضرت ہارون (علیہ السلام) اور حضرت داؤدؑ کے سوا اور کسی کی نسل سے نبی مبعوث نہیں ہوسکتا' ان اقوال کی وجہ سے یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے اور وہ اپنی اس گمراہی کو حق باور کرتے تھے' اور اسی گمراہی کی وجہ سے دنیا کا مال اور دنیاوی مناصب حاصل کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سنائی کہ ان کی ان گمراہیوں کی وجہ سے اور ان پر قائم رہنے اور ان کی حق سمجھنے کی وجہ سے اللہ ان کی نہیں بخشے گا اور ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھے گا۔

یعنی جب کفر کی حالت ہی میں مرجائیں گے اور مرنے سے پہلے توبہ نہیں کریں گے تو سیدھے جہنم میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کو جہنم میں لے جانا اور پھر ہمیشہ وہاں رکھنا اللہ تعالیٰ پر کچھ مشکل نہیں ہے۔ لہٰذا اب بھی ان کے لیے موقع ہے کہ کفر وعناد سے باز آجائیں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع اختیار کرلیں۔

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا: یعنی جو شخص اپنے غلط طرز عمل اور حق پوشی کی وجہ سے گمراہی میں دوجا پڑے اس کے لیے پھر جہنم ہی کا راستہ آسان ہوتا ہے۔ (وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى (٨) وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى (٩) فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى (١٠) (واللیل: ٨ تا ١٠) "اور لیکن وہ جس نے بخل کیا اور بے پروا ہوا۔ اور اس نے سب سے اچھی بات کو جھٹلا دیا۔ تو یقیناً ہم اسے مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے۔" اور فرمایا: (فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى (٥) وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (٦) فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (٧) (واللیل: ٥ تا ٧) "پس لیکن وہ جس نے دیا

اور (نافرمانی سے) بچا۔ اور اس نے سب سے اچھی بات کو سچ مانا۔ تو یقیناً ہم اسے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔"

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾ ﴾

اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ پیغمبر آئے ہیں سو تم ایمان لے آؤ یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب جاننے والے حکمت والے ہیں۔

ربط آیت: نبوت محمدیہ کے متعلق یہود کے تمام شکوک اور شبہات کا کافی اور شافی جواب دینے کے بعد تمام بنی آدم کو حق کی دعوت دیتے ہیں کہ دین محمدی میں داخل ہو جاؤ محمد رسول اللہ کے رسول برحق ہیں اللہ کی طرف سے حق کو لے کر آئیں ہیں اس کو قبول کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے اور اگر نہیں قبول کرتے تو اللہ کو اس کی پروا نہیں وہ آسمان وزمین کا مالک ہے تمام فرشتے اور شجر وحجر سب اس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اسے تمہاری تسبیح اور تحمید کی کوئی حاجت نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے اللہ کے سچے رسول محمد رسول اللہ دین حق لے کر آچکے ہیں جس سے

مقصود تمہاری تربیت ہے اور حق تو جس طرح بھی پہنچے اس کے قبول میں تامل نہ کرنا چاہیے تھوڑا تھوڑا اور چاہے یکدم اور پھر مزید برآں یہ کہ وہ رسول برحق، حق اور صداقت کو لے کر خود تمہارے پاس پہنچ گیا چاہے تو یہ تھا کہ تم خود حق کی تلاش میں نکلتے لیکن ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پیغمبر خدا تو حق لے کر تمہارے پاس پہنچ گیا اور تم ہو کہ اس میں خدشے نکال رہے ہو کہ یہ دین حق تھوڑا تھوڑا ہو کر کیوں نازل ہو رہا ہے یکدم کتابی شکل میں کیوں نازل نہیں ہو جاتا پس عقل اور دانائی کا مقتضی یہ ہے کہ اس حق اور اس رسول برحق پر تم فوراً ایمان لے آؤ ایمان لانا ہی تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اگر آپ کی نبوت و رسالت کو نہیں مانو گے تو اللہ کو تمہارے ایمان کی کوئی حاجت نہیں تحقیق اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ایمان لانے میں تمہارا ہی نفع ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا اسے تمہارے ایمان اور کفر کی سب خبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

متعدد وجوہ سے یہود کے شبہ کی تردید اور قرآن کی حقانیت ثابت کرنے کے بعد اب سب لوگوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے جن میں یہود بھی شامل ہیں کہ جب یہ رسول برحق اور قرآن بھی اللہ کی سچی کتاب ہے تو تم کو چاہیے کہ اس دعوت کو قبول کر لو، اس میں تمہارا بھلا ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے، ورنہ یاد رکھو کہ آسمان و زمین میں جتنی مخلوق ہے سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہ تمہیں تمہارے برے اعمال پر سزا دینے کی بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ : ارشاد فرمایا (يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ

بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) (المائدة: ١٩) "
اے اہل کتاب ! بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے، جو تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے،
رسولوں کے ایک وقفے کے بعد، تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا اور نہ
ڈرانے والا، تو یقیناً تمہارے پاس ایک خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر
پوری طرح قادر ہے۔" اور فرمایا: (قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ
النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ) (الاعراف: ١٥٨) "
کہہ دے اے لوگو! بیشک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، وہ (اللہ) کہ آسمانوں اور زمین کی
بادشاہی صرف اس کی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پس تم اللہ پر اور اس
کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ، جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو، تا کہ تم
ہدایت پاؤ۔

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: ارشاد فرمایا (وَ قَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا
اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ) (ابراہیم: ٨) "اور موسیٰؑ نے کہا اگر تم اور
وہ لوگ جو زمین میں ہیں، سب کے سب کفر کرو تو بیشک اللہ یقیناً بڑا بے پروا، بے حد تعریف والا ہے۔"
سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے
میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، تمہارے انسان اور تمہارے جن سب ایک ایسے آدمی کی طرح
ہو جائیں جو سب سے زیادہ متقی ہو تو اس سے میری بادشاہت میں ذرا سی بھی زیادتی نہیں ہوگی اور اے

میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور تمہارے پچھلے، تمہارے انسان اور تمہارے جن سب ایک ایسے آدمی کی طرح ہو جائیں جو سب سے زیادہ بدکار ہو تو اس سے میری بادشاہت میں ذرا سی بھی کمی نہیں آئے گی۔"[1]

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ۫ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ ﴾

اے اہل کتاب اپنے دین میں غلومت کرو اور اللہ پر حق کے سوا کوئی اور بات نہ ڈالو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں۔ جسے اس نے مریم کی طرف القا فرمایا۔ اور اس کی جانب سے ایک روح ہیں، پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (عقیدہ) تثلیث (تین خدا) کا دعویٰ نہ کرو۔ باز آ جاؤ یہی

۱۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۷]

تمہارے حق میں بہتر ہے۔ معبود تو بس تنہا اللہ ہی ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کارساز کافی ہے۔

ربط آیت: گزشتہ آیات میں یہود کے شبہات اور معاندانہ سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے ہیں اور ان کے قبائح وفضائح سب کے سامنے کھول دیے جنہیں وہ چھپاتے تھے پس جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت ثابت ہوگئی تو اس کے بعد ایک خطاب عام فرمایا اور تمام بنی آدم کو دین حق اور رسالت محمدیہ کی تصدیق کی دعوت دی اب خطاب عام کے بعد پھر اہل کتاب کو خطاب خاص فرماتے ہیں اور گو عنوان عام ہے مگر اصل مقصود بالخطاب، نصاری ہیں جس میں ان کو اس کی نصیحت ہے کہ اپنے عقائد فاسدہ سے باز آ کر خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور اگر انحراف کریں گے تو انھیں بہت سخت عذاب ہوگا اور چونکہ ان کے عقائد فاسدہ کا اصل سبب ہی تھا کہ ان کی طبیعت میں غلو یعنی مبالغہ پسندی تھی جس کے متعقد ہوئے اس کو حد سے بڑھا دیا حضرت عیسیٰؑ کو نبوت اور رسالت سے بڑھا کر الوہیت کا درجہ دے دیا اس لیے اللہ نے سب سے پہلے اسی غلو اور مبالغہ کے ترک کا حکم دیا جو ان کی گمراہی کا اصل سبب تھا اور خاص طور پر اہل کتاب کو مخاطب بنایا کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو کیونکہ یہ ایسی پاکیزہ اور عمدہ بات ہے کہ کسی کو اس کے تسلیم کرنے میں تردد نہیں ہوسکتا اور یہی بلاغت کا کمال ہے اور اسی کو حسن استدلال کہتے ہیں کہ اولا ایک مقدمہ مسلمہ پیش کر دیا جائے تا کہ مخاطب اس کا انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو یعنی حد سے آگے نہ بڑھو اور حد سے زیادہ کسی کی تعظیم نہ کرو اور اللہ کی نسبت سوائے حق کے کوئی لفظ نہ کہو تمہارا حضرت عیسیٰؑ

کو خدا کا بیٹا کہنا اللہ کی تنقیص ہے اور خدا کے ذمہ جھوٹ لگانا ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ ؑ کو اپنا بیٹا بنایا ہے اور اہل کتاب کے دو گروہ تھے ایک یہود اور ایک نصاری یہود نے حضرت مسیح کی تنقیص کی اور ان کی شان کو گھٹایا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے اور ان کی والدہ مطہرہ کو متہم کیا غرض یہ کہ یہود حضرت عیسیٰ ؑ کی تحقیر میں حد سے گذر گئے اور نصاری ان کی تعظیم میں حد سے گذر گئے اور ان کی تعظیم میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ ان کو خدا کا بیٹا کہا اس آیت میں اہل کتاب سے خاص طور پر نصاری مراد ہیں گزشتہ رکوع میں یہود کی غلطی بیان فرمائی اب اس کے بعد خاص طور پر نصاری کو نصیحت فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے متعلق غلط عقیدہ نہ رکھیں اور نصاری کے اکثر فرقے خدا کی ذات میں باتمیاز حقیقی تین اقنوم کے قائل ہوئے اور اس کا نام تثلیث رکھا اور پھر تماشہ یہ کہ یہ کہا کہ تین ایک میں ہیں اور ایک تین میں ہے اور یہ نصاری کا بنیادی عقیدہ ہے اور نجات کی سیڑھی ہے اور اس کو وہ توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کے نام سے موسوم کرتے ہیں نصاری کے کل چار فرقے تھے، یعقوبیہ، ملکانیہ، نسطوریہ، مرقوسیہ ان میں سے یعقوبیہ اور ملکانیہ مسیح کو خدا کہتے تھے اور نسطوریہ خدا کا بیٹا اور مرقوسیہ ان کو تین کا تیسرا قرار دیتے تھے یعنی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا تین اقنوم ہیں یعنی خدا باپ اور بیٹے اور روح القدس سے مرکب ہے ان میں سے ایک قنوم عیسیٰ ہے تو عیسیٰ تین خدا میں سے ایک خدا ہے گویا کہ عیسائی مذہب میں الوہیت کے تین رکن ہیں جن سے خدائی قائم ہے۔ اللہ جل شانہ نے اس آیت میں ان چاروں فرقوں کی تردید فرمائی ہے۔

يَآهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ : اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نصرانیوں کو دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ ہر دور میں یہ برائی ان کے اندر دوسروں کی بہ نسبت زیادہ پائی گئی۔ انھوں نے دین میں رہبانیت اور عورتوں سے کنارہ کشی کو اختیار کیا اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ کا

مقام دیا، بلکہ اپنے علماء اور راہبوں تک کو اپنا معبود بنالیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ) (التوبۃ:۳۱) "انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا۔"

سیدنا عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا تھا، میں تو صرف اسی کا بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔" [۱]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "دین میں غلو کرنے سے بچو اس لیے کہ تم سے پہلے کے لوگوں کو دین میں غلو نے ہلاک کر دیا۔" [۲]

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اے ہمارے سردار! ہمارے سردار کے صاحبزادے! اے ہم میں سے بہترین انسان اور ہم میں سے بہترین انسان کے صاحبزادے! (تو یہ سن کر) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اے لوگو! (اپنی گفتگو میں بھی) تقویٰ اختیار کرو، کہیں شیطان تمہارے دل و دماغ پر چھا نہ جائے، میں محمد بن عبداللہ ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ اللہ کی قسم! میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے بلند مرتبے پر پہنچاؤ۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔" [۳]

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ:

۱۔[بخاری، احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ (واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا): ۳۴۴۵]

۲۔[نسائی، کتاب الحج، باب التقاط الحصی: ۳۰۵۹]

۳۔[مسند احمد: ۳/۱۵۳۔ ابن حبان: ۱۴/۱۳۳]

یعنی وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے اور اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور اس کا وہ کلمہ بشارت ہیں جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کلمے کے ذریعے سے پیدا فرمایا جس کے ساتھ اس نے جبرائیلؑ کو مریمؑ کی طرف بھیجا اور جبرائیلؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اذن سے ان میں روح پھونک دی تھی اور اس طرح عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہو گئے تھے۔ اس طرح پیدائش کی وجہ سے عیسیٰؑ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا جاتا تھا، کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے اور اس روح سے پیدا ہوئے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو دے کر بھیجا تھا۔ ارشاد فرمایا: (مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ) (المائدۃ:۷۵) "نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول، یقیناً اس سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے اور اس کی ماں صدیقہ ہے، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔" اور فرمایا: (اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ) (ال عمران:۵۹) "بیشک عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی طرح ہے کہ اسے تھوڑی سی مٹی سے بنایا، پھر اسے فرمایا ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔"

سیدنا عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰؑ اللہ کے بندے، رسول اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے مریمؑ کی طرف بھیجا تھا اور جہنم بھی حق ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دے گا، خواہ وہ کیسا

ہی عمل کرتا ہو۔"[1]

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ: ارشاد فرمایا: (یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ) (المائدۃ: ۱۹) "اے اہل کتاب! بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے، جو تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے، رسولوں کے ایک وقفے کے بعد، تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا اور نہ ڈرانے والا، تو یقیناً تمہارے پاس ایک خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آچکا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔"

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ: یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی والدہ کو اللہ کے شریک نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، یہ آیت کریمہ ایسے ہے جیسے سورہ مائدہ کی یہ آیت ہے، ارشاد فرمایا: (لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَ اِنْ لَّمْ یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ) (المائدۃ: ۷۳) "بلاشبہ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا بیشک اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ کوئی بھی معبود نہیں مگر ایک معبود، اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو یقیناً ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انھیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔" اور فرمایا: (وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ

۱۔ [بخاری، کتاب الانبیاء، باب قولہ تعالیٰ (یٰاھل الکتاب لاتغلوا فی دینکم): ۳۴۳۵]

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ)(المائدۃ:۱۱۶)"اور جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو؟ وہ کہے گا تو پاک ہے، میرے لیے بنتا ہی نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے یہ بات کہی تھی تو یقیناً تو نے اسے جان لیا، تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس میں ہے، یقیناً تو ہی سب چھپی باتوں کو بہت خوب جاننے والا ہے۔" اور فرمایا: (مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (۷۵) قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ)(المائدۃ:۷۵،۷۶)"نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول، یقیناً اس سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے اور اس کی ماں صدیقہ ہے، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھ ان کے لیے ہم کس طرح کھول کر آیات بیان کرتے ہیں، پھر دیکھ کس طرح پھیرے جاتے ہیں۔ کہہ دے کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے نہ کسی نقصان کی مالک ہے اور نہ نفع کی، اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا : یعنی سب کچھ اسی کی ملکیت اور اسی کی مخلوق ہے، وہ ہر چیز کا کارساز ہے تو مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی یا بیٹا کس طرح ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ)(الانعام:۱۰۱)"وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کی اولاد کیسے ہوگی، جب کہ اس کی

کوئی بیوی نہیں اور اس نے ہر چیز پیدا کی اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔" اور فرمایا: (وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (٨٨) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا (٨٩) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (٩٠) اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (٩١) وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (٩٢) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (٩٣) لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا (٩٤) وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (٩٥) (مریم: ٨٨ تا ٩٥) "اور انھوں نے کہا رحمان نے کوئی اولاد بنالی ہے۔ بلاشبہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات کی ہے۔ آسمان قریب ہیں کہ اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں۔ کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ رحمٰن کے پاس غلام بن کر آنے والا ہے۔ بلاشبہ یقیناً اس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور انھیں خوب اچھی طرح گن کر شمار کر رکھا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے۔"

ابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے روایت فرمایا "لاتغلوا" سے مراد ہے (نئی باتیں) یعنی بدعتیں نہ بناؤ۔

عبدالرزاق وابن جریر وابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "وکلمتہ القھا الی مریم" یعنی اس کا کلمہ تھا "کن فکان" یعنی ہوجا پس وہ ہوگیا۔

عبد بن حمید وحاکمؒ (نے اس کو صحیح کہا) اور بیہقیؒ نے دلائل میں ابوموسیٰؓ سے روایت کیا کہ نجاشی نے جعفرؓ سے کہا تیرا ساتھی (یعنی تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابن مریمؑ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا آپ وہی فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کی

روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں اور ان کو "بتول العذراء" (کے پیٹ) سے نکالا ہے۔ (اس حال میں) کہ کوئی بشر ان کے قریب نہیں گیا (یہ سن کر) نجاشی نے زمین سے ایک لکڑی اٹھائی اس کو بلند کیا اور کہا اے جماعت علماء کی اور درویشوں کی انھوں نے کوئی بات زیادہ نہیں کی جو تم ابن مریمؑ کے بارے میں کہتے ہو یہ لوگ اس میں اتنا اضافہ بھی نہیں کرتے جتنا اس لکڑی کا وزن ہے۔

مہاجرین حبشہ سے نجاشی کی گفتگو

البیہقیؒ نے دلائل میں ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ ہم کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نجاشی کی طرف بھیجا اور ہم اسی آدمی تھے ہمارے ساتھ جعفر بن ابی طالبؓ تھے قریش مکہ نے عمارہ اور عمرو بن عاص کو تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا جب یہ دونوں اس کے پاس گئے تو اس کو سجدہ کیا اور اس کو ہدیہ بھی دیا اور ان دونوں نے کہا قوم میں سے کچھ لوگ ہمارے دین کو چھوڑ کر تیرے ملک میں مقیم ہو گئے ہیں نجاشی نے ان کو بلوایا جب یہ لوگ داخل ہوئے تو انھوں نے سجدہ نہیں کیا ان لوگوں نے کہا تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا جعفرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس اپنے نبی کو بھیجا ہے اور ہم کو حکم فرمایا ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں۔ عمرو بن عاص نے کہا یہ لوگ عیسیٰ اور اس کی ماں کے بارے میں بھی تم سے مختلف رائے رکھتے ہیں بادشاہ نے کہا تم لوگ عیسیٰؑ اور اس کی ماں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا ہم وہی کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اللہ کی روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے کنواری پاکدامن مریم کی طرف القاء کیا جس کو کسی بشر نے نہیں چھوا نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا اور اس تنکے کے برابر بھی تم اس میں اضافہ نہیں کرتے میں تم کو خوش آمدید کہتا ہوں اور اس کو بھی کہ تم جس کی طرف سے آئے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں اور میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ

میں اس کے پاس ہوتا اور میں ان کے جوتے اٹھاتا میری زمین میں (یعنی میرے ملک میں) جہاں تم چاہو رہو۔

امام البخاریؒ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میری تعریف حد سے زیادہ نہ کرو جیسے نصاری نے عیسیٰ کی تعریف حد سے زیادہ کردی (کہ ان کو خدا بنا دیا) بلاشبہ میں بندہ ہوں اور تم یوں کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔

مسلمؒ نے عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے گواہی دی کہ لفظ آیت "لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ" اور اس بات کی کہ عیسیٰؑ بھی اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو انھوں نے مریم کی طرف القا فرمایا اور اللہ کی روح ہونے اور جنت اور دوزخ کے حق ہونے کی گواہی دی اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے آٹھوں دروازوں سے داخل ہونے کی اجازت دے گا جس دروازہ سے وہ داخل ہو جائے اگرچہ اس کا باطن کیسا ہی ہو (جنت میں داخل ہوگا)۔

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ ﴾

"عیسیٰ کو ہرگز اس سے عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہو کر رہے اور نہ ہی مقرب فرشتوں کو

عار ہے اور جو بھی اس کی بندگی سے ننگ و عار رکھے اور تکبر کرے تو عنقریب وہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔"

شان نزول: (آیت) "لن یستنکف المسیح"

بغویؒ نے لکھا ہے اور واحدیؒ نے اسباب النزول میں اس قول کی نسبت کلبی کی طرف کی ہے کہ نجران کے نمائندوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے آقا پر عیب لگاتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں کیا کہتا ہوں۔ اہل وفد نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو اللہ کا بندہ اور رسول کہتے ہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ کا بندہ ہونا تو (حضرت) عیسیٰؑ کیلئے باعث عار نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلیؒ متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس نجران کا وفد آیا اور انھوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہمارے صاحب کو برا کیوں کہتے ہیں' آپ نے پوچھا تمہارا صاحب کون ہے؟ انھوں نے کہا عیسیٰ (علیہ السلام) آپ نے فرمایا میں ان کے متعلق کیا کہوں وہ اللہ کے بندے ہیں'! انھوں نے کہا نہیں وہ اللہ ہے' آپ نے فرمایا ان کے لیے اللہ کا بندہ ہونا عار نہیں ہے' انھوں نے کہا نہیں بلکہ عار ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں عار نہیں سمجھیں گے اور نہ مقرب فرشتے۔ [1]

۱۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۲۶۲ مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس کے بعد اللہ نے فرمایا اور نہ مقرب فرشتے (اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار سمجھیں گے)۔

امام رازیؒ متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عیسائیوں کو حضرت عیسیٰؑ کے خدا ہونے یا خدا کا بیٹا ہونے کا شبہ اس وجہ سے ہوتا تھا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) غیب کی خبریں دیتے تھے' اور ان سے کئی امور خارقہ للعادت ظاہر ہوئے۔ انھوں نے مردوں کو زندہ کیا اور بیماروں کو تندرست کیا' اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ صرف اتنی قدر سے کسی کو اللہ کی عبادت سے عار نہیں آتی۔ دیکھو ملائکہ مقربین کو اس سے زیادہ غیب کا علم ہے کیونکہ وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں' اور ان کی قوت بھی بہت زیادہ ہے' کیونکہ ان میں آٹھ فرشتے اللہ کے عظیم عرش کو اٹھائے رہتے ہیں' پھر جب مقرب فرشتے اس قدر عظیم علم اور قدرت کے حامل ہونے کے باوجود اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اس سے کم علم اور کم قدرت کے ساتھ متصف ہونے پر کیسے اللہ کی عبادت کرنے کو باعث عار قرار دیں گے؟

نبیوں کے فرشتوں سے افضل ہونے کی بحث

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مقرب فرشتوں کا علم اور ان کی قدرت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے زیادہ ہے تو ثابت ہو گیا کہ فرشتوں کو نبیوں پر فضیلت حاصل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انبیاء (علیہم السلام) فرشتوں سے افضل ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کو فرشتوں سے زیادہ اجر و ثواب حاصل ہوگا' اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقرب فرشتوں کا علم اور ان کی قدرت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے زیادہ ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان

کا اجر وثواب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے زائد ہے۔ [1]

علامہ سید محمود آلوسی حنفیؒ متوفی ۱۲۷۰ھ نے معتزلہ کے جواب کی زیادہ عمدہ تقریر کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر مقرب فرشتہ نبی سے افضل ہے اور اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مقرب فرشتے مل کر بہ حیثیت مجموع مسیح سے افضل ہیں۔ اس لیے یہ ہوسکتا ہے کہ ہر نبی ہر مقرب فرشتہ سے افضل ہو اور مقرب فرشتوں کا مجموعہ کسی ایک نبی سے افضل ہو، دوسرا جواب سب سے عمدہ ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا خدا یا خدا کا بیٹا اس لیے کہتے تھے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ بغیر باپ کے پیدا ہونے سے زیادہ عجیب وغریب وہ فرشتے ہیں جو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے اور ملائکہ مقربین ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تو جب وہ اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھے تو مسیح (علیہ السلام) جو صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے وہ عبادت کرنے کو کیسے باعث عار قرار دیں گے!۔ [2]

ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ "لن یستنکف" سے مراد ہے کہ وہ ہرگز تکبر نہیں کریں گے۔

ابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویہ وابونعیمؒ نے الحلیہ میں واسماعیلؒ نے اپنی معجم میں (ضعیف سند کے ساتھ) ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا لفظ آیت "فیوفیھم اجورھم ویزیدھم من فضلہ" میں "اجورھم" سے مراد ہے کہ (اللہ تعالیٰ) ان کو جنت میں داخل فرمائیں گے (اور فرمایا) "ویزیدھم من فضلہ" کہ وہ شفاعت کرے گا ان لوگوں کے بارے میں کہ جن

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۴۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

۲۔ (روح المعانی جز ۶، ص ۴۰۔۳۸ ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

کے لیے آگ واجب ہو چکی تھی۔ جنہوں نے ایمان والوں سے دنیا میں حسن سلوک کیا ہوگا۔

﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾ ﴾

پس جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے تو اللہ انھیں ان کا پورا پورا اجر دے گا اور اپنے فضل سے انھیں مزید عطا کرے گا۔ اور رہے وہ لوگ جنھوں نے بندگی کو عار سمجھا اور تکبر کیا پس اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا۔ اور وہ نہ پاویں گے اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔

یعنی ایمان اور عمل صالح والوں کے لئے کم از کم یہ وعدہ ہے کہ ان کے اعمال کی جزا بہر حال دی جائے گی یعنی جنت کا داخلہ اور ہر عمل کے مطابق جنت کی کوئی نعمت۔ پھر جس کے عمل میں جس قدر اخلاص زیادہ ہو اسی قدر اسے فضل بھی زیادہ دیا جائے گا۔ بسا اوقات کسی کا چھوٹا عمل اپنے اخلاص کے سبب دوسروں کی زندگی بھر کے اعمال سے بھاری ہو جاتا ہے جیسے ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے کہ "اگر کوئی شخص راہ خدا میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے کسی صحابی کے مٹھی بھر جو خرچ کرنے

کے برابر نہیں ہوسکتا۔ [1]

اور جو لوگ اللہ پر ایمان لانے سے تکبر کریں اور اس کی عبادت سے عار کھائیں تو اللہ انھیں جہنم میں جمع کرے گا اور روز قیامت کوئی ان کا نہ دوست ہوگا نہ مددگار۔ دوست اور مددگار میں یہ فرق ہے کہ کبھی ایک شخص کی ہم سے دوستی و محبت ہوتی ہے مگر وہ ہماری مدد نہیں کرسکتا مطلب یہ کہنا ہے کہ روز قیامت کفار کی مدد کرنا تو کجا کوئی ان سے اظہار دوستی بھی نہ کرے گا۔ معلوم ہوا روز قیامت مومنوں کے لئے دوست بھی ہوں گے اور مددگار بھی۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ان کا اجر یہ ہے کہ اللہ انھیں جنت میں داخل کردے گا اور اپنے فضل سے جو ان کو زیادہ اجر دے گا' وہ ان لوگوں کے لیے شفاعت کرنا ہے جنہوں نے ان کے ساتھ دنیا میں کوئی نیکی کی تھی۔ [2]

حافظ الہیثمیؒ متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عبداللہ الکندی ہے اس کی امام ذہبی نے تضعیف کی ہے' اور حدیث کے بقیہ تمام راوی ثقہ ہیں۔ [3]

واضح رہے کہ فضائل میں اس قسم کا ضعف استدلال میں مضر نہیں ہے' البتہ حلال اور حرام سے متعلق روایات میں بہت احتیاط کی جاتی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَ یَزِیۡدُہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ: یعنی

۱۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

۲۔ (المعجم الکبیر ج ۱۰' رقم الحدیث: ۱۰۴۶۲' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

۳۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳)

ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ انھیں ان کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بنی آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے، سوائے روزے کے کہ وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ [۱]

سیدنا خریم بن فاتکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ پر (جہاد) میں کوئی نفقہ دے تو اس کا اجر سات سو گنا لکھا جائے گا۔ [۲]

سیدنا ابو مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لگام ڈالی اونٹنی لایا اور کہا یہ جہاد کے لیے قبول کر لیجیے۔ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اس اونٹنی کے بدلے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمھیں سات سو اونٹنیاں عطا فرمائے گا جو سب کی سب لگام والی ہوں گی۔ [۳]

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا : ارشاد فرمایا : (وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ) (المومن : ٦٠) "اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بیشک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

۱۔[مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام: 1151 / 161]

۲۔[ترمذی، کتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء فی فضل النفقة فی سبیل الله: 1625۔ مستدرک حاکم: 87 / 2۔ ح: 2441]

۳۔[مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الصدقة فی سبیل الله وتضعیفها: 1892]

"وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا : ارشاد فرمایا : (وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ)(الفاطر:٣٦)"اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ان سے اس کا کچھ عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ایسے ہی ہر ناشکرے کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔" اور فرمایا: (هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَ لَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا وَ لَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا)(الفاطر:٣٩)"وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں جانشین بنایا، پھر جس نے کفر کیا تو اس کا کفر اسی پر ہے اور کافروں کو ان کا کفر ان کے رب کے ہاں ناراضی کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتا اور کافروں کو ان کا کفر ان کے رب کے ہاں خسارے کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتا۔" اور فرمایا: (اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (٢١) لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا (٢٢) لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا (٢٣) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا (٢٤) اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا (٢٥) جَزَآءً وِّفَاقًا (٢٦) اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا (٢٧) وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا (٢٨) وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا (٢٩) فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (٣٠)(النباء:٢١ تا ٣٠)"یقیناً جہنم ہمیشہ سے ایک گھات کی جگہ ہے۔ سرکشوں کے لیے ٹھکانا ہے۔ وہ مدتوں اسی میں رہنے والے ہیں۔ نہ اس میں کوئی ٹھنڈ چکھیں گے اور نہ کوئی پینے کی چیز۔ مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔ پورا پورا بدلہ دینے کے لیے۔ بلاشبہ وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے۔ اور انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، بری طرح جھٹلانا۔ اور ہر چیز، ہم نے اسے لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ پس چکھو کہ ہم تمھیں عذاب کے سوا ہرگز کسی

چیز میں زیادہ نہیں کریں گے۔"

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ ﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل آ چکی ہے، اور ہم نے تمہاری طرف ایک واضح روشنی نازل کی ہے۔ (۱۷۴) پس (اس کے بعد) جو لوگ ایمان لے آئے اللہ پر، اور انھوں نے مضبوط پکڑ لیا اس (کی رسی) کو، تو وہ عنقریب ہی انھیں داخل فرمائے گا اپنی عظیم الشان رحمت، اور فضل میں، اور وہ انھیں ڈال دے گا اپنے تک پہنچنے والی سیدھی راہ پر۔ (۱۷۵)

ربط آیت: اس سے پہلی آیتوں میں سیدنا محمد کی نبوت اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق کفار، منافقین اور یہود و نصاریٰ کے تمام شبہات کا ازلہ کیا اور اب اس آیت میں اس وقت کے تمام فرقوں کو عمومی طور پر آپ کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا، اس آیت میں فرمایا ہے کہ تمہارے پاس برہان یعنی قوی دلیل آ گئی اس سے مراد محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات گرامی ہے اور یہ جو فرمایا ہے

تمہاری طرف نور مبین نازل کیا گیا ہے۔اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

کافروں کے تمام گروہوں کے عقائد کی تردید کرنے کے بعد اللہ نے تمام بنی نوع انسان کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور کہا کہ ان کی نبوت کی صداقت پر حجت تمام ہو چکی اور حق کو واضح کرنے والا نور (قرآن کریم) آچکا۔اب جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں گے اور اپنے تمام امور میں اسی پر بھروسا کریں گے تو اللہ ان کے حال پر رحم کرے گا، انھیں جنت میں داخل کرے گا اور ان کے درجات بلند کرے گا اور صراط مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کرے گا۔

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا: قرآن مجید رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کی بہت بڑی دلیل ہے، یہی وہ نور ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کیا گیا اور جس کی روشنی میں چل کر لوگ منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں، ارشاد فرمایا: (فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)(الاعراف:۱۵۷)"سو وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے اور اسے قوت دی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" اور فرمایا: (يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (۱۵) يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۱۶) (المائدۃ: ۱۵،۱۶)"اے اہل کتاب! بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے، جو تمہارے لیے ان میں سے بہت سی باتیں کھول کر بیان کرتا ہے، جو تم کتاب

میں سے چھپایا کرتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آئی ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیچھے چلیں، سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور انھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔" اور فرمایا: (فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ) (التغابن: ۸) "سو تم اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، خوب باخبر ہے۔"

سیدنا ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "نبیوں میں سے ہر نبی کو جو معجزہ دیا گیا اسی کے مطابق لوگ اس پر ایمان لائے اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ وحی ہے جو اللہ نے میری طرف کی ہے لہٰذا میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میں پیروکاروں کے لحاظ سے ان انبیاء سے بڑھ جاؤں گا۔"[۱]

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (جان لو!) میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے اگر تم نے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے کتاب اللہ۔[۲]

طلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے پوچھا، کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کوئی وصیت کی تھی؟ انھوں نے کہا، نہیں۔ تو میں نے کہا، یہ کیا کہ لوگوں پر تو وصیت فرض کی گئی اور انھیں حکم دیا گیا کہ وہ وصیت کریں، جبکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وصیت نہیں کی؟ انھوں نے

۱۔ [بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی واول مانزل؟ 4981]

۲۔ مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی: 1218]

کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کتاب اللہ (کو مضبوطی سے تھامنے) کی وصیت کی تھی۔ [1]

ابن ابی شیبہؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا کہ جب وہ رات کو حرکت کرتے تھے تو یہ پڑھتے تھے لفظ آیت "یایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا"۔

ابن عساکرؒ نے سفیان ثوریؒ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں جس کا نام ان کو یاد نہیں رہا کہ لفظ آیت "قد جاءکم برھان من ربکم" سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مراد ہیں (اور) "الیکم نورا مبینا" سے کتاب مراد ہے۔

ابن جریر وابن المنذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ "برھان من ربکم" میں "برھان" سے حجت مراد ہے۔

ابن جریر وابن المنذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت "قد جاءکم برھان من ربکم" میں "برھان" سے گواہ مراد ہے اور "وانزلنا الیکم نورا مبینا" سے یہ قرآن مراد ہے۔

ابن جریر وابن المنذرؒ نے ابن جریجؒ سے روایت کیا کہ "واعتصموا بہ" سے مراد قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے اور انھوں نے اس (کے دامن رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انھیں اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا۔ (النساء:۱۷۵)

جب اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا والوں پر سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رسول ہونا اور قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شریعت پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ کی شریعت کو مضبوطی سے پکڑ

۱۔ [بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب الوصاۃ بکتاب اللہ عزوجل:5022]

لیں' اور ان سے آخرت میں اجر وثواب کا وعدہ فرمایا' اللہ پر ایمان لانے کا معنی ہے کہ اللہ کی ذات' صفات' اس کے اسماء اس کے احکام اور اس کے افعال پر ایمان لایا جائے' اور اللہ کے دامن رحمت کو مضبوطی سے پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کو اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ بتائے گا' اس آیت میں ان سے تین وعدے کیے ہیں رحمت' فضل اور ہدایت کے' حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا رحمت سے مراد جنت ہے' اور فضل سے مراد جنت کی وہ نعمتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا' اور صراط مستقیم کی ہدایت سے مراد ہے دین مستقیم کی ہدایت' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صراط مستقیم کی ہدایت سے مراد ہو اللہ عزوجل کی ذات کا دیدار اور عالم قدس کے انوار' یعنی پہلی دو نعمتیں جسمانی لذتوں پر مشتمل ہیں اور آخری نعمت روحانی لذت کے حصول کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "فاما الذین امنوا باللہ واعتصموا بہ"۔ یعنی گناہوں سے اجتناب کیا اور قرآن کو مضبوطی سے پکڑا جب کتاب کو مضبوطی سے پکڑا تو کتاب اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مضبوطی سے پکڑا بعض علماء نے فرمایا: انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑا العصمۃ کا معنی رکنا ہے، یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے، (آیت) "یھدیھم یعنی وہ انھیں ہدایت دے گا ھو کو مضمر کر دیا تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ کلام کا ماقبل سے تعلق نہیں ہے، الیہ یعنی اس کے ثواب کی طرف بعض علماء نے فرمایا حق کی طرف تا کہ وہ اس کو پہچان لیں۔ (آیت) "صراطا مستقیما"۔ یعنی دینا مستقیما صراطا فعل کے اضمار کی وجہ منصوب ہے جس پر یھدیھم دلالت کرتا ہے، تقدیر کلام اس طرح ہوگی، ویعرفھم صراط مستقیما یعنی وہ انھیں صراط مستقیم کی پہچان کراتا ہے بعض نے فرمایا: یھدیھم الی ثوابہ صراط مستقیما کی تقدیر پر دوسرا مفعول ہوگا، بعض نے فرمایا: یہ حال ہے اور الیہ میں ضمیر بعض علماء نے فرمایا: قرآن کے

لیے ہے۔ بعض نے کہا: فضل کے لیے ہے، بعض نے فرمایا: رحمت کے لیے ہے، کیونکہ یہ دونوں ثواب کے معنی میں ہیں۔ بعض نے فرمایا: مضاف کے حذف پر اللہ کے لیے ہے جیسا کہ گزر چکا ہے کہ اس کا معنی ہے یھدیھم الی ثوابہ، ابوعلی نے کہا: اسم جلالت جو پہلے گزر چکا ہے اس کی طرف راجع ہے، معنی ہے یھدیھم الی صراطہ جب ہم پر صراطا مستقیما کو حال کی بنا بنا پر نصب دیں گے تو اس محذوف سے حال ہوگا اور وفضل میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ثواب کے ساتھ فضل فرماتا ہے، کیونکہ اگر یہ عمل کے مقابلہ میں ہوتا تو فضل نہ ہوتا۔ واللہ اعلم۔

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ﴾

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں کہو اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے کلالہ (کی میراث) کے بارے میں۔ اگر کوئی ایسا آدمی فوت ہو جائے جس کی کوئی اولاد

نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کا نصف حصہ ہے اس کے ترکہ میں سے اور وہ اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر اس بہن کی کوئی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر دو بہنیں ہیں تو ان دونوں کو دو تہائی ملے گا اس سے جو اس نے چھوڑا اور اگر وارث ہوں بہن بھائی مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد (بھائی) کا حصہ دو عورتوں (بہنوں) کے حصہ کے برابر ہے۔ بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

شان نزول: (آیت) "یستفتونک قل اللہ"

امام نسائیؒ نے ابوالزبیرؒ کے واسطہ سے حضرت جابرؓ سے روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی بہنوں کے لیے تہائی مال کی وصیت کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا بہت اچھا ہے، پھر میں نے عرض کیا کہ آدھے مال کی وصیت کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا بہت ہی اچھا ہے، اس کے بعد آپ باہر تشریف لے گئے پھر میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تمہیں اس بیماری میں موت نہیں آئے گی اور تمہاری بہنوں کو جو حصہ ملنا چاہیے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرما دیا اور وہ دو ثلث ہے۔

حضرت جابرؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یعنی لوگ آپ سے حکم

دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں، اس سورت کے شروع میں جو حضرت جابرؓ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس کے علاوہ دوسرا واقعہ ہے۔ اور ابن مردویہؒ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا کہ کلالہ کی میراث کا کیا ہوگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں۔ (الخ)

جب تم اس سورت کی تمام آیات کے ان اسباب نزول پر غور کرو گے جو ہم نے بیان کیے ہیں تو اس قول کی تردید سے اچھی طرح واقف ہو جاؤ گے جو سورہ نساء کو مکی سورت کہتا ہے۔ (یعنی یہ مدنی سورہ ہے نہ کہ مکی)

آخری سورت اور آخری آیت کی تحقیق:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت براء بیان کرتے ہیں کہ جو سورت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ سورہ توبہ ہے اور جو آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ "یستفتونک" (النساء:۱۷۶) ہے۔ [۱]

امام ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکیؒ متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابیؒ نے کہا کہ ایک قول یہ ہے کہ آخری سورت النصر ہے' اس کے نزول کے وقت میں کئی اقوال ہیں۔ حق کے زیادہ قریب حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ یہ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی اس کو سورہ التودیع بھی کہتے ہیں' اس کے بعد (آیت) "الیوم اکملت لکم دینکم"۔ (المائدہ:۳) نازل ہوئی' اس کے بعد

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث:' ۴۶۰۵' صحیح مسلم ج ۳' رقم الحدیث:' ۱۶۱۸' سنن ابوداؤد ج ۳' رقم الحدیث:' ۲۸۸۸' سنن ترمذی ج ۴' رقم الحدیث:' ۳۰۵۲)

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسی (۸۰) دن زندہ رہے' اس کے بعد (آیت) "یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ"۔ (النساء:۱۷۶) نازل ہوئی۔ اس کے بعد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پچاس دن زندہ رہے' پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) "لقد جاءکم رسول من انفسکم"۔ (التوبہ: ۱۲۸) اس کے بعد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پینتیس (۳۵) دن زندہ رہے' پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) "واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ" (البقرہ:۱۲۸) اس کے بعد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اکیس دن زندہ رہے اور مقاتلؒ نے کہا سات دن زندہ رہے' یہ ترتیب ابوالفضل محمد بن یزیدؒ نے ذکر کی ہے۔ [۱]

اس تحقیق کے اعتبار سے سورہ النساء کی اس آیت کو جو آخری آیت کہا گیا ہے اس سے مراد آخری اضافی ہے۔

کلالہ کا لغوی معنی

علامہ سید محمد مرتضی حسینی زبیدی حنفیؒ متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

کلالہ اس مورث کو کہتے ہیں جس کا نہ والد (ماں باپ) زندہ ہو نہ اولاد ہو' یا کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد ہو' جیسے عم زاد بھائی' یا اخیافی بھائی بہن' ازہریؒ نے کہا کہ سورہ نساء میں دو جگہ کلالہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (آیت) "۱۲: اور آیت: ۱۷۶ میں' آیت: ۱۲ میں فرمایا اگر ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کیا جائے جو کلالہ ہو' اور اس کلالہ کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے پس اگر وہ (اخیافی بہن یا بھائی) ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی

۱۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۵۶۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں شریک ہیں اور آیت: ۱۷۶ میں فرمایا: آپ کہئے اللہ تمہیں کلالہ میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر ایسا مرد فوت ہو جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو' اور اس کی ایک (حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ سے نصف ملے گا' اور وہ اس (بہن) کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو۔ الآیہ۔

ابن الاعرابی ؒ سے منقول ہے کہ دور کے عم زاد کو کلالہ کہتے ہیں اور اخفش ؒ نے فراء سے نقل کیا ہے کہ والد (ماں باپ) اور اولاد کے سوا قرابت داروں کو کلالہ کہتے ہیں' اور ان کو کلالہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ میت کے نسب کے گرد قرابت کی جہت سے گھومتے رہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کے والد (ماں باپ) اور ولد ساقط ہو جائیں وہ کلالہ ہے' نیز کل کا معنی تھکنا ہے اور ضعیف کو تھکنا لازم ہے' یہاں لازم بول کر ملزوم مراد لیا ہے کیونکہ جو وارث اصول اور فروع نہ ہوں وہ ضعیف ہوتے ہیں۔ اس لیے کلالہ کا معنی ہے ضعیف وارث۔ [1]

کلالہ کا شرعی معنی

علامہ ابو سلیمان خطابی ؒ متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر صحابہ ؓ کا یہ قول ہے کہ جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد ہو وہ کلالہ ہے' حضرت عمر بن خطاب ؓ کے اس میں دو قول ہیں ایک قول جمہور صحابہ ؓ کی مثل ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے جسکی اولاد نہ ہو اور یہ ان کا آخری قول ہے۔ امام عبد الرزاق ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے ان کو موت کے وقت یہ وصیت کی کہ کلالہ تمہارے قول کے مطابق ہے' حضرت ابن عباس ؓ نے کہا میرا کیا قول ہے تو انھوں نے کہا جس شخص کی اولاد نہ ہو' حسن ؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن

۱۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۱۰۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عباسؓ سے سوال کیا کہ کلالہ کون ہے؟ انھوں نے کہا والد اور ولد کے ماسوا کلالہ ہے' میں نے کہا اللہ عزوجل تو فرماتا ہے (آیت) "ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد"۔ (النساء:۱۷۶) "اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو۔" (یعنی اس آیت میں کلالہ کی تعریف میں والد کی نفی کا ذکر نہیں ہے) حضرت ابن عباسؓ ناراض ہوئے اور مجھے جھڑک دیا' میں کہتا ہوں اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں کلالہ کی تعریف کی گئی ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس میں والد کی نفی کا ذکر نہیں ہے' اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کلالہ کی تعریف میں والد کی نفی حضرت جابر بن عبداللہؓ کی حدیث سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ آیت ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت حضرت جابرؓ کی اولاد تھی نہ والد زندہ تھے۔؛ (حضرت جابرؓ کی اس وقت والدہ بھی زندہ نہیں تھیں۔ اس لیے کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ ماں باپ زندہ ہوں نہ اولاد ہو)۔ [1]

کلالہ کے متعلق حضرت جابرؓ کی حدیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے اس وقت میں بیمار تھا ہوش میں نہیں تھا' آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے ہوش آ گیا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میری میراث کس کے لیے ہوگی؟ میرا وارث تو کلالہ ہوگا! تو فرائض کی آیت نازل ہوگئی۔ صحیح مسلم میں ہے یہ آیت نازل ہوئی (آیت) "یستفتونک قل اللہ یفتیکم

۱۔ (معالم السنن علی مختصر سنن ابوداؤد ج ٤ ص ١٦٤۔١٦٣' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

فی الکلالۃ"۔(النساء:۱۷۶)۔ [۱]

اس حدیث میں صالحین کی استعمال شدہ اشیاء اور آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے' اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برکت کے آثار کا ظہور ہے' اور یہ کہ اکابر کو اصاغر کی عیادت کرنی چاہیے اور اہل علم سے مسائل معلوم کرنا چاہیے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کلالہ وہ ہوتا ہے جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد' کیونکہ اس وقت حضرت جابرؓ کی صرف بہنیں تھیں' نہ والدین تھے نہ اولاد۔ کلالہ کی تعریف میں جہاں یہ کہا ہے کہ اس کا والد نہ ہو اس سے ماں اور باپ دونوں مراد ہیں اور جہاں یہ کہا ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ نہ اس کا بیٹا ہو نہ بیٹی۔ [۲]

مناسبت: اس سورت کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے اموال اور میراث کے احکام بیان کئے تھے اور اس کے آخر میں بھی میراث کے احکام بیان کیے ہیں' تاکہ سورت کے اول اور آخر میں مناسبت ہو' اور اس سورت کے وسط میں یہود' نصاریٰ اور منافقین کا رد فرمایا ہے اور ان کے شبہات کو زائل فرمایا ہے۔

کلالہ کی وراثت کے چار احوال

جو شخص کلالہ ہونے کی حالت میں فوت ہو اس آیت میں اس کے بھائیوں اور بہنوں کی وارثت کے چار احوال بیان فرمائے ہیں:

(۱) ایک شخص فوت ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو' تو اس کو اس کے ترکہ میں سے نصف ملے گا پھر اگر

۱۔(صحیح البخاری ج۱' رقم الحدیث:۱۹۴' صحیح مسلم ج۳' رقم الحدیث:۱۶۱۶' سنن ابوداؤد ج۲' رقم الحدیث:۲۸۸۶' سنن ترمذی ج۴' رقم الحدیث:۲۱۰۴' سنن ابن ماجہ ج۲' رقم الحدیث:۲۷۲۸' مسند احمد ج۵' رقم الحدیث:۱۴۱۹' مسند حمیدی ج۲' رقم الحدیث:۱۲۲۹)

۲۔(التفسیر المنیر جز۶ ص۵۷)

اس کے عصبات ہیں تو باقی ترکہ ان کو ملے گا ورنہ وہ باقی نصف بھی اسی بہن کو مل جائے گا۔

(۲) ایک عورت فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو اس عورت کا تمام مال اس بھائی کو مل جائے گا' اسی طرح اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو وہ بھی اس کے تمام ترکہ کا وارث ہوگا۔

(۳) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کی صرف دو یا دو سے زائد حقیقی یا علاتی بہنیں ہوں تو ان بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

(٤) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کے وارث صرف بھائی اور بہن ہوں تو ان بہن بھائیوں میں اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا بایں طور کہ مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

ایک اشکال کا جواب: اس کے بعد ارشاد ہے:

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنے احکام) بیان فرماتا ہے کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔ بظاہر اس پر اشکال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ کراہیت مضاف محذوف ہے اور معنی یہ ہے اللہ تمہارے لیے (احکام) بیان فرماتا ہے تمہاری گمراہی کو ناپسند کرتے ہوئے جیسے قرآن مجید میں ہے وسئل القریۃ (یوسف: ۸۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حرف نفی محذوف ہے اور معنی ہے اللہ (احکام) بیان فرماتا ہے کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ جیسے (آیت) "ان اللہ یمسک السموت والارض ان تزولا ای لئلا تزولا (فاطر: ٤١) میں ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تمہارے لیے گمراہی کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم جان لو کہ یہ گمراہی ہے اور اس سے اجتناب کرو۔

سورت نساء کے اول اور آخر میں مناسبت:

اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے اور اس سورت کے آخر میں فرمایا اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور یہ آیت اللہ کے کمال علم پر دلالت کرتی ہے اور علم اور قدرت ہی دو ایسے وصف ہیں جن پر بناء الوہیت ہے' کیونکہ جس کو علم نہ ہو کہ اس کی مخلوق اس کی اطاعت کر رہی ہے یا نہیں وہ خدا نہیں ہوسکتا اور جس کو علم تو ہو لیکن وہ اطاعت کرنے والوں کو جزا دینے پر اور نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے پر قادر نہ ہو وہ بھی خدا نہیں ہوسکتا' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء (علیہم السلام) سے خصوصیت کے ساتھ ان کے ذاتی علم اور ذاتی قدرت کی نفی کی ہے' حالانکہ ان کا کوئی وصف بھی ذاتی نہیں ہے۔

سورہ مائدہ

سورہ المائدہ قرآن مجید کی ترتیب مصحف کے اعتبار سے پانچویں سورت ہے قراء کوفیین کے نزدیک اس میں ایک سو بیس آیتیں ہیں' ہمارے پاس جو قرآن مجید کے نسخے ہیں' ان میں ایک سو بیس آیتیں ہی لکھی ہوئی ہیں اور حجازیین کے نزدیک اس میں ایک سو بائیس آیتیں ہیں اور بصریین کے نزدیک اس میں ایک سو تیس آیتیں ہیں۔ یہ اختلاف صرف آیتوں کے گننے کی وجہ سے ہے' ورنہ سب کے نزدیک سورہ المائدہ کی وہی آیتیں ہیں جو اس میں درج ہیں البتہ بعض کے نزدیک یہ آیتیں ایک سو بیس ہیں' بعض کے نزدیک ایک سو بائیس اور بعض کے نزدیک ایک سو تیس آیتیں ہیں اور اس میں بالاتفاق سولہ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کو مائدہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اس مائدہ (خوان) کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوا تھا۔ اس کا نام سورہ عقود بھی ہے۔ کیونکہ اس کی پہلی آیت میں عقود (عہدوں) کو پورا کرنے کی تاکید ہے۔

زمانہ شان نزول

سورہ المائدہ مدنی ہے۔ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کی بعض آیتیں حدیبیہ سے لوٹتے وقت مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورت کی ابتدا میں عمرہ اور حج کے آداب اور احکام بیان کیے گئے ہیں ٦ ھ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے' جسے حدیبیہ کہتے ہیں۔ وہ گاؤں بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اس مقام پر کفار نے مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا اور حسب ذیل شرائط پر صلح کی:

(١) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(٢) اگلے سال عمرہ کرنے آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

(٣) ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں' وہ بھی نیام میں ہو اور نیام بھی تھیلے میں ہو۔

(٤) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں' ان میں کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

(٥) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو اس کو واپس کر دیا جائے' لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

(٦) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں' معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔ [1]

سات ہجری کو مسلمانوں نے عمرۃ القضاء کیا اور نو ہجری میں مسلمان فرضیت حج کے بعد پہلی بار حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کو عمرہ اور حج کے آداب احکام بتائے جاتے۔ کافروں کے بہت سے قبائل مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں سے گزر کر حج کے لیے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔ اس لیے یہ ہوسکتا تھا کہ جس طرح کافروں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے اور زیارت بیت اللہ سے روک دیا تھا' کہیں مسلمان بھی کافروں کو زیارت حرم سے نہ روک دیں۔ اس لیے ان کو اس معاملہ میں بھی ہدایت دینی تھی۔ سورہ المائدہ کی ابتدائی آیات میں اسی نوع کا مضمون بیان فرمایا ہے۔

اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو' تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا' لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا' بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو' اور نہ حرمت والے مہینہ کی' اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی' اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں (قربانی کی علامت کے) پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں' اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس پر نہ اکسائے کہ انھوں نے تمہیں مسجد حرام میں آنے سے روک دیا تھا' تو تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو، اور تم نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (المائدہ: ۲۔۱)

۱۔ (صحیح البخاری ج ۳' رقم الحدیث: ۲۶۹۹' ۲۷۰۰' ۲۷۰۱' صحیح مسلم ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۸۴' ۱۷۸۳' سبل الھدی والرشاد ج ۵' ص ۵۲۔ ۵۱)

ان آیات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورہ المائدہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی' اس کی بعض آیات حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ان سے کہا: اے امیر المومنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس کی آپ لوگ تلاوت کرتے ہیں۔ اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے' آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟ تو یہودی نے کہا (آیت) "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"۔ (المائدہ: ۳)

حضرت عمر ؓ نے فرمایا ہمیں معلوم ہے وہ کون سے دن نازل ہوئی تھی؟ اور کس مقام پر نازل ہوئی تھی؟ یہ آیت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر مقام عرفات میں نازل ہوئی تھی اور وہ جمعہ کا دن تھا۔ [1]

نیز امام ترمذی ؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ؓ نے اس آیت کو پڑھا (آیت) "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"۔ (المائدہ: ۳) اور ان کے پاس ایک یہودی تھا۔ اس نے کہا' اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن تو عید بنا لیتے۔ حضرت عباس ؓ نے فرمایا یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے۔ جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن۔ امام ترمذی ؒ نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے اور حدیث ابن عباس ؓ صحیح ہے۔ [2]

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی ؒ متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں میرے نزدیک امام

۱۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث: ۴۵' صحیح مسلم ج ۴' رقم الحدیث: ۳۰۱۷' سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۴' سنن نسائی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۰۲' سنن کبری للنسائی' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۱۱۱۳۷' سنن کبری للبیہقی' ج ۵' ص ۱۱۸)

۲۔ (سنن ترمذی' ج ۵' رقم الحدیث: ۳۰۵۴' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

بخاریؒ نے اس حدیث میں اشارہ پر اکتفاء کیا ہے' ورنہ امام اسحاقؒ کی قبیصہ سے روایت میں یہ تصریح ہے کہ یہ روایت جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے اور الحمدللہ! یہ دونوں دن ہمارے لیے عید ہیں اور اسی طرح امام ترمذیؒ کی آیت میں ہے کہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن عید میں"۔ [1]

حافظ جلال الدین سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں' امام احمد و ترمذیؒ نے سند حسن کے ساتھ اور امام حاکمؒ نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام ابن مردویہؒ نے اور امام بیہقیؒ نے اپنی "سنن" میں' حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی' وہ سورہ المائدہ اور سورہ الفتح ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی "مسند" میں امام بغویؒ نے اپنی "معجم" میں امام ابن مردویہؒ نے اور امام بیہقیؒ نے "دلائل النبوۃ" میں ام عمرو بنت عبسؓ، سے اور انھوں نے اپنے عم محترمؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک سفر میں جا رہے تھے تو سورہ المائدہ نازل ہوئی اور اس کے ثقل سے آپ کی اونٹنی عضباء کا شانہ ٹوٹ گیا۔

امام ابوعبیدؒ نے محمد بن کعب القرظیؒ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر مکہ اور مدینہ کے درمیان حجۃ الوداع میں سورہ المائدہ نازل ہوئی' اس وقت آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے' اس کا شانہ ٹوٹ گیا' اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے اتر گئے۔

امام سعید بن منصور اور امام ابن المنذرؒ نے ابومیسرہؒ سے روایت کیا ہے کہ جو سورت آخر میں نازل ہوئی' وہ المائدہ ہے اس میں سترہ فرائض ہیں۔

۱۔ (فتح الباری ج ۱' ص ۱۰۵' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

امام فریابی اور امام ابن المنذرؒ نے ابو میسرہؒ سے روایت کیا ہے کہ المائدہ میں اٹھارہ ایسے فرائض ہیں جو کسی اور سورت میں نہیں ہیں' اور اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

امام احمدؒ ' امام نسائیؒ ' امام ابن المنذر اور امام بیہقیؒ ' نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ جبیر بن نفیرؒ کہتے ہیں کہ میں حج کرنے کے بعد حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا اے جبیر! کیا تم المائدہ کی تلاوت کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں! حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ آخری سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جو حلال ہے' تو اس کو حلال سمجھو اور اس میں جو حرام ہے' تو اس کو حرام سمجھو۔ [1]

ان احادیث کو پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات تک یعنی ۷ھ سے لے کر ۱۰ھ تک سورہ المائدہ کے نزول کا زمانہ ہے۔

سورہ النساء اور المائدہ میں ارتباط اور مناسبت

سورہ النساء اور سورہ المائدہ دونوں میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ' منافقین اور مشرکین کے اعتراضوں کے جوابات بیان کیے گئے ہیں اور ان کے باطل عقائد اور نظریات کا رد کیا گیا ہے اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت اور رسالت کو ثابت فرمایا ہے۔

ان دونوں سورتوں میں عقود اور عہود کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورہ النساء میں عقد نکاح' عقد امانت' عقد وصیت عقد وکالت اور عقد اجارہ کو پورا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور سورہ النساء کی ابتداء عقد کو پورا کرنے کے حکم سے کی گئی ہے سورہ النساء میں تحریم خمر (انگوری شراب) کی تمہید بیان کی تھی اور سورہ المائدہ میں قطعی طور پر خمر کو حرام قرار دیا ہے۔

۱۔ (الدر المنثور' ج ۲ ص ۲۵۲' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

جس طرح سورہ البقرہ اور سورہ آل عمران دونوں سورتوں میں توحید اور رسالت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔
اسی طرح سورہ النساء اور سورہ المائدہ میں مسائل فرعیہ اور احکام شرعیہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔
وضو اور تیمم کے احکام ان دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔ سورہ النساء میں پاک دامن مسلمان عورتوں سے نکاح کے احکام بیان فرمائے ہیں اور سورہ المائدہ میں پاک دامن اھل کتاب عورتوں سے نکاح کے احکام بیان کیے ہیں اور عدل و انصاف کرنے اور تقوی اور پرہیز گاری کا حکم ان دونوں سورتوں میں ہے۔
سورہ المائدہ کھانے پینے' شکار' احرام چوروں اور ڈاکوؤں کی حد اور کفارہ قسم کے احکام میں منفرد ہے۔
جیسے سورہ النساء خواتین کے حقوق' وراثت اور قصاص کے احکام میں منفرد ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع 1: سورت کی ابتدائی آیات میں عہدوں کو پورا کرنے اور حالت احرام میں شکار کی ممانعت ہے۔ پھر شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا گیا ہے اور احرام کھولنے کے بعد شکار کی اجازت کا ذکر ہے۔ اس کے بعد چند حرام چیزوں کا بیان ہے۔ پھر دین اسلام کے مکمل ہونے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس امت کے لیے اسلام کو بطور دین پسند کرنے، حلال جانوروں اور اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے اور اہل کتاب سے رشتہ ازدواجیت کی اجازت کا بیان ہے*۔
رکوع 2: وضو کی فرضیت، تیمم اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی پابندی اور عدل و انصاف قائم کرنے کی تاکید ہے۔ پھر مسلمانوں پر انعام اور کفار پر عذاب کا تذکرہ ہے اور اہل کتاب کو نصیحت ہے ۔آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے چند انعامات یاد دلائے ہیں۔

رکوع 3: بنی اسرائیل سے عہد لینے اور ان کی عہد شکنی پر سزا کا ذکر ہے۔ پھر نصاریٰ سے عہد اور ان کی بدعہدی کی سزا مذکور ہے۔ اہل کتاب کو نصیحت اور یہود و نصاریٰ کے غلط عقائد کا بیان ہے۔

رکوع 4: حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا اپنی قوم سے خطاب، بنی اسرائیل کو ہمت دلانا اور ان کی گستاخی کا ذکر ہے۔ پھر حضرت موسیٰ کی دعا اور بنی اسرائیل کی نافرمانی کا انجام مذکور ہے۔

رکوع 5: ہابیل و قابیل کی قربانی، ہابیل کی نصیحت اور ہابیل کے قتل کا ذکر ہے۔ پھر دفن کی تدبیر، انسانی جان کی حرمت، شرعی سزاؤں اور توبہ کی گنجائش کا بیان ہے۔

رکوع 6: جہاد کی تاکید، کفر کی سزا اور کفار پر عذاب کا ہمیشہ رہنا، چوری کی سزا اور چور کی توبہ کے قبول ہونے کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور کفار کے اسلام نہ لانے پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دلبرداشتہ ہونا، عدل وانصاف قائم کرنے اور یہود کی بداعتقادی کا بیان ہے۔

رکوع 7: احکامات خدواندی کے بدلنے کی ممانعت اور توراۃ کے بعض احکامات کا ذکر ہے۔ پھر توراۃ وانجیل کے اپنے اپنے زمانے میں نافذ العمل ہونے اور قرآن کریم کے قیامت تک واجب العمل ہونے کا بیان ہے۔ آخر میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہود کی نفسانی خواہشات کی پیروی کی ممانعت ہے۔

رکوع 8: یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت، منافقین کے طرز عمل اور ارتداد کے انجام کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دوستی کی تاکید ہے۔

رکوع 9: کفار سے دوستی کی ممانعت اور مسلمانوں کے ساتھ منافقین کے تمسخر کا ذکر ہے۔ پھر یہود و منافقین کی بری خصلتوں اور دھوکہ دہی کا بیان ہے۔ آخر میں یہود کے نیک لوگوں کا تذکرہ ہے۔

رکوع 10: آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تبلیغ دین کا حکم، قلبی اطمینان پانے والوں کا ذکر، یہود کا انبیاء کو قتل کرنا اور سزا سے بے خوف ہونا اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے منسوب غلط عقائد کا بیان ہے ۔باطل معبودوں کی عبادت پر تنبیہ اور دین کے بارے میں اہل کتاب کی من مانی کا ذکر ہے۔

رکوع 11: بنی اسرائیل کے کفار پر لعنت، ان کے برے افعال کا ذکر اور یہود و مشرکین کی عداوت کا بیان ہے۔آخر میں حق کو پہچان کر ایمان لانے والوں اور حق پرستی کے اجر و اصحاب النار کا تذکرہ ہے۔

رکوع 12: دین میں حد سے تجاوز کی ممانعت، حلال وطیب چیز کھانے کا حکم، قسم کے کفارے اور حرام چیزوں کا بیان ہے۔پھر شیطان کی فتنہ پردازیوں اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگوں کا تذکرہ ہے۔

رکوع 13: مومنوں کی آزمائش، حالت احرام میں شکار کی ممانعت اور دریائی شکار کی حلت کا بیان ہے۔ پھر امن واطمینان کے ذرائع اور تبلیغ دین کے بارے میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذمہ داری کا ذکر ہے۔

رکوع 14: فضول سوالات سے اجتناب کی تاکید، شرکیہ رسومات کا ابطال، کفار کے گمراہ خیالات اور موت کے وقت وصی اور گواہ مقرر کرنے کا بیان ہے۔

رکوع 15: قیامت کا حال، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ کے انعامات ۔حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے حواریوں کی جانب سے آسمانی کھانا طلب کرنا اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی دعا سے آسمان سے کھانے کے نزول کا بیان ہے۔

رکوع 16: حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی شرک سے برات، سچے لوگوں کے لیے جنت کی نعمتوں کی بشارت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اعلان ہے۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ۝۱ ﴾

اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، پورا کرو تم اپنے عہدوں کو، حلال کئے گئے تمہارے لیے چوپائے قسم کے سب جانور بجز ان کے جو تمہیں (آگے) سنائے جائیں گے، مگر شکار کو حلال نہ سمجھنا احرام کی حالت میں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔

عقود کا لغوی اور عرفی معنی

عقود عقد کی جمع ہے۔ عقد کا معنی ہے کسی چیز کو پختگی اور مضبوطی کے ساتھ دوسری چیز کے ساتھ واصل کرنا' یا ایک چیز کی دوسری چیز کے ساتھ گرہ باندھنا' عہد کا معنی ہے کسی چیز کو لازم کرنا اور عقد کا معنی ہے پختگی کے ساتھ کسی چیز کا التزام کرنا' یعنی اس لزوم کو ماننا' اور عقود سے مراد وہ عہود ہیں جو اللہ اور بندوں کے درمیان کیے گئے' یا وہ عہود ہیں جو بندوں نے آپس میں عقد بیع اور عقد نکاح وغیرہ کے ساتھ کیے' یا جو لوگوں نے ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے عہد کیے' یا جس چیز پر حلف اٹھا کر عہد کیا۔

عقود کا شرعی معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔اے ایمان والو! اپنے عقود کو پورا کرو' اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات' اس کے احکام اور اس کے افعال کو ماننے اور قبول کرنے کا نام ایمان ہے' اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان والے اس کے تمام احکام پر عمل کریں اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے' ان سے باز رہیں۔لہٰذا جو شخص ایمان لاتا ہے' اس کا ایمان اس عقد اور عہد کو متضمن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو بجالائے گا' تو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم نے اللہ پر ایمان لا کر جس عقد کا التزام کرلیا ہے' اس کو پورا کرو۔

اس آیت میں عقود سے کیا مراد ہے؟ اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔امام ابن جریرؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں' اس کی اطاعت کریں' جن چیزوں کو اس نے حلال کیا ہے' ان کو حلال قرار دیں اور جن کو اس نے حرام کیا ہے' ان کو حرام قرار دیں۔

ابن زید اور زید بن اسلمؒ نے کہا اس سے مراد وہ عقد اور عہد ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔

مثلاً قسم کھا کر معاہدہ کرنا' عقد نکاح اور عقد بیع وغیرہ۔

مجاہدؒ نے بیان کیا اس سے مراد وہ عقود ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے مدد کرنے کے لیے کرتے تھے۔

قتادہؒ نے کہا "اس سے مراد وہ عقود ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے توراۃ اور انجیل میں لیے تھے کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق کریں گے اور آپ کی کتاب پر ایمان لائیں گے"۔ [1]

۱۔(جامع البیان ج ٦ ص ٦٦۔٦٤ مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ)

عقود کی اقسام

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ عقد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اللہ اور بندہ کے درمیان عقد۔

(۲) بندہ اور اس کے نفس کے درمیان عقد۔

(۳) ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ عقد۔

جو عقد اللہ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا موجب عقل ہے یا شرع ہے۔ عقل سے مراد تو بداہت عقل ہے کیونکہ انسان کی عقل میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نور رکھا ہے جس سے انسان اپنے خالق کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور یا عقل سے مراد یہ ہے کہ انسان مخلوق میں غور و فکر کرے تو ہر چیز کا ایک نظم اور ضبط کے ساتھ کام کرنا اور نظام کائنات میں کسی فرق اور رخنہ کا واقع نہ ہونا' زبان حال سے یہ کہنا ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق وحدہ لاشریک ہے' اور یا اس عقد کا موجب شرع ہے اور شرع سے مراد کتاب اور سنت ہے۔ سو کتاب اور سنت میں اللہ تعالیٰ کے جو احکام بیان کیے گئے ہیں' بندہ ایمان لانے کے بعد ان سب پر عمل کرنے کا اللہ سے عقد کر لیتا ہے۔ جو عقد بندہ اور اس کے نفس کے درمیان ہے' اس سے مراد ہے بندہ کا نذر مان لینا ہے۔ اگر وہ کسی عبادت کی اور کار خیر کی نذر مان لیتا ہے تو اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر وہ کسی مباح کام کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے' مثلاً یہ کہ وہ اونٹ کا گوشت یا شہد نہیں کھائے گا تو اس قسم کو پورا کرنا مستحب ہے۔ اور اس کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ کسی معصیت کی یا کسی عبادت کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے تو اس قسم کو پورا کرنا حرام ہے' اور اس کو توڑنا واجب ہے۔

اور جو عقد ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان ہوتا ہے' جیسے عقد بیع' عقد نکاح وغیرہ۔ ان کا حکم معقود علیہ کے اعتبار سے ہے۔ جس چیز پر عقد کیا ہے اگر وہ واجب ہے تو عقد واجب ہے' مثلاً غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہے تو یہ عقد واجب ہے۔ اگر وہ سنت ہے تو عقد سنت ہے' جیسے عام حالات میں عقد نکاح۔ اگر وہ جائز ہے تو عقد جائز ہے' جیسے بیع شراء۔ اگر وہ مکروہ ہے تو عقد مکروہ ہے' جیسے نبیذ کی بیع۔ اگر وہ حرام ہے تو عقد حرام ہے' جیسے خمر اور خنزیر کی بیع ہے۔ اسی طرح عقد اجارہ (کرایہ) کی اقسام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تمہارے لیے ہر قسم کے چار پاؤں والے جانور حلال کیے گئے ہیں۔

بھیمۃ الانعام کا معنی

بھیمۃ اس جاندار کو کہتے ہیں جو بے عقل ہو اور عرف میں یہ سمندر اور خشکی کے چار پاؤں والے جانوروں کے ساتھ خاص ہے اور انعام اونٹ' گائے اور بکریوں کو کہتے ہیں اور جو جانور ان کے ساتھ ملحق ہیں' جیسے بھینس' بھیڑ' اور ہرن وغیرہ۔

قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "اللہ الذی جعل لکم الانعام لترکبوا منھا ومنھا تاکلون" (المؤمن: ۷۹)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے' تاکہ تم ان میں سے بعض کو کھاؤ۔

(آیت) "ومن الانعام حمولۃ وفرشا کلوا مما رزقکم اللہ، ثمنیۃ ازواج من الضان اثنین ومن المعز اثنین، ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین، (الانعام: ۱۴۴، ۱۴۲)

ترجمہ: اور بعض (قد آور) چوپائے (پیدا کیے) بوجھ اٹھانے والے اور بعض زمین سے لگے ہوئے کھاؤ

اس رزق سے جو اللہ نے تمہیں دیا۔ آٹھ جوڑے پیدا کیے' بھیڑ سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) اور اونٹ سے دو پیدا کیے اور گائے سے دو پیدا کیے۔

ان آیتوں میں آٹھ چوپایوں' بھیڑ بکری' اونٹ اور گائے کے جوڑوں پر انعام کا اطلاق فرمایا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے المائدہ کی تیسری آیت میں جن چوپایوں کا استثناء فرمایا ہے' ان کے علاوہ باقی تمام جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کو کھانا اور ان سے بار برداری وغیرہ کے دیگر منافع حاصل کرنا جائز ہیں۔

ابن عباس ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ لفظ آیت اوفوا بالعقود یعنی عہد و پیمان کو پورا کرو جو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا (اس کو حلال جانو) اور جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا (اس کو حرام جانو) اور جو (اللہ تعالیٰ نے) فرض فرمایا اور جو اللہ تعالیٰ نے سارے قرآن میں حدیں مقرر فرمائیں نہ دھوکہ کرو اور نہ وعدہ کو توڑو۔

ابن جریر اور ابن منذر ؒ نے قتادہ ؒ سے لفظ آیت اوفوا بالعقود کے بارے میں روایت نقل کی کہ عقود سے مراد دور جاہلیت کا معاہدہ سے ہم کو یہ ذکر کیا گیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمایا کرتے تھے جاہلیت کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور اسلام میں کوئی نیا معاہدہ نہ کرو۔

عبدالرزاق اور عبد بن حمید ؒ نے قتادہ ؒ سے نقل کیا کہ لفظ آیت اوفوا بالعقود میں عقد سے مراد ہے عہد اور اس سے زمانہ جاہلیت کے معاہدے مراد ہیں۔

عبد بن حمید ؒ، ابن جریر اور ابن منذر ؒ نے عبداللہ بن عبیدہ ؒ سے روایت کیا کہ عقود کی پانچ قسم ہیں۔ ایمان کا عقد، نکاح کا عقد، بیع کا عقد، وعدہ کا عقد اور لوگوں کے آپس میں معاہدے۔

ابن جریر ؒ نے زید بن اسلم ؒ سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے عقود پانچ ہیں: عقد، ایمان، عقد

نکاح، خرید وفروخت کا عقد، کھانے کا عقد، عہد اور عقد حلف۔

بیہقیؒ نے دلائل میں ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی میرے پاس کتاب ہے جس کو آپ نے عمر بن حزمؓ کے لیے تحریر فرمائی جب اس کو یمن کی طرف بھیجا تا کہ وہاں کے رہنے والوں کو دین سکھائیں اور ان کو سنت کے طریقے سکھائیں اور ان سے صدقات کو وصول کریں اور ان کو لکھا لفظ آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ کتاب ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے یہ عہد ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے عمرو بن حزم کے لیے کہ میں تمام کے لیے اسے تقوی کا حکم دیتا ہوں۔ اور پھر فرمایا اور اس کے لیے یہ حکم ہے جیسا کہ اس کو حکم ہے اس طرح لوگوں سے وہ صدقات وصول کرے لوگوں کو خیر کی بشارت دے۔ حدیث طویل ہے۔

عہد پورا کرنا ضروری ہے

حرث بن اسامہؒ نے اپنی مسند میں عمرو بن شعیبؒ سے وہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اپنے حلیفوں کے ساتھ کئے ہوئے وعدے پورے کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا ان کے عقد سے کیا مراد ہے؟ یا رسول اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ان کی طرف سے دیت ادا کرو اور ان کی مدد کرنا۔

بیہقیؒ نے شعب الایمان میں مقاتل بن حیانؒ سے نقل کیا ہم کو اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود کے بارے میں یہ بات پہنچی ہے وعدے پورے کرنے کا مطلب یہ ہے یعنی قرآن میں جو ان سے وعدہ لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں میں اطاعت کا حکم دیا ہے کہ وہ اس پر عمل کریں اور ان کاموں سے بچیں کہ جن سے ان کو روکا گیا تھا۔ اور وہ عہد جو ان کے اور مشرکین کے

درمیان ہیں اور پھر ایمان والوں کے باہم معاہدے سب اس میں شامل ہیں۔

طستیؒ نے مسائل میں ابن عباسؓ سے روایت نقل ہے کہ نافع بن ارزقؒ نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت احلت لکم بھیمۃ الانعام کے بارے میں بتایئے؟ آپؓ نے فرمایا اس سے اونٹ گائے اور بکری مراد ہے عرض کیا گیا عرب کے لوگ اس سے واقف ہیں فرمایا ہاں! کیا تو نے اعشی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا۔ لفظ آیت اھل القباب الحمر والنجم المؤثل والقبائل ترجمہ: سرخ خیموں اور مالدار شرفاء چوپاؤں اور قبیلوں والے۔

عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ لفظ آیت احلت لکم بھیمۃ الانعام میں اونٹ گائے اور بھیڑ بکریاں مراد ہیں۔

سعید بن منصورؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، اور ابن مردویہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جنین کی دم پکڑ کر فرمایا یہ وہ بہیمہ ہے جو تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔

ابن جریرؒ نے ابن عمرؓ نے لفظ آیت احلت لکم بھیمۃ الانعام کے بارے میں فرمایا کہ جو ان کے پیٹوں میں ہے میں نے عرض کیا اگر وہ مرا ہوا نکلے تو میں اس کو کھا لوں؟ فرمایا ہاں (کھا لو)۔ (ضعیف جداً۔ تحکیم۔ طاہر)

عبدالرزاق اور عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے لفظ آیت احلت لکم بھیمۃ الانعام کے بارے میں فرمایا کہ سب چوپائے (حلال ہیں) لفظ آیت الا ما یتلی علیکم مگر مردہ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے (وہ حلال نہیں)۔

ابن جریرؒ، ابن منذر اور ابن ابی حاتمؒ نے اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ابن عباسؓ سے لفظ آیت احلت لکم بھیمۃ الانعام الا ما یتلی علیکم کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ یعنی

لفظ آیت المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ آیت کے آخر تک ہے وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے چوپاؤں میں سے حرام فرمایا ہے۔

عبد بن حمید اور ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے نقل کیا لفظ آیت الا ما یتلی علیکم یعنی وہ مردار اور جو کچھ اس کے ساتھ ذکر کیا گیا (پھر فرمایا) لفظ آیت غیر محلی الصید وانتم حرما اسی طرح وہ جانور بھی حرام ہے جسے کوئی قوم محرم آدمی (حالت احرام میں) شکار کرے۔

عبد الرزاق اور عبد بن حمیدؒ نے ایوبؒ سے روایت نقل کی کہ مجاہدؒ سے بندر کے بارے میں پوچھا گیا کیا اس کا گوشت کھایا جائے؟ انھوں نے فرمایا وہ چوپاؤں میں سے نہیں ہے (یعنی حرام ہے)۔

عبد بن حمید اور ابن جریرؒ، ربیع بن انسؒ نے اس آیت کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ چوپائے سب حلال ہیں مگر اس میں جو وحشی ہو (وہ حلال نہیں) کیونکہ وہ شکار ہے اور وہ حلال نہیں ہے جب وہ احرام میں ہو۔

عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے قتادہؒ نے لفظ آیت ان اللہ یحکم ما یرید کے بارے میں روایت کیا اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں جس چیز کا وہ ارادہ فرماتے ہیں اپنی مخلوق کے بارے میں اور بیان فرمایا انھوں نے اپنے بندوں کے بارے میں ارادہ فرمایا اور اپنے فرائض کو معین فرمایا اور اس کی حدود کو مقرر فرمایا اور اپنی اطاعت کا حکم فرمایا اور اپنی نافرمانی سے روکا۔

جانوروں کے ذبح کرنے پر اعتراض کا جواب:

مجوسی اور ہندوؤں کے بعض فرقے یہ کہتے ہیں کہ جانوروں کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ یہ جانور بے زبان ہیں اور اپنے خلاف مدافعت نہیں کر سکتے اور ان کو پکڑ کر زبردستی ذبح کر دینا ظلم ہے اور کسی پر

ظلم کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض مسلمانوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ذبح کے وقت ان کو تکلیف نہیں ہوتی اور اللہ ان سے اس تکلیف کو اٹھا لیتا ہے۔ لیکن اس جواب میں مکابرہ ہے اور بداہت کا انکار ہے۔ معتزلہ نے کہا' درد اور تکلیف مطلقاً قبیح نہیں ہے' انسان سرجری اور جراحی کرتا ہے' تاکہ اس عمل جراحی کے ذریعہ اس کو کسی بڑی تکلیف سے نجات مل جائے۔ اسی طرح ان جانوروں کو آخرت میں ذبح کی اس تکلیف کے بدلہ بہت عمدہ عوض ملے گا' اس لیے یہ قبیح نہیں ہے اور اہل سنت نے یہ کہا کہ چوپایوں کو ذبح کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے' اور اللہ ہر چیز کا مالک ہے' اور وہ ہر طرح تصرف کر سکتا ظلم اس وقت ہوتا جب غیر کی ملک میں تصرف کیا جاتا' اور جب ہر چیز اللہ کی ملک میں ہے' تو پھر جب وہ اپنی ملک میں کوئی تصرف کرے تو کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ماسوا ان کے جن کا حکم تم پر آئندہ تلاوت کیا جائے گا۔ (المائدہ:۱)

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا بیان (المائدہ:۳) میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

مردار' رگوں کا بہا ہوا خون' خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو' اور گلا گھٹ جانے والا' اور چوٹ سے مارا ہوا اور اوپر سے گرا ہوا' اور جس کو درندے نے کھا لیا ہو مگر جس کو تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کر لیا اور جس کو بتوں کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو (یہ سب) تم پر حرام کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھنا، بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ (المائدہ:۱)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھیمۃ الانعام" (چوپایوں) کو حلال فرمایا تھا۔ اب یہ فرمایا ہے کہ جو

چوپائے شکار ہوں' وہ حالت احرام میں حلال نہیں ہیں' اور جب احرام کھول دیا ہو' تو حلال ہیں۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے لیے ہر قسم کا شکار کرنا جائز نہیں ہے' لیکن ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم پر صرف خشکی کا شکار کرنا ممنوع ہے' اور سمندری شکار کرنا جائز ہے' قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما"۔ (المائدہ:۹۶)

ترجمہ: تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام (اس کی پھینکی ہوئی مچھلیاں وغیرہ) حلال کر دی گئی ہیں' تمہارے لیے (بھی) اور تمہارے مسافروں کے لیے (بھی) اور جب تک تم محرم ہو' تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے محرم پر خشکی کا شکار کرنا حرام کیا ہے' اور سمندر کا شکار حلال کر دیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا مالک اور خالق ہے اور کسی عام حکم میں کسی چیز کو مستثنیٰ کرنے یا کسی چیز کی تخصیص کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بیشک اللہ جو چاہتا ہے' حکم دیتا ہے۔

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾

اے ایمان والو! مت حلال کرو اللہ کے شعائر کو، اور نہ حرام کو اور نہ ھدی کو اور نہ پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کو، اور نہ ان لوگوں کو جو بیت حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں! وہ اپنے رب کا فضل اور رضا مندی تلاش کرتے ہیں۔ اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کر لو۔ اور ہرگز کسی قوم کی دشمنی کہ انھوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ہے اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو۔ اور آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر آپس میں مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ربط آیات:

سورہ مائدہ کی پہلی آیت میں معاہدات کے پورا کرنے کی تاکید تھی۔ ان معاہدات میں سے ایک معاہدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حلال وحرام کی پابندی کی جائے۔ اس دوسری آیت میں اس معاہدہ

کی دو اہم دفعات کا بیان ہے۔ایک شعائر اللہ کی تعظیم اور ان کی بیحرمتی سے بچنے کی ہدایت، دوسرے اپنے اور غیر دوست اور دشمن سب کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ اور ظلم کا بدلہ ظلم سے لینے کی ممانعت۔

شعائر: نشانیاں، علامتیں۔ یہ شعار وشعیرۃ کی جمع ہے، جس کے معنی خاص علامت کے ہیں۔شعائر اسلام ،ان اعمال وافعال کو کہا جاتا ہے جو عرفاً مسلمان ہونے کے علامت سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے نماز، اذان، حج کے مناسک، ختنہ اور سنت کے مطابق ڈاڑھی وغیرہ *۔الھدی: قربانی کے جانور مثلاً اونٹ، گائے اور بکری *۔القلائد: پٹہ، بار یا وہ چیز جو بار کی طرح استعمال کی جائے۔قربانی کے وہ جانور جن کے گلے میں علامت کے طور پر پٹہ ڈال دیا جائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے اور کعبہ کو جا رہا ہے اس کا واحد قلادۃ ہے *۔آمین: قصد کرنے والے واحد ام۔ام سے اسم فاعل *۔اصطادوا: تم شکار کرو۔ اصطیاد سے امر *۔یجرمنکم: وہ تمہیں ضرور آمادہ کرتا ہے۔وہ ضرور تمہارا باعث بنے گا۔جرم وجریمۃ سے مضارع بانوں تاکید *۔شنان: سخت بغض، سخت دشمنی کرنا۔

شان نزول: (آیت) "یایھا الذین امنوا لاتحلوا"

ابن جریرؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ حاطم بن بکر ہندی مدینہ منورہ میں ایک قافلہ کے ساتھ غلہ لے کر آئے، اسے بیچ کر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت کی اور اسلام قبول کیا جب وہ وہاں سے چلے تو آپ نے ان کی طرف دیکھا اور آپ کے پاس جو حضرات بیٹھے ہوئے تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے فرمایا کہ یہ میرے پاس اس فاجر کی صورت لے کر آیا اور عہد شکن کی پشت کے ساتھ واپس گیا، چنانچہ جب وہ یمامہ پہنچا تو مرتد ہو گیا اس

کے بعد ماہ ذی قعدہ میں ایک قافلہ کے ساتھ غلہ لے کر مکہ مکرمہ کے ارادہ سے نکلا، جب صحابہ کرامؓ کو اس کی آمد کی اطلاع ملی تو مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت نے اس کے قافلہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ کیا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اے مومنو اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی مت کرو تو اس ہدایت کے آنے پر صحابہ کرامؓ رک گئے کیونکہ صحابہؓ حکم الٰہی کے پابند تھے، نیز سدیؒ سے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ (۱)

ابن ابی حاتمؒ نے زید بن اسلمؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ کرامؓ کو مشرکین مکہ نے بیت اللہ آنے سے روکا تھا، آپ مقام حدیبیہ میں تھے، سب پر یہ چیز بہت گراں گزری تھی۔

اتنے میں مشرق والوں کے مشرکین کا ایک گروہ عمرہ کے ارادہ سے ان کے پاس سے گزرا، اس پر صحابہ کرامؓ بولے کہ ہم بھی ان لوگوں کو روکتے ہیں جیسا کہ ہمیں روک دیا گیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (۲)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریجؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس آیت میں حجاج پر لوٹ مار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حطم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا' تاکہ آپ کی دعوت کے متعلق غور و فکر کرے' اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: میں اپنی قوم کے سامنے آپ کی دعوت کو پیش کروں گا' آپ بتلایئے کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

۲۔

ہوں کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اور نماز قائم کرو' اور زکوۃ ادا کرو' اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھو' اور بیت اللہ کا حج کرو۔ حطم نے کہا آپ کے اس دین میں سختی ہے۔ میں اپنی قوم کے پاس جا کر آپ کی دعوت کا ذکر کروں گا' اگر انھوں نے اس دین کو قبول کر لیا تو میں بھی ان کے ساتھ قبول کر لوں گا' اور اگر انھوں نے اس سے پیٹھ پھیر لی تو میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا۔

آپ نے اس سے فرمایا: تم واپس جاؤ' جب وہ چلا گیا تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہ میرے پاس کافر چہرے کے ساتھ آیا اور میرے پاس سے دھوکہ دیتا ہوں نکلا۔ جب وہ اہل مدینہ کی چراگاہوں کے پاس سے گزرا تو آپ کے اصحاب نے اس کو پکڑنا چاہا' لیکن وہ نکل گیا اور یمامہ پہنچ گیا۔ وہ حج کے موقع پر سامان تجارت لے کر آیا' صحابہؓ نے آپ سے اجازت طلب کی کہ اس کو پکڑ کر اس کا سامان اس سے چھین لیں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرمت والے مہینہ کی۔ اور نہ کعبہ میں بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے پڑے ہوئے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنے والے ہوں۔ [1]

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ: شعائر ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ سے کسی نہ کسی قسم کا کوئی خاص تعلق ہو اور اس تعلق کی بنا پر ان کی خاص عزت و تکریم کی جاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے تمام شعائر کا ادب و احترام لازمی ہے۔ جو متقی ہوگا وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم و توقیر کرے گا، ارشاد فرمایا: (وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ) [الحج: ۳۲] "اور جو اللہ

۱۔ (جامع البیان ج ٦ ص ٧٩ مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ)

کے نام کی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو یقیناً یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔"

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ: یعنی اس کی حرمت کی پاسداری کرو اور اس کی عظمت کا اعتراف کرو، اس مہینے میں جنگ کی پہل نہ کرو اور حرام چیزوں کے ارتکاب سے اجتناب کرو، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ)[البقرة:٢١٧] "وہ تجھ سے حرمت والے مہینے کے متعلق اس میں لڑنے کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دے اس میں لڑنا بہت برا ہے۔" اور فرمایا: (اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ)[التوبة:٣٦] "بیشک مہینوں کی گنتی، اللہ کے نزدیک، اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہے، جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ سو ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے ہر حال میں لڑو، جیسے وہ ہر حال میں تم سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ بیشک اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔"

سیدنا ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: "زمانہ اب اپنی اسی حالت پر لوٹ آیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، سال کے مہینے بارہ ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں، تین تو مسلسل ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک رجب مضر جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔"[1]

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (إن عدة الشهور۔۔۔الخ):٤٦٦٢۔ مسلم، کتاب القسامة والمحاربین، باب تغلیظ تحریم الدماء:١٦٧٩]

وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ: "ہدی" ایسے جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی حرم میں قربان کرنے کے لیے ساتھ لے جاتے تھے۔ اونٹوں کے کوہان کی دائیں طرف تھوڑا سا زخم کر کے خون مل دینے کو اشعار کہتے ہیں۔ لفظ "قَلَائِدُ" جمع ہے "قِلَادَةٌ" کی، جو گلے کے پٹے کو کہا جاتا ہے، یہاں حج یا عمرہ کے موقع پر قربان کیے جانے والے ان جانوروں کو مراد لیا گیا ہے جن کے گلوں میں علامت اور نشانی کے طور پر جوتے یا پٹے ڈال دیے جاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں کو کسی سے چھینا جائے، نہ ان کے حرم تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی جائے۔ ان جانوروں کے احترام کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو مقررہ مقام تک پہنچنے سے پہلے ذبح نہ کیا جائے، البتہ اگر کوئی جانور راستے میں قریب الموت ہو جائے تو انھیں لے جانے والا اسے ذبح کر دے، پھر اس کی جوتی کو اس کے خون میں ڈبو کر اس کے پہلو پر (چھاپہ) مار دے اور پٹوں کو خون میں ڈال دے، پھر اس کو نہ خود کھائے اور نہ اس کے ساتھی کھائیں، بلکہ اس جانور کو دوسرے لوگوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دے۔

سیدنا ذویبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے ساتھ قربانی کے اونٹ بھیجتے تھے، پھر فرماتے: "اگر ان میں سے کوئی اونٹ چل نہ سکے اور تمہیں اس کے مر جانے کا ڈر ہو تو اس کو نحر کر دو، پھر اس کی جوتی (جو اس کے گلے میں لٹکائی جاتی ہے اسے) اس کے خون میں ڈبو کر اس کے کوہان پر مل دینا اور تم اسے نہ کھاؤ اور نہ تمہارا کوئی ساتھی اس کو کھائے۔"[1]

سیدنا ناجیہ الخزاعیؓ بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! اگر قربانی کا کوئی جانور چل نہ سکے تو تب میں کیا کروں؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اسے نحر کر دو، پھر اس کی

۱۔ [مسلم، کتاب الحج، باب ما یفعل بالھدی إذا عطب فی الطریق: ۱۳۲۶]

جوتی کو اس کے خون میں ڈبو دو، پھر اسے لوگوں کے لیے چھوڑ دو، تا کہ وہ اسے کھائیں۔"[1]

میقات پہنچ کر قربانی کے اونٹ کے داہنے کوہان کو تھوڑا سا زخم لگا دے اور خون کو بہا دے، پھر اس اونٹ کے گلے میں دو جوتیاں لٹکا دے، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ظہر کی نماز مقام ذوالحلیفہ میں پڑھی اور پھر اپنی اونٹنی طلب فرمائی، پھر اس کے کوہان کے اوپر داہنی طرف اشعار کیا (یعنی ایک زخم لگایا) اور خون صاف کر دیا، پھر اس کے گلے میں دو جوتیاں لٹکا دیں۔[2]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ سے قربانی کے جانور (بیت اللہ) بھیجا کرتے تھے اور میں آپ کی قربانی کے جانوروں کے لیے پٹے بٹا کرتی تھی اور پھر آپ ان کاموں سے نہیں بچا کرتے تھے جن سے محرم بچتا ہے۔[3]

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ : یعنی گو تمہیں ان مشرکوں نے حدیبیہ کے دن مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا، لیکن تم ان کے اس روکنے کی وجہ سے ان کے ساتھ زیادتی والا رویہ اختیار مت کرنا۔ دشمن کے ساتھ بھی حلم اور عفو کا سبق دیا جا رہا ہے، ارشاد فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ)[المائدۃ:۸] "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی

۱۔[ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء إذا عطب الھدی:۹۱۰]

۲۔[مسلم، کتاب الحج، باب إشعار البدن وتقلیدہ عند الإحرام:۱۲۴۳]

۳۔[مسلم، کتاب الحج، باب استحباب بعث الھدی إلی الحرم:۱۳۲۱]

دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔"

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کریں، مگر باطل، گناہ اور حرام کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کریں، سیدنا نواس بن سمعانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: "نیکی اچھا اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو اس بات کو ناپسند جانے کہ لوگ اس پر اطلاع پائیں۔"[1]

سیدنا زید بن خالد جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس نے اللہ کے راستے میں کسی جہاد کرنے والے کو جہاد کا سامان تیار کر کے دیا، بلاشبہ اس نے خود جہاد کیا اور جو شخص جہاد کرنے والے کا، اس کے گھر میں بھلائی کے ساتھ اس کا جانشین بنا، یقیناً اس نے (بھی) جہاد کیا۔۔۔۔"[2]

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہذیل قبیلے کی شاخ بنو لحیان کی طرف (جب کہ وہ مشرک تھے) ایک لشکر (ان کے خلاف جہاد کرنے کے لیے) بھیجا اور فرمایا: "ہر دو آدمیوں میں سے ایک ضرور جائے اور ثواب دونوں کو ہوگا۔"[3]

۱۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تفسیر البر والإثم فی سبیل اللہ: ۲۵۵۳]

۲۔[بخاری، کتاب الجھاد، باب من جھز غازیا أو خلفہ: ۲۸۴۳۔ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضل إعانۃ الغازی: ۱۸۹۵]

۳۔[مسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضل إعانۃ الغازی فی سبیل اللہ: ۱۸۹۶]

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔" عرض کی گئی، اے اللہ کے رسول! جب وہ مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کروں گا، لیکن اگر وہ ظالم ہو تو پھر اس کی مدد کس طرح کروں؟ فرمایا: "اس وقت تم اسے ظلم کرنے سے روکنا، اسے ظلم سے باز رکھنا ہی اس کی مدد ہے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اندھے جھنڈے کے نیچے لڑے (یعنی جو جنگ اسلام میں جائز نہ ہو)، اپنے قبیلہ کے لیے غصہ میں آئے، یا عصبیت کی دعوت دے، یا عصبیت کے باعث اپنے قبیلہ کی مدد کرے تو ایسا شخص اگر قتل ہو جائے تو اس کا قتل جاہلیت کے قتل کا سا ہوگا۔"[2]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ جہاد میں شریک تھے، مہاجرین بڑی تعداد میں آپ کے پاس جمع ہو گئے، وجہ یہ ہوئی کہ مہاجرین میں سے ایک شخص بہت مذاق کرتا تھا، اس نے (مذاق میں) ایک انصاری کی پیٹھ پر مارا۔ انصاری لڑکے کو سخت غصہ آ گیا، چنانچہ دونوں لڑکے لڑنے لگے، یہاں تک کہ دونوں نے (اپنے قبیلوں کو) پکارا۔ انصاری نے پکارا، اے انصار! اور مہاجر نے پکارا، اے مہاجرین! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ پکاریں سنیں تو آپ باہر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ جاہلیت کی پکار کیسی تھی؟" پھر آپ نے پوچھا: "ان کا معاملہ کیا ہے؟" لوگوں نے آپ کو بتایا کہ ایک مہاجر لڑکے نے ایک انصاری لڑکے کی پیٹھ پر ہاتھ مار دیا اور

۱۔ [بخاری، کتاب الإکراہ، باب یمین الرجل لصاحبہ أنہ أخوہ۔۔۔الخ: ۶۹۵۲]

۲۔ [مسلم، کتاب الإمارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین: ۱۸۴۸]

اس پر لڑنے لگے، آپ نے فرمایا: "اس (قسم کی پکار) کو چھوڑ دو، یہ بڑی خبیث پکار ہے۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص ہدایت کی دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے اجر وثواب کے مطابق اجر ملے گا جو اس کے مطابق عمل کریں گے اور اس سے عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص گمراہی اور ضلالت کی دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا جو اس کے مطابق عمل کریں گے اور اس سے عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔"[2]

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۝ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۚ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ

۱۔[بخاری، کتاب المناقب، باب ما ینھی من دعوۃ الجاھلیۃ: ۳۵۱۸۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب نصر الأخ ظالمًا أو مظلومًا: ۲۵۸۴]

۲۔[مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ أو سیئۃ: ۲۶۷۴۔ أبو داؤد، کتاب السنۃ، باب من دعا إلی السنۃ: ۴۶۰۹]

لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ
لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾

تم پر حرام کئے گئے ہیں، مردار، خون، خنزیر کا گوشت، جس جانور پر (ذبح کے وقت) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، گلا گھوٹنے سے مرنے والا، چوٹ کھا کر مرا ہوا، بلندی سے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا، جس کو درندے نے کھایا ہو سوائے اس کے جس کو تم نے (زندہ پا کر کر) ذبح کر لیا ہو، جو (بتوں کے) تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو اور جوئے کے تیروں سے تمہارا تقسیم کرنا، یہ سب گناہ ہے، آج کافر تمہارے دین (پر غالب آنے) سے مایوس ہو گئے ہیں، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا ہے، پس جو شخص بھوک میں مجبور ہو جائے (اور کوئی حرام چیز کھا لے) بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو، تو بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

ربط آیت: شروع سورت میں الا ما یتلیٰ علیکم سے جن چیزوں کی تحریم کی طرف اجمالی اشارہ تھا اب اس آیت میں ان محرمات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ وہ بہیمۃ الانعام جن کو

اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے وہ بعض احوال میں حرام ہوجاتے ہیں اور اس حالت میں ان کا استعمال ممنوع ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ ان محرمات سے بچو تا کہ اللہ تعالیٰ کے شدید عذاب سے محفوظ رہو جیسا کہ گزشتہ آیت میں حکم دیا تھا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔ اور حرام سے بچنے کا نام تقوی اور پرہیز گاری ہے اب آئندہ آیت میں ان محرمات کی تفصیل فرماتے ہیں جن کا اوپر کی آیت الا ما یتلی علیکم میں اجمالا ذکر فرمایا تھا چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو وہ چیزیں جو کہ حلال چیزوں سے مستثنی کی گئیں اور تم پر حرام کی گئیں وہ گیارہ چیزیں ہیں۔

شان نزول: (آیت) "حرمت علیکم المیتۃ"

ابن مندہؒ نے "کتاب الصحابہ" میں بواسطہ عبداللہ، جبلہ، جان بن جحرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے اور میں ایک ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہا تھا جس میں مردار کا گوشت تھا، اللہ تعالیٰ نے مردار کے گوشت کی حرمت نازل فرمائی تو، میں نے فورا ہانڈی پھینک دی، (یہ تھا صحابہ کرامؓ کا اطاعت الٰہی کا والہانہ جذبہ)۔ [1]

مردار کا معنی اور اس کے شرعی احکام

جو جانور طبعی موت مرجائے' نہ اس کو ذبح کیا گیا ہو نہ شکار کیا گیا ہو' اس کو میتہ (مردار) کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں جو جانور بغیر ذبح کے مرجائے' اس کو میتہ کہتے ہیں۔ اس کو شریعت میں حرام کر دیا گیا ہے' کیونکہ رگوں میں خون کے رک جانے یا کسی بیماری کی وجہ سے جسم میں زہریلے مادے پیدا ہوجاتے ہیں' جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں اور اگر اس جانور کو ذبح کرلیا جائے تو اس کے جسم سے

1

سارا خون بہہ جاتا ہے اور خون کے ساتھ زہریلے اور نقصان دہ اجزاء جسم سے نکل جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں طبائع سلیمہ مردار جانور کا گوشت کھانے سے متنفر ہوتی ہیں' سو مردار جانور صحت کے اعتبار سے بھی مضر ہے اور دین کے اعتبار سے بھی' کیونکہ اللہ کے نام سے اس کی جان نہیں نکلی۔ لہٰذا مردار جانور کو کھانا بالاتفاق حرام ہے۔ البتہ! فقہاء احناف کے نزدیک اس کے بال اور اس کی ہڈیاں پاک ہیں اور اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ [1]

علامہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے کہ امام احمدؒ' امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مردار کی ہڈی نجس ہے۔ [2]

اور امام شافعیؒ کے نزدیک مردار کے پر اور بال بھی نجس ہیں' کیونکہ حیوان کی نشوونما سے وہ بڑھتے ہیں' اور باقی اعضاء کی طرح' اس کی موت سے نجس ہو جاتے ہیں اور امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک مردار کے پر اور بال پاک ہیں۔ کیونکہ امام دارقطنیؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مردار کی مشک میں کوئی حرج نہیں ہے' جب اسے رنگ لیا جائے اور اس کے اون اور بالوں میں کوئی حرج نہیں ہے' جب انھیں دھو لیا جائے۔ نیز اس پر موت طاری نہیں ہوتی' اس لیے جانور کی موت سے یہ نجس نہیں ہوں گے' جیسے انڈا نجس نہیں ہوتا۔ [3]

مردار جانور حرام ہے' لیکن اس کے عموم سے بالاتفاق مچھلی اور ٹڈی مستثنیٰ ہیں۔

امام ابن ماجہؒ متوفی ۲۷۳ ھ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

۱۔ (بدائع الصنائع' ج ۱ ص ۶۳' مطبوعہ کراچی)

۲۔ (المغنی' ج ۱ ص ۵۶)

۳۔ (المغنی' ج ۱ ص ۶۰' مختصراً مطبوعہ بیروت)

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔ [1]

ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک تمام قسم کے سمندری جانور بغیر ذبح کے حلال ہیں' ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا' یا رسول اللہ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس بہت تھوڑا پانی ہوتا ہے۔ اگر ہم اس سے وضو کرلیں تو پیاسے رہ جائیں گے' تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیا کریں۔ پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے' اور اس کا مرا ہوا جانور حلال ہے۔ [2]

خون کے شرعی احکام

اس آیت میں خون کو حرام کیا گیا ہے۔ اس سے مراد بہنے والا خون ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں بہنے والے خون کو حرام فرمایا ہے:

"(آیت) "قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا"۔ الایہ (الانعام: ۱۴۵)

ترجمہ: آپ کہئے کہ مجھ پر جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی کھانے والے پر جو وہ کھاتا ہو' صرف مردار' بہنے والے خون اور خنزیر کے گوشت کو میں حرام پاتا ہوں' کیونکہ وہ نجس ہے' یا نافرمانی کی وجہ سے جس جانور

۱۔ سنن ابن ماجہ' ج ۳ رقم الحدیث: ۳۲۱۸' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

۲۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۶۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۸۳' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۵۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۸۶' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۴۳' مسند احمد' ج ۳' ۷۲۳۷' المستدرک' ج ۱' ص ۱۴۰)

پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے بعد گوشت میں جو خون عادتاً باقی رہ جاتا ہے' وہ حرام نہیں ہے اور جو خون جامد ہو جیسے کلیجی اور تلی' وہ بھی حرام نہیں ہے۔ امام ابن ماجہؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تمہارے لیے دو مردے حلال کیے گئے ہیں اور دو خون حلال کیے گئے ہیں رہے دو مردے تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے دو خون تو وہ کلیجی اور تلی ہیں۔ [1]

بہنے والے خون کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خون نجس ہے اور اس میں جراثیم اور زہریلے اجزاء ہوتے ہیں' اور اس کو ہضم کرنا مشکل ہے' تمام قسم کی بیماریوں کے اجزاء اور جراثیم خون میں ہوتے ہیں۔ اس لیے مادی طور پر بھی خون کو کھانا صحت کے لیے سخت مضر ہے۔

خنزیر کے نجس اور حرام ہونے کا بیان

اس آیت میں فرمایا ہے تم پر مردار خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے اسی طرح (الانعام: ۱۴۵) میں بھی خنزیر کے گوشت کو حرام فرمایا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتح مکہ کے سال مکہ میں فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے خمر (شراب) مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام فرما دیا ہے۔ [2]

۱۔ (سنن ابن ماجہ' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۱۴' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲۳۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیریؒ ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

سلیمان بن بریدہؒ اپنے والدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص نردشیر کے ساتھ کھیلا' اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں رنگ لیا۔ [۱]

اس حدیث میں آپ نے خنزیر کے خون اور گوشت سے نفرت دلائی ہے۔ خنزیر کا خون' گوشت اور اس کے تمام اجزاء حرام ہیں قرآن مجید میں خنزیر کے گوشت کا ذکر کیا ہے' کیونکہ جانور کا اہم مقصود اس کا گوشت کھانا ہوتا ہے۔

"ما اھل لغیر اللہ بہ" کا معنی اور اس کے شرعی احکام

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانیؒ متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

(آیت) "ما اھل لغیر اللہ بہ" کا معنی ہے جس پر غیر اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے اور یہ وہ جانور ہے جس کو بتوں کے لیے ذبح کیا جائے۔ اھلال کا معنی ہے چاند دیکھتے وقت بلند آواز سے چلانا' پھر ہر بلند آواز کو اھلال کہا گیا۔ نوزائیدہ بچے کے رونے کو بھی اھلال کہتے ہیں۔ [۲]

علامہ سید محمود آلوسی حنفیؒ متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس کا معنی ہے جانور کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند آواز سے پکارنا اور اھلال کا معنی یہاں پر یہ ہے کہ جس کے لیے جانور ذبح کیا جائے' مثلاً لات اور عزی اس کا ذبح کے وقت بلند آواز سے ذکر کرنا۔ [۳]

۱۔ (صحیح مسلم' ج ٤' رقم الحدیث: ۲۲۶۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

۲۔ (المفردات ص ٥٤٤' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳٦۲ھ)

۳۔ (روح المعانی' ج ٦ ص ٥۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفیؒ متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

حاکم یا کسی بڑے آدمی کی آمد کے موقع پر جانور ذبح کیا گیا تو یہ حرام ہے (اور اس ذبح سے جانور کا گوشت کھانا مقصود نہ ہو' صرف اس کا خون بہانا مطلوب ہو) کیونکہ یہ (آیت) "ما اھل لغیر اللہ بہ" ہے۔ خواہ اس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور اگر مہمان کے لیے ذبح کیا گیا تو یہ حرام نہیں ہے' کیونکہ یہ حضرت خلیل (علیہ السلام) کی سنت ہے اور مہمان کی تکریم اللہ تعالیٰ کی تکریم ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس نے جانور کو اس لیے ذبح کیا' تاکہ یہ اس سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کے لیے ہوگا' اور منفعت مہمان کے لیے' یا دعوت کے لیے یا نفع کے لیے ہوگی۔ [1]

"المنخنقۃ" کا معنی اور اس کا شرعی حکم

منخنقہ اس جانور کو کہتے ہیں جو گلا گھٹنے سے مرجائے' عام ازیں کہ کسی نے قصداً اس کا گلا گھونٹ دیا یا کسی حادثہ سے اچانک اس کا گلا گھٹ گیا ہو' یہ مردار ہے اور شرعاً مذبوح نہیں ہے۔ اس کو مردار میں شامل نہیں کیا' بلکہ الگ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ مردار وہ ہے جو بغیر کسی خارجی سبب کے طبعی موت سے مرجائے اور گلا گھٹنے سے مرنے والا ایک خارجی سبب سے مرتا ہے' لیکن یہ مذبوح نہیں ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر حلال جانور کے گلے پر چھری پھیری جائے جس سے اس کی چاروں رگیں کٹ جائیں اور جسم کا سارا خون بہہ جائے۔

"الموقوذۃ" کا معنی اور اس کا شرعی حکم

۱۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۷۔۱۹۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

جس غیر دھار والی بھاری چیز سے کسی جانور پر ضرب یا چوٹ لگائی جائے' خواہ دور سے پتھر مارا جائے' یا ہاتھ میں ڈنڈا پکڑ کر اس سے مارا جائے۔ اس چوٹ کے نتیجہ میں وہ جانور مر جائے تو وہ بھی شرعاً مذبوح نہیں ہے۔ یہ جانور بھی مردار کے حکم میں ہے۔ اور زمانہ جاہلیت میں اس کو کھایا جاتا تھا۔

اسلام میں ثقیل شئے کی ضرب یا چوٹ سے جانور کو ہلاک کرنے سے منع کیا ہے' اور کسی دھار والی چیز سے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔' تا کہ جانور کو اذیت نہ پہنچے اور آسانی سے اس کی جان نکل جائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "منخنقہ" وہ ہے جس کا گلا گھونٹا جائے اور وہ مر جائے۔ "موقوذہ" وہ ہے جس کو لکڑی سے ضرب لگائی جائے اور وہ چوٹ کھا کر مر جائے "متردیہ" وہ ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے اور "نطیحہ" وہ ہے جس کو دوسری بکری نے سینگھ مارا ہو' اگر اس کی دم یا آنکھ مل رہی ہو تو اس کو ذبح کر کے کھالو۔ [1]

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت شداد بن اوس ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو باتیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یاد رکھی ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ نیکی کرنے کو فرض کر دیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو درست طریقہ سے کرو اور جب تم ذبح کرو تو درست طریقہ سے ذبح کرو' اور تم میں سے کسی شخص کو اپنی چھری تیز کر لینی چاہیے' تا کہ ذبیحہ کو آسانی ہو۔ [2]

جب چھری تیز ہو گی تو جلدی سے جانور ذبح ہو جائے گا اور مستحب یہ ہے کہ جانور کے سامنے چھری تیز نہ

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۶ کتاب الصید والذبائح' ۶۲' باب ۱)

۲۔ (صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۵۵)

کی جائے اور ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح نہ کیا جائے اور جانور کو گھسیٹ کر مذبح تک نہ لے جایا جائے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس چیز میں روح ہو' اس کو (مشق کے لیے) نشانہ نہ بناؤ۔ [1]

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے معراض (بغیر پر کا تیر جس کا درمیانی حصہ موٹا ہو) کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جب جانور اس کی دھار سے زخمی ہو تو اس کو کھا لو اور جب جانور کو اس کی چوڑائی کی جانب تیر لگے اور وہ مر جائے تو اس کو مت کھاؤ کیونکہ ہو وقیذ (چوٹ سے مرا ہوا) ہے۔ [2]

"المتردیۃ" کا معنی اور اس کا شرعی مفہوم

جو جانور کسی پہاڑ سے یا کسی بلند جگہ سے مثلاً چھت سے گر جائے' یا کنوئیں میں گرنے سے اس کی موت واقع ہو جائے اس کو متردیہ کہتے ہیں۔ مردار کی طرح اس کا کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس میں کچھ رمق حیات ہو تو اس کو ذبح کر لیا جائے۔

"النطیحۃ" کا معنی اور اس کا شرعی حکم

جس جانور کو دوسرے جانور نے سینگھ مارا ہو' اور وہ اس کے سینگھ مارنے سے مر گیا' خواہ اس کے سینگھ

۱۔ (صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۹۵۵)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۶ رقم الحدیث: ۵۴۷۶)

مارنے سے وہ زخمی ہوا ہو' اور اس کا خون بھی بہا ہو' اس کا حکم بھی مردار کی طرح ہے اور اس کا کھانا شرعا جائز نہیں ہے۔

جس جانور کو درندے نے کھالیا ہو' اس کا شرعی حکم

کسی درندے مثلا شیر' چیتے یا بھیڑیے نے کس حلال جانور کو چیر پھاڑ کر زخمی کر دیا ہو اور اس کے کل یا بعض حصے کو کھالیا ہو' تو اس کا کھانا بالا جماع جائز نہیں ہے۔ خواہ اس کے جسم یا اس کے ذبح کی جگہ سے خون بہہ رہا ہو۔ زمانہ جاہلیت میں بعض عرب درندہ کے پھاڑے ہوئے جانور میں سے بقیہ کو کھالیا کرتے تھے' لیکن طبائع سلیمہ اس کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

"الا ماذکیتم" کے مستثنیٰ منہ کا بیان

مردار' خون' خنزیر اور (آیت) "ما اھل لغیر اللہ بہ" کے علاوہ باقی جانوروں میں سے جو جانور زندہ مل جائیں اور ان کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے' ان کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمالیا۔ اس مستثنیٰ مینہ میں "المنخنقہ' الموقوذہ' المتردیہ' النطیحہ' اور جن کو درندہ نے کھالیا ہو' داخل ہیں۔ اور بعض علماء نے (آیت) "ما اھل لغیر اللہ بہ" کو بھی اس میں داخل کر لیا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس جانور کے ذبح کا موقع تمہیں مل جائے' بایں طور کہ اس کی دم ہل رہی ہو' یا وہ آنکھ سے دیکھ رہا ہو' اس کو اللہ کا نام لے کر ذبح کر دو' وہ حلال ہے۔

قتادہؒ نے بیان کیا کہ "لحم الخنزیر" کے سوا باقی تمام کو "الا ماذکیتم" کا استثناء لاحق ہے۔ جب تم دیکھو کہ وہ

جانور پلک جھپکا رہا ہے' دم ہلا رہا ہے' یا اس کی ٹانگ مضطرب ہو رہی ہے' تو تم اس کو ذبح کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا جب تم موقوذہ' متردیہ' نطیحہ اور جس کو درندہ نے کھالیا ہو' وہ تم پر حرام کر دیئے گئے ہیں' لیکن اگر تم ان میں زندگی کے آثار دیکھو اور ان کے مرنے سے پہلے تمہیں ان کو ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے لیے حلال ہیں' تم ان کو ذبح کر کے کھالو۔

بعض علماء اہل مدینہ نے یہ کہا کہ یہ استثناء ان محرمات میں سے نہیں ہے جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے' بلکہ یہ تحریم سے استثناء ہے' یعنی مردار' خون' خنزیر (آیت) "ما اھل لغیر اللہ بہ" اور باقی مذکورہ جانور تم پر حرام کر دیئے گئے۔ مگر جن حلال جانوروں کو تم شرعی طریقہ سے ذبح کر لو' وہ تم پر حلال ہیں۔ امام مالکؒ کا یہی قول ہے۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ ایک درندہ ایک بھیڑ پر حملہ کرتا ہے اور اس کی کمر توڑ ڈالتا ہے۔ تو اگر اس کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو کیا اس کو کھانا جائز ہے' امام مالکؒ نے کہا اگر اس کی ضرب اس کے پیٹ' جگر اور دل تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں ہے' اور اگر اس کے ہاتھ' پیر توڑے ہیں' تو پھر اس کو ذبح کر کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے پوچھا گیا' اگر وہ اس پر حملہ کر کے اس کی کمر توڑ دے؟ امام مالکؒ نے کہا: اس کے بعد جانور زندہ نہیں رہتا۔ میرے نزدیک اس کا کھانا بہتر نہیں ہے' ان سے پوچھا گیا کہ بھیڑیا بکری کا پیٹ پھاڑ دے' لیکن اس کی آنتیں باہر نہ نکلیں' امام مالکؒ نے کہا جب اس کا پیٹ پھاڑ دیا جائے تو میری رائے میں اس کا کھانا جائز نہیں ہے' اس تقدیر پر یہ استثناء منقطع ہے۔

امام ابوجعفر طبریؒ کہتے ہیں کہ میری رائے میں (آیت) "ما اھل لغیر اللہ بہ" سے کر آخر آیت تک یہ

استثناء لاحق ہے' کیونکہ ان تمام صورتوں میں موت سے پہلے وہ جانور ذبح کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مشرکین جب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان جانوروں کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں اور وہ غیر اللہ کی قربانی کہلاتی ہیں' اس لیے وہ حرام ہوتی ہے۔ اس طرح جو جانور گلا گھٹنے سے مر جاتا ہے' وہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن جس جانور کو بتوں کے ناموں کے ساتھ منسوب کیا گیا ہو' اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا جائے' یا جس جانور کا گلا گھونٹا گیا ہو' اگر اس کو مرنے سے پہلے شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا گیا ہو تو وہ حلال ہوگا۔ لہٰذا جس حلال جانور یا پرندہ کی روح نکلنے سے پہلے اس کو شرعی طریقہ سے ذبح کر لیا جائے وہ حلال ہوگا۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو بتوں کے تقرب کے لیے نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا۔

نصب کا معنی اور اس کا شرعی حکم

قرآن مجید میں نصب کا لفظ ہے' یعنی جو جانور نصب پر ذبح کیا گیا' وہ بھی حرام ہے کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ پتھر نصب کیے گئے تھے' اور زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان پتھروں کے پاس جانور ذبح کرتے تھے اور بیت اللہ کے سامنے جو خون بہتا' اس کو ان پتھروں پر چھڑکتے تھے اور اس قربانی کو عبادت قرار دیتے تھے اور اس گوشت کے ٹکڑے ان پتھر پر رکھ دیتے تھے' اس کو نصب اور انصاب کہا جاتا ہے۔ نصب' نصیب کی جمع ہے۔ نصیب اس پتھر کو کہتے ہیں جس کو کسی شے پر نصب کیا جاتا ہے۔ [2]

۱۔ (جامع البیان ج ٦ ص ٩٩۔٩٦ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤١٥ھ)

۲۔ (المفردات' ص ٤٩٤)

نصب بتوں کو نہیں کہتے' نصب غیر منقوش پتھر ہوتے ہیں اور بت منقوش پتھر ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس فعل سے منع فرما دیا اور جو جانور نصب پر ذبح کیے جاتے ہیں' ان کا کھانا ان پر حرام کر دیا۔ خواہ ان جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے' تا کہ اس شرک سے اجتناب ہو جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فال کے تیروں سے اپنی قسمت معلوم کرنا یہ (تمام کام) فسق ہیں۔ (المائدہ: ۳)

ازلام کا معنی

ازلام زلم کی جمع ہے۔ یہ تیر کی شکل کا لکڑی کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس کی نوک پر لوہے کا وہ پھل نہیں ہوتا جو شکار کو زخمی کرتا ہے' زمانہ جاہلیت میں مشرکین اس سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرتے تھے۔

امام ابن جریر طبری ؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ یہ تیر کاہنوں کے پاس ہوتے تھے' جن میں سے کسی پر لکھا ہوتا تھا' مجھے حکم دیا ہے اور کسی پر لکھا ہوتا تھا' مجھے منع کیا ہے اور کوئی تیر سدا ہوتا تھا۔ جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا' یا شادی کا ارادہ کرتا' یا کسی نئے کام کا ارادہ کرتا تو وہ کاہن کے پاس جاتا اور تیر سے فال نکالتا۔ اگر اس کا تقاضا ہوتا کہ وہ اس کام کو کرے تو وہ کام کرتا' اور اگر اس کا تقاضا ہوتا وہ کام نہ کرے تو پھر وہ کام نہ کرتا اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو دوبارہ فال نکالتے۔ [1]

نجومیوں' کاہنوں اور ستارہ شناسوں سے غیب کی باتیں دریافت کرنے کی ممانعت

۱۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۱۰۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جس طرح فال کی تیروں کے ذریعہ اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا اور امور غیبیہ کو دریافت کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ اسی طرح نجومیوں سے قسمت کا حال معلوم کرنا' یا جو لوگ ستارہ شناسی کے دعوی دار ہیں' ان سے مستقبل کا حال معلوم کرنا بھی ممنوع اور حرام ہے۔ ہمارے بعض اخبارات اور رسائل میں اس عنوان سے کلام چھپتے ہیں آپ کا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا؟ اور اٹکل پچو سے غیب کی باتیں بتائی جاتی ہیں' نجومی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ طوطا اپنی چونچ سے لفافہ نکالتا ہے' بعض صوفی باصفا قسم کے لوگ قرآن سے فال نکالتے ہیں۔ یہ تمام امور باطل' ناجائز اور حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا' یا جن امور پر وحی کے ذریعہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کو مطلع فرماتا ہے' اس کے سوا اور کوئی غیب کو نہیں جانتا' اولیاء اللہ کو جو الہام ہوتا ہے وہ ایک ظنی امر ہے' قطعی چیز نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں کافر اور مشرک کاہنوں کے پاس جاتے تھے اور انھیں مستقبل میں جس کام کے متعلق تردد ہوتا' وہ ان سے معلوم کرتے اور وہ فال کے تیروں سے فال نکال کر اٹکل پچو سے ان کو غیب کی باتیں بتاتے۔ اسلام نے اس طریقہ کی ممانعت کردی' اب جو لوگ ستارہ شناسی کے دعوداروں' نجومیوں اور طوطے والوں سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے اور مستقبل کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں' ان کا بھی یہی حکم ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مسعود انصاری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کتے کی قیمت'

طوائف (رنڈی) کے معاوضہ اور کاہن کی مٹھائی دینے سے منع فرمایا۔ [1]

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی' یا جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا' یا جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ عمل معکوس کیا' تو وہ اس (دین) سے بری ہو گیا' جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔ [2]

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص نے حائضہ عورت کے ساتھ جنسی عمل کیا' یا جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ عمل معکوس کیا' یا جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا' اس نے اس (دین) کے ساتھ کفر کیا جو سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث تغلیظ پر محمول ہے۔ [3]

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲۳۷' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۶۷' سنن ابوداؤد ج ۲' رقم الحدیث: ۳۴۸۱' سنن ترمذی ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۷۸' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۵۹' سند احمد' ج ۶' رقم الحدیث: ۱۷۰۶۹' سنن دارمی' ج ۲' رقم الحدیث: ۲۵۶۸' شرح السنہ' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۰۳۰' المعجم الکبیر' ج ۱۷' رقم الحدیث: ۷۲۶' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۳۶۳' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۶ ص ۲۴۳' سنن کبری للبیہقی' ج ۶' ص ۶)

۲۔ (سنن ابوداؤد ج ۳' رقم الحدیث: ۳۹۰۴)

۳۔ (سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۵' مسند احمد ج ۳' رقم الحدیث: ۹۳۰۱' سنن کبری للبیہقی ج ۷' ص ۱۹۸) امام بخاری نے کہا: اس حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے اثرم کا حضرت ابوہریرہ سے سماع معروف نہیں ہے اور اثرم منکر الحدیث ہے۔ (التاریخ الکبیر' ج ۱' ص ۱۸) امام ابن عدی نے اس کو ضعفاء میں بیان کیا ہے۔ (الکامل الضعفاء' ج ۲' ص ۶۳۷) تاہم اس حدیث کے شواہد ہیں۔

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو شخص کسی آدمی کے متعلق یہ یقین رکھے کہ اس کو غیب کا علم ہے اور پھر حلال اور جائز سمجھ کر اس سے غیب کی باتیں دریافت کرے' وہ کافر ہو گیا اور اگر وہ ناجائز اور گناہ سمجھ کر یہ کام کرے' تو پھر یہ گناہ کبیرہ ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا قصد کرے تو وہ دو رکعت نفل پڑھے' پھر یہ دعا کرے' اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو عالم ہے اور میں عالم نہیں ہوں اور تو علام الغیوب ہے۔ اے اللہ اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں ۔ فرمایا: میری دنیا اور آخرت میں' میرے لیے خیر ہو تو اس کام کو میرے لیے مقدر کر دے' اور میرے لیے آسان کر دے' پھر اس کام میں میرے لیے برکت ڈال اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگی میں یا فرمایا: میری دنیا اور میری آخرت میں میرے لیے شر ہو' تو اس کام کو مجھ سے دور کر دے' اور مجھے اس کام سے دور کر دے' اور میرے لیے خیر کو مقدر کر دے' جہاں کہیں بھی ہو اور مجھ سے راضی رہ۔ آپ نے فرمایا دعا میں اپنے اس کام کا نام بھی لے۔ [1]

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث ۱۱۶۳' سنن ترمذی' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۷۹ سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۸۳' مسند احمد' ج ۵' رقم الحدیث: ۱۴۷۱۳)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کسی چیز میں بدشگونی نہیں ہے' اور سب سے عمدہ چیز فال ہے۔ انھوں نے پوچھا' یا رسول اللہ! فال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اچھی بات جو تم میں سے کوئی شخص سنتا ہے۔ [1]

کسی ناپسندیدہ قول یا فعل سے برا معنی لینا بدشگونی ہے۔ عرب جب کہیں جانا چاہتے تو وہ پرندہ یا کسی جانور کو ڈرا کر اڑاتے یا بھگاتے۔ اگر وہ دائیں جانب بھاگتا' تو اس کو مبارک جانتے اور سفر پر چلے جاتے اور اگر وہ بائیں جانب جاتا تو اس کو منحوس جانتے اور سفر پر نہ جاتے' یا جو کام کرنا ہوتا' نہ کرتے' اور فال کا معنی نیک اور اچھی بات ہے جس سے طبیعت میں خوشی ہو۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب کسی کام کے لیے جاتے' تو آپ یہ سن کر خوش ہوتے تھے' یا راشد (اے ہدایت یافتہ) یا نجیح (اے کامیاب)۔ [2]

عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی چیز سے بدشگونی نہیں لیتے تھے۔ آپ جب کسی شخص کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کو نام پوچھتے' جب آپ کو اس کا نام اچھا لگتا تو آپ خوش ہوتے' اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کو نام ناپسند ہوتا' تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی' اور جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام پوچھتے۔ اگر آپ کو اس کا نام اچھا لگتا' تو آپ خوش ہوتے اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوتی اور اگر آپ کو اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے چہرے سے ناگواری ظاہر ہوتی۔ [3]

۱۔ (صحیح البخاری' ۵۷۵۵' صحیح مسلم' ۲۲۲۳)

۲۔ (سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۶۲۲)

۳۔ (سنن ابوداؤد ج ۳' رقم الحدیث: ۳۹۲۰' مسند احمد' ج ۱ ص ۱۸۰' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' طبع قدیم)

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾ ﴾

تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں؟ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں اور جوان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جن کو تم نے سدھار کھا ہو جس طرح سے اللہ نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریقے سے) تم نے ان کو سکھایا ہو۔ تو جو شکار وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس کو کھا لیا کرو (اور شکاری جانور چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

شان نزول: (آیت) "یسئلونک ماذا احل لہم"

طبرانیؒ، حاکم اور بیہقیؒ نے ابورافعؓ سے روایت کیا ہے کہ جبرائیل امین (علیہ السلام) رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تشریف لائے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آنے کی اجازت طلب کی، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اجازت دے دی مگر انھوں نے آنے میں کچھ تاخیر کی، اس

کے بعد جبرائیل امین (علیہ السلام) نے آپ کی چادر مبارک پکڑی، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہر تشریف لائے، جبرائیل (علیہ السلام) دروازے پر کھڑے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا ہم نے تو تمہیں اجازت دے دی تھی، انھوں نے فرمایا ٹھیک ہے، مگر ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہوتے، جس میں تصویر یا کتا ہو، آپ نے نظر دوڑائی تو حجرہ کے کونے میں کتے کا پلا تھا، آپ نے ابورافعؓ کو حکم دیا کہ مدینہ منورہ میں کوئی کتا نہ چھوڑو، سب کو مار ڈالو۔

تو کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس امت میں سے جس کے مار ڈالنے کا آپ نے حکم دیا ہے کون سے کتے رکھنا ہمارے لیے حلال ہیں، اس پر آیت نازل ہوئی کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کون سے جانوران کے لیے حلال ہیں۔

اور ابن جریرؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابورافعؓ کو کتوں کے مار ڈالنے کے لیے بھیجا، وہ مارتے مارتے مدینہ کے نواح میں پہنچے تو آپ کے پاس عاصم بن عدی اور سعد بن حشمہ اور عویمر بن ساعدہ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان جانوروں میں سے کون سے ہمارے لیے حلال ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

نیز محمد بن کعب قرظیؒ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا تو صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس امت میں سے کون سی قسم کے جانور ہمارے لیے حلال ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نیز شعبیؒ کے طریق سے عدی بن حاتمؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے شکاری کتوں کا حکم دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو کچھ جواب نہ

دیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

اور ابن ابی حاتمؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا ہے کہ عدی ابن حاتم طائی اور زید بن مہلل طائیؒ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم کتوں اور باز کے ذریعے سے شکار کرتے ہیں اور آل ذریح کے کتے، نیل گائے، جنگلی گدھے اور ہرنیوں کا شکار کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام کر دیا ہے، اب ہمارے لیے ان میں سے کون سی چیزیں حلال ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

اس آیت میں کھانے پینے کی اشیا کی حلت وحرمت کے متعلق ایک عظیم الشان اصول دیا گیا ہے کہ "ہر چیز کی اصل اباحت ہے" اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے کی تمام اشیا دو شرطوں کے ساتھ تمہارے لیے حلال ہیں، ایک یہ کہ وہ چیز پاکیزہ اور صاف ستھری ہو، گندی، باسی، سڑی ہوئی اور بدبودار نہ ہو، دوسرے یہ کہ اس سے متعلق شریعت میں یہ صراحت نہ ہو کہ وہ حرام ہے۔ اس طرح حرام اشیا کا دائرہ بہت محدود ہو جاتا ہے اور حلال اشیا کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ: یعنی وہ شکار حلال ہے جسے تم شکاری جانوروں مثلاً کتوں، چیتوں اور بازوں وغیرہ کے ذریعے شکار کرو، سیدنا عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے باز سے شکار کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وہ جو تمہارے لیے روک لے تو تم اسے کھا لو۔" [2]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص کتا پالتا ہے تو

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

۲۔ [ترمذی، کتاب الصید، باب ماجاء فی صید البزاۃ: ۱۴۶۷۔ أبوداؤد، کتاب الضحایا، باب فی الصید: ۲۸۵۱]

ہر روز اس کی نیکیوں میں سے ایک قیراط کم ہوتا ہے، سوائے بکریوں یا کھیتی (وغیرہ کی حفاظت کے لیے رکھے کتے کے) یا شکار کے کتے کے۔"[1]

تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ: یعنی جب شکاری جانور سدھایا ہوا ہو، وہ شکار کو اپنے مالک کے لیے پکڑے رکھے اور اسے چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو تو یہ شکار حلال ہے، خواہ وہ اسے قتل ہی کیوں نہ کر دے۔

سیدنا عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتا ہوں اور وہ میرے لیے شکار کرتے ہیں اور میں اللہ کا نام لے لیا کرتا ہوں۔ رسول رحمت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور اللہ کا نام لے لو تو جو شکار وہ تمہارے لیے پکڑے، اسے کھا لو۔" میں نے کہا کہ اگر وہ اسے قتل کر دیں؟ فرمایا: "خواہ وہ اسے قتل کر دیں، بشرطیکہ قتل میں کوئی ایسا کتا شریک نہ ہو جو ان میں سے نہ ہو، کیونکہ تم نے اپنے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہوتا ہے، کسی دوسرے پر اللہ کا نام نہیں لیا ہوتا۔" میں نے عرض کی کہ میں شکار پر چھری لگی ہوئی لاٹھی پھینکتا ہوں جو اسے لگ جاتی ہے۔ فرمایا: "اگر تم ایسی لاٹھی پھینکو اور وہ اسے پھاڑ دے تو اسے کھا لو اور اگر وہ لاٹھی عرض کی طرف سے لگے (اور وہ مر جائے) تو وہ چوٹ لگنے سے مرا ہوا جانور ہے، اسے مت کھاؤ۔"[2]

سیدنا عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب تم اپنے کتے کو بھیجو تو اس پر اللہ کا نام لو اور اگر وہ تمہارے لیے پکڑے اور تم اسے زندہ پا لو تو اسے ذبح کر لو اور اگر تم

۱۔ [بخاری، کتاب المزارعۃ، باب اقتناء الکلب للحرث: ۲۳۲۲]

۲۔ [بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب صید المعراض: ۵۴۷۷۔ مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی: ۱۹۲۹]

اسے پاؤ کہ اس نے اسے قتل کر دیا ہے لیکن اسے خود نہیں کھایا تو پھر تم اسے کھالو، کیونکہ کتے کا اسے پکڑنا ہی اسے ذبح کرنا ہے۔"[1]

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ: سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس سے حساب لیا گیا اسے عذاب دیا جائے گا۔"

سیدہ عائشہؓ نے کہا کہ میں نے عرض کی، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: (فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا)[آل اِنشقاق: ۸] "سو عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا، نہایت آسان حساب۔" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "یہ (آسان حساب) تو بس سرسری پیشی ہے، لیکن جس سے حساب کی کرید کی گئی تو اس کو ضرور عذاب ہوگا۔"[2]

امام طبرانیؒ نے صفوان بن امیہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ عرفطہ بن نھیک التمیمیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ بلاشبہ میں اور میرے گھر والے رزق دیئے جاتے ہیں اس شکار میں سے اس میں ہمارے لیے حصہ ہے اور برکت ہے۔ لیکن یہ چیز ہم کو غافل کر دیتی ہے۔ اللہ کے ذکر سے اور جماعت میں نماز پڑھنے سے اور اس کی طرف ہماری حاجت بھی ہے کیا آپ اس کو ہمارے لیے حلال فرماتے ہیں یا اس کو حرام فرماتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں اس کو حلال کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال کیا یہ کہنا اچھا عمل ہے لیکن اللہ تعالیٰ زیادہ عذر قبول کرنے والا ہے مجھ سے پہلے جتنے بھی اللہ کے رسول تھے وہ سب کے سب شکار کرتے تھے اور شکار کو طلب کرتے تھے۔ جب تو رزق کی تلاش کی وجہ

۱۔[بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب التسمیۃ علی الصید: ۵۴۷۵۔ مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلمۃ والرمی: ٤، ۱۹۲۹/٦]

۲۔[بخاری، کتاب العلم، باب من سمع شیءا فلم یفہمہ فراجع حتی یعرفہ: ۱۰۳۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب إثبات الحساب: ۲۸۷٦]

سے جماعت سے غائب ہوتو جماعت اور جماعت میں شریک لوگوں کی محبت اور اللہ کے ذکر اور ذکر کرنے والوں کی محبت یہی تیرے لیے کافی ہے۔اور اپنی ذات اور اپنے کنبہ کے لیے حلال کو تلاش کر کیونکہ یہ بھی اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے اور تو جان لے کہ اللہ کی مدد نیک تاجروں کے ساتھ ہے۔

شکاری پرندے اور درندے

ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور امام بیہقیؒ نے سنن میں ابن عباسؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ لفظ آیت وما علمتم من الجوارح مکلبین سے مراد ہیں سدھائے ہوئے کتے اور باز اور جوارح سے مراد کتے چیتے اور شکرے اور اس طرح کے اور پرندے لفظ آیت والمکلبین نقصان پہنچانے والے (یعنی شکار کو زخمی کرنے والے) لفظ آیت فکلوا مما امسکن علیکم کھاؤ اس شکار میں سے جس کو وہ قتل کر دیں۔اگر وہ شکار کو مار ڈالے اور ساتھ ہی اس کو کھا جائے تو پھر اس کو مت کھاؤ لفظ آیت واذکروا اسم اللہ علیہ یعنی جب تو اپنے شکار کو بھیجے تو بسم اللہ کہہ لے۔اگر تو بھول جائے تو کوئی حرج نہیں (پھر بھی حلال ہے)

عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ لفظ آیت من الجوارح مکلبین سے پرندے اور کتے مراد ہیں۔

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ لفظ آیت من الجوارح مکلبین کے بارے میں فرمایا کہ وہ شکار کو مار ڈالیں پھر فرمایا لفظ آیت فکلوا مما امسکن علیکم یعنی جب تو اپنے کتے کو یا اپنے پرندے کو یا اپنے تیر کو چھوڑتا تھا اور اللہ کا نام بھی لیا تھا۔تو اس نے شکار کو پکڑے رکھا یا اس کو قتل کر دیا تو کھالو (یہ حلال ہے)

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کیا کہ کسی مسلمان نے کسی مجوسی کا سکھایا ہوا کتا لیا یا اس کے باز کو یا اس کے شکرے کو، ان پرندوں میں سے جن کو مجوسی نے سکھایا تھا۔وہ مسلمان اس شکاری

کو چھوڑتا ہے اور وہ شکار کو پکڑ لے آتا ہے۔ تو فرمایا اس کو نہ کھاؤ اگرچہ اس نے اس پر بسم اللہ بھی پڑھی ہو۔ اس لیے کہ یہ مجوسی کا سدھایا ہوا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت تعلمونھن مما علمکم اللہ (یعنی جن کو تم نے سکھایا ہو)

امام ابن جریرؒ نے حسنؒ سے روایت نقل کی ہے کہ لفظ آیت وما علمتم من الجوارح یعنی ہر ایک شکاری جن کو تم نے سکھایا ہو لفظ آیت تعلمونھن مما علمکم اللہ یعنی تم نے ان کو سکھایا (شکار کو) طلب کرنے کے لیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سکھایا۔

ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ سدھائے ہوئے کتے وہ ہیں کہ جو شکار کو پکڑ کر رکھیں اور (خود) اس کو نہ کھائے تو اس میں سے کھاؤ یہاں تک کہ اس کا مالک آجائے۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب کتا کھالے تو پھر نہ کھاؤ کیونکہ اس نے اپنی ذات کے لیے شکار کو روکا ہے۔

امام ابن جریرؒ نے عدی بن حاتمؓ سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے باز کے شکار کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا جو شکار وہ تیرے لیے روک دے (خود نہ کھائے) تو اس کو کھالے۔

امام بخاری، مسلمؒ نے عدی بن حاتمؓ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتا ہوں اور اللہ کا نام بھی لیتا ہوں تو آپ نے فرمایا جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑے اور اللہ کا نام بھی لے تو (اس شکار میں سے) کھالو جو وہ تجھ پر روک رکھے (خود نہ کھائے) میں نے کہا اگر وہ شکار کو قتل کر دیں آپ نے فرمایا اگر وہ قتل کر دے جب تک اس کے ساتھ

کوئی اور کتا شریک نہ ہو جو سدھایا ہوا نہ ہو (تو حلال ہے) اس لیے کہ تو نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی تھی اور اس کے علاوہ کسی دوسرے پر بسم اللہ نہیں پڑھی تھی۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے عدی بن حاتمؓ سے روایت نقل کی کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! ہم ایسی قوم ہیں جو کتوں اور بازوؤں کا شکار کرتے ہیں۔ ہمارے لیے اس میں سے کیا حلال ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تمہارے لیے حلال ہے جو فرمایا لفظ آیت وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ پھر آپ نے فرمایا جو تم نے کتے کو چھوڑا اور اللہ کا نام بھی لیا تو کھاؤ اس میں سے جو وہ تجھ پر روک لے (خود نہ آجائے) میں نے کہا اگر وہ (شکار کو) قتل کر دے فرمایا۔ اگرچہ وہ قتل کر دے جب تک وہ (خود) نہ کھائے یعنی جس کو پکڑ رکھے میں نے کہا ہم ایسی قوم ہیں جو تیر پتھر پھینک کر بھی شکار کرتے ہیں ہمارے لیے کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا جو تو نے اللہ کا نام پڑھ کر تیر یا پتھر کو پھینکا اور اس نے جانور کو زخمی کر دیا تو اسے کھالے۔

کتے اور باز پر بسم اللہ پڑھنا

عبد بن حمیدؒ نے علی بن الحکمؒ سے روایت کی ہے کہ نافع بن ارزقؒ نے ابن عباسؓ سے پوچھا آپ بتایئے جب میں اپنے کتے کو چھوڑوں اور اللہ کا نام بھی لوں اور وہ شکار کو مار ڈالے تو کیا اس کو کھالوں فرمایا ہاں کھالو نافع نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت الا ماذکیتم جبکہ آپ یہ فرماتے ہیں اگر وہ (شکار) قتل کر دے۔ فرمایا افسوس ہے تجھ پر اے ابن ارزق تو بتا اگر وہ بلے کو مار دے اور تو اس کو ذبح بھی کرے کیا اس کا حکم تیری خواہش پر ہوگا۔ اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کونسے کتوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ طحا میں سے نبہان قبیلہ کے خاندان کے کتوں کے بارے میں نازل ہوئی افسوس ہے تجھ پر اے

ابن ارزق یقیناً یہ تیرے لیے بڑی خبر ہوگی۔

عبد بن حمیدؒ نے مکحولؒ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وہ کتا جو سکھایا ہوا نہ ہو اگر اس نے شکار کو روک لیا اور تو نے اس کو ذبح کر لیا تو اسے کھالے۔ اگر تو اس کو ذبح نہ کر سکے تو نہ کھا۔

عبد بن حمیدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جب کتے نے شکار کا کچھ حصہ کھالیا تو پھر تم نہ کھاؤ اور اگر شکرہ نے کھالیا تو اس کو کھالو کیونکہ کتے کو تو مار سکتا ہے مگر شکرے کو نہیں مار سکتا۔

عبد بن حمیدؒ نے عروہؒ سے روایت نقل کیا ان سے پوچھا گیا کہ کوا کیا یہ پاکیزہ چیزوں میں سے ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ کیسے پاکیزہ چیزوں میں سے ہوسکتا ہے جبکہ اس کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فاسق فرمایا ہے۔

﴿ اَلۡیَوۡمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمۡ ۪ وَ طَعَامُکُمۡ حِلٌّ لَّہُمۡ ۫ وَ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ اِذَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ مُحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ وَ لَا مُتَّخِذِیۡۤ اَخۡدَانٍ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُہٗ ۫ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۵﴾ ﴾

آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی (بشرطیکہ طیبات میں سے ہو) تم پر حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔ اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جبکہ ان کا مہر دے دو اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو' نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی (مقصود ہو) اور جو شخص ایمان کا منکر ہوا' اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

ربط آیت: گزشتہ آیات میں شکار کا حکم بیان فرمایا اب اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود اور نصاری کے ذبیحہ کا حکم بیان فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کا حکم بھی بیان فرماتے ہیں کیونکہ حلت اور انتفاع دونوں میں مشترک ہے۔

جن جانوروں کو قرآن اور حدیث میں حرام کیا گیا ہے' ہم ان کا یہاں تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں۔ اور ان کے ماسوا جانور حلال ہیں۔

قرآن اور حدیث میں بیان کردہ حرام جانور

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خصوصیت کے ساتھ خنزیر کو حرام فرمایا ہے۔ اور چونکہ اسرائیل کے ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کر کے بندر بنا دیا تھا' اس سے اشارۃ معلوم ہوا کہ بندر بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) "من لعنہ اللہ وغضب علیہ وجعل منھم القردۃ والخنازیر"۔(المائدہ:٦)

ترجمہ: وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک قاعدہ بیان فرما دیا ہے کہ جو درندے کچلیوں (نوک دار دانتوں) سے پھاڑ کر کھاتے ہیں' جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ اور جو پرندے اپنے ناخنوں سے شکار کر کے کھاتے ہیں' جیسے باز اور شکرہ وغیرہ' یہ سب حرام ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ٢٦١ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر ناخنوں (سے شکار کرنے) والے پرندے کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔ [1]

پھاڑنے والے درندوں سے حملہ آور جنگلی جانور مراد ہیں' لہٰذا اس حدیث سے ہاتھی' لومڑی اور بجو بھی حرام ہیں۔ نیز ہاتھی کی کچلیاں بھی ہوتی ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس برتن کو دھونے کا حکم دیا ہے' جس میں کتا منہ ڈال دے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا لعاب نجس ہے۔ اور لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اس کا گوشت بھی نجس ہوا اور ہر نجس حرام ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ کتے کا کھانا

١۔ (صحیح مسلم' ج ٣ "رقم الحدیث: ١٩٣٤' صحیح البخاری' ج ٦ "رقم الحدیث: ٥٥٣٠' سنن ترمذی ج ٣' رقم الحدیث: ١٤٨٣' سنن ابوداؤد' ج ٢ "رقم الحدیث: ٣٨٠٣' سنن نسائی' ج ٧ رقم الحدیث: ٤٣٣٧' موطا امام مالک' ١٠٧٥' سنن کبری للبیہقی' ج ٩' ص ٣١٥' مصنف عبدالرزاق' ٨٧٠٤' المعجم الکبیر' ج ٢٢' رقم الحدیث: ٥٦٦۔٥٤٩' مسند احمد' ج ٦' رقم الحدیث: ١٧٧٥٠) شیخ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد' ج ٣' رقم الحدیث: ص ٣١٤١' ص ٣٥٨' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ١٤١٦ھ)

بھی حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں کتا منہ ڈال تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ۔ (۱)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کتے کی بیع کو حرام فرمایا ہے' اس سے بھی واضح ہوا کہ کتا حلال نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مسعود انصاری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کتے کی قیمت' فاحشہ کی اجرت اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا۔ (۲)

نیز امام احمد بن شعیب نسائی ؒ متوفی ۳۰۳ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کتے کی قیمت' کاہن کی شیرینی اور فاحشہ کی اجرت حلال نہیں ہے۔ (۳)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سیاہ کتے کو قتل کرنے کا حکم دیا اور شکاری کتے' کھیتوں اور

۱۔ (صحیح البخاری ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۲' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۹۱' سنن ابوداؤد' ج ۱ رقم الحدیث ۷۱' سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۹۱' سنن کبری للبیہقی' ج ۱ ص ۲۴۰' قدیم' مسند احمد' ج ۱' رقم الحدیث: ۸۱۳۳)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۳' رقم الحدیث: ۲۲۳۷' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۶۸' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۴۲۸' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۱۳۶' سنن نسائی' رقم الحدیث: ج ۷' رقم الحدیث: ۴۳۰۳' سنن ابن ماجہ' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱۵۹)

۳۔ (سنن نسائی ج ۷' رقم الحدیث: ۴۳۰۴' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۴۸۴)

مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کی سوا اور کسی کتے کو رکھنے کی اجازت نہیں دی' اگر کتے کو کھانا حلال ہوتا تو مطلقا کتے کو رکھنے کو اجازت ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اگر کتے اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق نہ ہوتے تو میں ان (سب) کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔ پس تم ان میں سے کالے سیاہ کتے کو قتل کر دو' اور جن لوگوں نے کھیت' شکار اور مویشیوں کے بغیر کتا رکھا' ان کے اجر میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ [1]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے: جس گھر میں کتا ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اگر کتے کا کھانا حلال ہوتا تو فرشتے اس سے نفرت نہ کرتے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام المومنین میمونہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بہت پریشان تھے۔ حضرت میمونہ ؓ نے کہا' آج صبح سے میں آپ کو بہت مغموم دیکھ رہی ہوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مجھ سے جبرائیل نے رات کو ملاقات کا وعدہ کیا تھا' وہ نہیں آئے۔ بخدا انھوں نے مجھ سے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی' پھر سارا دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہی کیفیت رہی' پھر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایک کتے کے پلے کا خیال آیا جو ہمارے پردے کے پیچھے تھا' آپ نے اس کو گھر سے نکالنے کا حکم دیا تو نکال دیا گیا' پھر آپ نے پانی سے اس جگہ کو دھویا

۱۔ (سنن نسائی' ج ۷' رقم الحدیث: ۴۲۹۱' سنن ترمذی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۹۲، ۱۴۹۱' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۵۷۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۸۴۵' سنن ابن ماجہ' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۲۰۵' موطا امام مالک' ۱۸۰۸' مسند احمد' ج ۲' رقم الحدیث: ۴۴۷۹' صحیح البخاری' ج ۶' رقم الحدیث: ۵۴۸۰)

جہاں کتا تھا' جب شام ہوئی تو جبرائیل (علیہ السلام) نے آپ سے ملاقات کی۔ آپ نے ان سے کہا' تم نے گزشتہ رات مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ انھوں نے کہا' ہاں لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ پھر اس دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا' حتی کہ چھوٹے باغ (کی حفاظت) کے کتے کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا اور بڑے باغ کی حفاظت کے کتے کو چھوڑ دیا۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پالتوں گدھوں کے کھانے کو بھی حرام فرما دیا

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جنگ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے کو اور پالتو گدھوں کے کھانے کو حرام فرما دیا۔ (یہ حدیث حضرت جابر ؓ اور حضرت مقدام بن معدیکرب ؓ سے بھی مروی ہے)۔ (۲)

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چوہے' بچھو' چیل' کوے' اور باؤلے کتے کے متعلق فرمایا: ان کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا اور ان کو فاسق فرمایا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: پانچ (جانور) فاسق ہیں'

۱۔ (صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۳۱۰۵' سنن ابوداؤد' ج ۳' رقم الحدیث: ۴۱۵۷' سنن ترمذی' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۸۱۵' مسند احمد' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۰۱۹۷' سنن کبری للبیہقی' ج ۷' ص ۲۷۰' قدیم)

۲۔ (صحیح البخاری ج ۵' رقم الحدیث: ۴۲۱۶' صحیح مسلم' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۴۰۷' سنن ابوداؤد' ج ۲' رقم الحدیث: ۳۸۰۸' سنن دارقطنی' ج ۴' رقم الحدیث: ۴۷۲۳' سنن کبری للبیہقی' الجدیدہ' ج ۴' رقم الحدیث: ۱۹۹۹۵)

جن کو حرم میں بھی قتل کر دیا جائے۔ چوہا' بچھو' چیل' کوا اور باؤلا کتا۔ (بعض روایات میں بچھو کی جگہ سانپ کا ذکر ہے)۔ [1]

امام یزید ابن ماجہ ؒ متوفی ۲۷۳ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ کوا کون شخص کھائے گا' حالانکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو فاسق فرمایا ہے۔ بخدا وہ پاک جانوروں میں سے نہیں ہے۔ [2]

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چھپکلی کو بھی فاسق فرمایا اور اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چھپکلی کو بھی کھانا حرام ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چھپکلی کو فویسق فرمایا۔ ام شریکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چھپکلیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ [3]

امام احمد بن حنبل ؒ متوفی ۲۴۱ ھ روایت کرتے ہیں:

ابو الاحوص جشمیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن مسعودؓ خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں دیوار پر ایک سانپ گزر رہا تھا' حضرت ابن مسعودؓ نے اپنا خطبہ منقطع کیا اور اس کو لاٹھی سے مار کر قتل کر دیا۔ پھر کہا' میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس شخص نے کسی

۱۔ (صحیح البخاری ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۱۴' صحیح مسلم ج ۳' رقم الحدیث: ۱۱۹۸' سنن نسائی ج ۵' رقم الحدیث: ۲۸۲۹' سنن ابوداؤد ج ۲' رقم الحدیث: ۱۸۴۸' سنن ترمذی ج ۲' رقم الحدیث: ۸۳۸ سنن ابن ماجہ ج ۲' رقم الحدیث: ۳۰۸۷' مسند احمد ج ۹' رقم الحدیث: ۲۴۷۱۵)

۲۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ رقم الحدیث: ۳۲۴۸)

۳۔ (صحیح البخاری ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۰۶' ۳۳۰۷' صحیح مسلم ج ۴' رقم الحدیث: ۲۲۳۹)

سانپ کو قتل کیا' اس نے گویا اس مشرک کو قتل کیا جس کا خون مباح تھا۔ احمد محمد شاکرؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ [1]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ چوہا' سانپ' چھپکلی اور بچھو حرام ہیں۔ فقہاء نے ان پر قیاس کر کے باقی حشرات الارض کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔

(آیت) "ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبئث"۔ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: اور وہ ان کے لیے پاک اور مرغوب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک اور نفرت انگیز چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

طبیعت سلیمہ حشرات الارض سے نفرت کرتی ہے اور گھن کھاتی ہے۔ اس لیے تمام حشرات الارض حرام ہیں۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

ہم نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے وہ احادیث روایت کی ہیں جو سانپ اور بچھو کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح جو جانور ان کے حکم میں ہیں' جن کو عرب خبیث قرار دیتے ہیں اور ان کو بلا اضطرار نہیں کھاتے۔ [2]

نیز نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے گوہ کو حرام فرمایا ہے اور گوہ حشرات الارض میں سے ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبدالرحمن بن شبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے گوہ کا گوشت

۱۔ (مسند احمد بشرح احمد شاکر' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۹۹۵' مطبوعہ قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

۲۔ (سنن الکبریٰ' ج ۱۴' ص ۳۱۱' الجدیدہ' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

کھانے سے منع فرمایا ہے۔ [1]

بجو' کچھوا اور بھڑ بھی حشرات الارض میں سے ہیں' اس لیے وہ بھی حرام ہیں۔ امام شافعیؒ بجو اور گوہ کو حلال کہتے ہیں' نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خچر کو حرام فرمایا ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خالد بن ولیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے گھوڑوں' خچروں اور پالتوں گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے اور حیوۃ نے یہ اضافہ کیا ہر کچلیوں والے درندے سے منع فرمایا ہے۔ [2]

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لومڑی' بھیڑیے اور بجو کے متعلق خصوصیت کے ساتھ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خزیمہ بن جزءؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں آپ سے جنگلی جانوروں کے متعلق پوچھنے کے لیے آیا ہوں' آپ لومڑی کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا لومڑی کو کون کھائے گا؟ میں نے پوچھا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ بھیڑیے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جس میں کوئی خیر ہوگی' ہو بھیڑیے کو کھائے گا؟۔ [3]

۱۔ (سنن ابوداؤد ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۹۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

۲۔ (سنن ابوداؤد ج ۲' رقم الحدیث: ۳۷۹۰' مطبوعہ بیروت)

۳۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲' رقم الحدیث: ۳۵' ۳۳' سنن ترمذی ج ۳' رقم الحدیث: ۱۷۹۹' سنن کبری للبیہقی' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۱۹۹۳۱' مختصر الجدیدہ)

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت خزیمہ بن جزءؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بجو کھانے کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص بجو کھائے گا؟ پھر میں نے بھیڑیے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا جس شخص میں کوئی خیر ہو وہ بھیڑیا کھائے گا؟۔ [1]

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اسماعیل بن مسلم پر بعض محدثین نے جرح کی ہے۔ اسناد ضعیف جداً۔

خلاصہ یہ ہے کہ کچلیوں اور ناخنوں سے پھاڑنے' چیرنے والے درندے اور پرندے' خچر اور پالتو گدھے' کتا اور خنزیر سانپ' بچھو' بجو' گوہ اور دیگر حشرات الارض کو کھانا قرآن اور حدیث سے حرام ہے۔

سمندری جانوروں کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ امام شافعی اور امام مالکؒ کے نزدیک تمام مردار سمندری جانور حلال ہیں' خواہ طبعا مرے ہوں یا شکار سے۔ امام احمدؒ کے نزدیک جو سمندری جانور خشکی میں رہتے ہیں' وہ بغیر ذبح کے حلال نہیں جیسے کچھوا اور جن سمندری جانوروں میں بہنے والا خون نہیں ہے۔ وہ بغیر ذبح کے حلال ہیں اور جن میں بہنے والا خون ہو' ان کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ آیت ہے۔

(آیت) "احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ"۔ (المائدہ:۹۶)

ترجمہ: تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے سمندر کا شکار اور اس کا طعام حلال کر دیا گیا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اس سے مراد سمندر کا شکار کرنا ہے اور حرام جانوروں کا بھی دیگر فائدوں کے لیے شکار کرنا جائز ہے اس سے مراد شکار کھانا نہیں ہے اور طعام سے مراد مچھلی ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس حدیث

۱۔ (سنن ترمذی' ج ۳ رقم الحدیث: ۱۷۹۹' سنن ابن ماجہ' ج ۲ رقم الحدیث: ۳۲۳۷)

سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا' یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پانی تھوڑا سا ہوتا ہے' اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو ہم پیاسے رہ جائیں گے۔ کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیا کریں؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (فقہاء احناف اس مردار کو مچھلی پر محمول کرتے ہیں)۔ [1]

فقہاء احناف اس حدیث میں بھی مردار کو مچھلی پر محمول کرتے ہیں اور اس پر قرینہ یہ حدیث ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ متوفی ۲۷۳ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہمارے لیے دو مردار حلال کیے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔ [2]

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور خبیث ہیں' یعنی غیر مرغوب ہیں اور قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "ویحرم علیھم الخبائث"۔ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: اور ناپاک اور نفرت انگیز چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں۔

۱۔ (سنن ترمذی' ج۱' رقم الحدیث:' ۶۹' سنن ابوداؤد ج۱' رقم الحدیث:' ۸۳' سنن نسائی' ج۱' رقم الحدیث:' ۵۰' سنن ابن ماجہ' ج۱' رقم الحدیث:' ۳۸۶' الموطاء' رقم الحدیث:' ۴۳' مسند احمد' ج۳' رقم الحدیث:' ۷۲۳۷' المستدرک' ج۱ ص ۱۴۰)

۲۔ (سنن ابن ماجہ' ج۲' رقم الحدیث: ۳۲۱۸' مسند احمد ج۲' رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

جو مچھلی طبعی موت سے مر کر سطح آب پر آ جائے' ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بھی حلال ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ حرام ہے' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ عنہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس چیز کو سمندر پھینک دے یا جس سے سمندر کا پانی ہٹ جائے' اس کو کھالو' اور جو پانی میں مر کر اوپر آ جائے' سو تم اس کو نہ کھاؤ۔ [1]

محدثین نے کہا ہے اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سلیم الطائفی ہے' اور یہ ضعیف راوی ہے۔ لیکن امام بیہقیؒ نے اس کو دیگر متعدد اسانید کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ [2]

علاوہ ازیں جب حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہٰذا حلت کی روایات پر یہ حدیث راجح ہے۔

خشکی اور سمندری حرام جانوروں کی یہ تفصیل ہے' ان کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ بشرطیکہ ان کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ اس کی تفصیل (المائدہ: ۳) میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے۔

اہل کتاب کی تعریف اور ان کے ذبیحہ کی تحقیق

۱۔ (سنن ابوداؤد' ج ۲ رقم الحدیث: ۳۸۱۵' سنن ابن ماجہ ج ۲' رقم الحدیث: ۳۲۴۷)

۲۔ (سنن کبریٰ' ج ۱۴' ص ۱۶۱۔۱۵۹' الجدیدہ)

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اس آیت میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔ غلہ پھل اور میوہ جات وغیرہ مراد نہیں ہیں' کیونکہ ذبیحہ وہ ہے جس کے طعام ہونے میں انسان کا دخل ہے۔ باقی کھانے پینے کی چیزیں تمام لوگوں کے لیے مباح ہیں' اس لیے ان کی اہل کتاب کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

عنقریب ہم بعض آثار نقل کریں گے جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ یہاں طعام سے مراد ذبائح ہیں۔

اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں' جن کے انبیاء (علیہم السلام) پر اللہ تعالیٰ نے توراۃ اور انجیل کو نازل فرمایا۔ کیونکہ زمانہ نزول قرآن میں یہودی حضرت عزیرؑ کو اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا مانتے تھے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اہل کتاب فرمایا:

(آیت) "وقالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصری المسیح ابن اللہ"۔ (التوبہ: ۳۰)

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

ابن شہابؒ سے نصاریٰ عرب کے ذبیحہ کے متعلق سوال کیا گیا' تو انھوں نے کہا' ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا' کیونکہ وہ دین میں اہل کتاب ہیں اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں۔ [1]

حضرت علیؓ نے نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کے متعلق فرمایا: "وہ حلال نہیں ہے"۔

عبیدہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا نصاریٰ بنو تغلب کے ذبیحہ کو نہ کھاؤ' کیونکہ وہ شراب پینے کے سوا نصرانیت کی اور کسی چیز پر عمل نہیں کرتے۔ [2]

لیکن اکثر فقہاء تابعین مثلاً حسن بصریؒ' عکرمہؒ' قتادہؒ' سعید بن المسیب ھعبیؒ اور ابن شہابؒ وغیرہ بنو

۱۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۲۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۱۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

تغلب کے ذبیحہ کو کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ [1]

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ زیلعی نے کہا ہے کہ جو شخص آسمانی دین کا معتقد ہو اور اس کے پاس کتاب ہو' جیسے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے صحائف یا حضرت شیث کے یا حضرت داؤد کی زبور ہو' وہ اہل کتاب میں سے ہے اور ان کے ذبیحہ کو کھانا جائز ہے۔

مستصفی میں مذکور ہے کہ ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں یہ قید ہے کہ وہ مسیح کی الوہیت کا عقیدہ نہ رکھتے ہوں اور اسی کے موافق شیخ الاسلام کی مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر وہ مسیح کی الوہیت یا عزیر کی الوہیت کا عقیدہ رکھیں تو واجب ہے کہ ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ اسی پر فتوی ہے لیکن دلیل کے اعتبار سے ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ البحر الرائق میں مذکور ہے کہ مذہب یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا مطلقا جائز ہے۔ کیونکہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقا حلال ہے' خواہ وہ تین میں سے تیسرے کا قول کریں یا نہیں' کیونکہ قرآن مجید نے ان کے طعام کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی مطلقا اجازت دی ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور یہ دلیل کا تقاضا ہے۔ کیونکہ اہل کتاب پر مشرکین کا اطلاق نہیں کیا جاتا' اور مشرک اس کو کہتے ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرے اور کسی نبی کی اتباع کا مدعی نہ ہو۔ [2]

نیز علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ اولی یہ ہے کہ بلا ضرورت ان کا ذبیحہ کھائے نہ ان کی عورتوں سے نکاح

۱۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۱۳۶' طبع بیروت)

۲۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

کرے۔ [1]

اگر کوئی شخص کسی عیسائی سے ذبح کے وقت یہ سنے کہ وہ مسیح کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے' تو اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے' اور اگر وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے اور اس سے ارادہ مسیح کا کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا ذبیحہ کھا لیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ صراحتاً کہے اللہ کے نام سے جو تین میں کا تیسرا ہے' تو پھر اس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ) اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب عیسائی ذبح کر کے لے آئے تو اس کا ذبیحہ کھا لیا جائے گا۔ (عنایہ) جیسا کہ اس نے صرف اللہ کا نام لیکر سامنے ذبح کیا ہو۔ [2]

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفیؒ متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

غیر اہل کتاب کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ بت پرست ہو' مجوسی ہو' مرتد ہو' جنی ہو یا جبری ہو۔ اگر یہودی یا عیسائی' مجوسی ہو جائے تو اس کا ذبیحہ جائز نہیں ہوگا اور اگر مجوسی یہودی یا عیسائی ہو تو اس کا ذبیحہ جائز ہو جائے گا۔ [3]

اہل کتاب مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح ناجائز ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے ذبیحہ کے بیان میں جانبین سے حکم فرمایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے' اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے' اور نکاح کے متعلق فرمایا اور اہل کتاب کی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں' یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اور تمہاری عورتیں ان کے لیے حلال ہیں۔ سو نکاح میں صرف ایک جانب سے حلت ہے اور وجہ فرق ظاہر ہے' کیونکہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں دونوں طرف سے طعام کا حلال ہونا

۱۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۱۸۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

۲۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۱۸۸' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

۳۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۱۸۹' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی' بیروت ۱۴۰۷ھ)

کسی شرعی خرابی کو مستلزم نہیں ہے اور اگر نکاح میں بھی دونوں جانب سے جواز ہوتا اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب سے نکاح جائز ہوتا اور شوہر بیوی پر حاکم ہوتا تو مسلمان عورت پر کافر مرد کا غلبہ ہوتا اور یہ شرعا ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(آیت) "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا"۔ (النساء:۱٤۱)

اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔

دیگر کفار کے برعکس اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی وجہ:

دیگر کفار کے برعکس صرف اہل کتاب کے ذبیحہ کو اسلام میں حلال کیا گیا ہے۔ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں متعدد امور مشترک ہیں' یہ دونوں آسمانی مذہب ہیں۔ اللہ تعالیٰ' فرشتے انبیاء (علیہم السلام)' آسمانی کتابیں قیامت' مرنے کے بعد اٹھنا' جزا' سزا اور جنت و دوزخ کے دونوں قائل ہیں۔ اس کے علاوہ جانور کی حلت اور حرمت میں بھی ان میں کئی امور مشترک ہیں۔ اسلام میں مردار جانور' جس کا گلا گھونٹا گیا ہو' جس کو درندے نے پھاڑا ہو' جو بتوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو اور خون اور خنزیر حرام ہیں اور موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس (بائبل) میں بھی ان کی حرمت بیان کی ہے۔ جو جانور خود بخود مر گیا ہو اور جس کو درندوں نے پھاڑا ہو' ان کی چربی اور کام میں لاؤ' پر اسے تم کسی حال میں نہ کھانا۔ [1]

اور سور کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں' پر وہ جگالی نہیں کرتا' وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے' تم ان کا گوشت نہ کھانا۔ [2]

۱۔ (پرانا عہد نامہ' احبار باب:۷' آیت ۲٤' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

۲۔ (پرانا عہد نامہ' احبار باب:۱۱ آیت ۹۔۷' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

مگر غیر قوموں میں سے جو ایمان لائے' ان کی بابت ہم نے یہ فیصلہ کر کے لکھا تھا کہ وہ صرف بتوں کی قربانی کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ [1]

اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے نکاح حلال ہونے کی وجہ

اس تخصیص کی بھی یہ وجہ ہے کہ اسلام اور اہل کتاب کے دین میں بنیادی امور مشترک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو' فرشتوں کو' آسمانی کتابوں کو' انبیاء (علیہم السلام) کو' مرنے کے بعد اٹھنے کو' جزا و سزا کو اور جنت و دوزخ کو یہ سب مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ جن رشتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے' اہل کتاب کے نزدیک بھی ان سے نکاح حرام ہے۔ موجودہ چھپی ہوئی کتاب مقدس میں لکھا ہوا ہے۔

تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے' بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے' تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا، تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے۔ تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو' چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو' خواہ اور کہیں' بے پردہ نہ کرنا۔ تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے۔ تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا' کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے۔ تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا' کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے۔ تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا' یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا۔ وہ تیری چچی ہے۔ تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا' کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے' سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا'۔ تو اپنی بھاوج

۱۔ (نیا عہد نامہ' احبار باب: ۲۱ آیت ۲۵' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا' اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا' کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں۔ یہ بڑی خباثت ہے۔ تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسرے کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے۔ اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سبب ناپاک ہے اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لیے نہ جانا۔ [1]

آزاد اور پاک دامن عورتوں کی تخصیص کی وجہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے ایک کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)

اس آیت کا معنی یہ ہے اے مسلمانو! تمہارے لیے آزاد مسلمان عورتیں اور یہودیوں اور عیسائیوں کی عورتیں خواہ ذمی ہوں یا حربی ہوں' حلال کر دی گئی ہیں۔ جب تم ان کے مہر ادا کر دو' مہر کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنے کی بہ نسبت آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا اولیٰ اور راجح ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے درآنحالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو' یہ اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ طریقہ سے آشنا بنانے والے اور جس نے ایمان (لانے) سے انکار کیا' تو بیشک اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔ (المائدہ:۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے جبکہ تم آزاد عورتوں سے

۱۔ (پرانا عہد نامہ' احبار باب:۱۸ آیت ۱۹۔۷' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور)

نکاح کر کے اپنے آپ کو زنا سے بچاؤ نہ ظاہراً بدکاری کرو اور نہ خفیہ طریقہ سے بدکاری کرو۔ یعنی صحیح اور قانونی طریقہ سے خواہش نفس پوری کرو اور اعلانیہ اور خفیہ طریقہ سے بدکاری سے اجتناب کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ان احکام شرعیہ کی جائز سمجھ کر مخالفت کی' تو وہ کافر ہو جائے گا۔ دنیا میں اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہوگا' اس آیت میں ایمان لانے کے بعد کفر کرنے سے یہی مراد ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ ارتداد سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦ ﴾

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو، تو اپنے چہروں کو، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرلو، اور اپنے پاؤں دونوں ٹخنوں تک دھولو، اور اگر تم ناپاک ہو تو پاکی حاصل کرو، اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آئے، یا تم نے بیویوں سے مباشرت کی ہو، اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو، پس اپنے چہروں اور اپنے دونوں ہاتھوں پر اس سے مسح کرلو، اللہ تعالیٰ تمہیں کسی تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا ہے، بلکہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے اوپر اپنی نعمت کو تمام کرنا چاہتا ہے، تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

شان نزول: یایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ"

امام بخاریؒ نے بواسطہ عمرو بن حارثؒ، عبدالرحمن بن قاسمؒ نے، حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے، فرماتی ہیں کہ میرا ایک ہار گر گیا اور اس وقت ہم مدینہ منورہ آرہے تھے، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا اونٹ بٹھایا اور اونٹ سے اتر کر اپنا سر مبارک میری گود میں رکھ کر سو گئے۔

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے اور انھوں نے زور سے میرے ایک مکا مارا اور بولے تو نے ایک کی وجہ سے سب لوگوں کو روک دیا، اس کے بعد رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیدار ہو گئے اور صبح کی نماز کا وقت آیا تو پانی کی تلاش ہوئی مگر پانی نہ ملا۔

اس پر یہ آیت "اذا قمتم"۔ "تشکرون" تک نازل ہوئی، اسید بن حضیرؓ بولے اے ابوبکرؓ کے گھر والو، تمہاری

وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اتنی بڑی آسانی دی ہے۔(سبحان اللہ)

اور طبرانیؒ نے بواسطہ عباد بن عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے، فرماتی ہیں کہ جب میرا ہار کا جو کچھ معاملہ ہونا تھا سو ہوا اور اصحاب افک نے جو موشگافیاں کرنی تھیں، سو انھوں نے کی میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ دوسرے جہاد کے لیے روانہ ہوئی، وہاں بھی میرا ہار گر گیا۔ صحابہ کرامؓ اس کی تلاش میں رک گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھے فرمایا اے لڑکی تو ہر ایک سفر میں لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بن جاتی ہے، تب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی اجازت نازل فرمائی، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تو تو برکت والی ہے۔ [1]

(دو ضروری فوائد)

ا۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو عمرو بن حارثؓ کی روایت سے نقل کیا اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ تیمم کی آیت جو اس روایت میں مذکور ہے وہ سورہ مائدہ کی آیت ہے اور اکثر راویوں نے صرف اتنا بیان کیا ہے کہ تیمم کی آیت نازل ہوئی اور یہ نہیں بیان کیا کہ کون سی آیت نازل ہوئی، حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ یہ بہت مشکل چیز ہے میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں کیونکہ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ حضرت عائشہؓ کا مقصد ان دونوں آیتوں میں سے کون سی آیت ہے اور ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورہ نساء کی آیت اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ مائدہ کی آیت آیت وضو کے ساتھ مشہور ہے اور سورہ نساء کی آیت میں وضو کا کوئی تذکرہ نہیں، اس بنا پر آیت تیمم کے ساتھ یہی آیت خاص ہے اور واحدیؒ نے اسباب النزول میں اس حدیث کو سورہ نساء کی آیت کے ماتحت بھی روایت کیا ہے اور اس بات میں کوئی شک

ا۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

نہیں کہ امام بخاری ؒ جس طرف مائل ہوئے ہیں کہ یہ سورہ مائدہ کی آیت ہے، وہی چیز صحیح ہے کیونکہ روایت مذکور میں اس کی تصریح ہے۔

۲۔حدیث میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو اس آیت کے نازل ہونے سے قبل ہی فرض تھا اسی وجہ سے پانی کی عدم موجودگی میں صحابہ کرامؓ نے اس آیت کے نزول کو زیادہ اہمیت دی اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ کو جو کچھ فرمایا سو ٹھیک ہے، ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں، تمام اہل مغازی کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جس وقت سے نماز فرض ہوئی ہے، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کوئی بھی نماز بغیر وضو کے نہیں پڑھی اور اس چیز کا کوئی بیوقوف ہی انکار کرسکتا ہے، اور اس کے باوجود کہ وضو پر پہلے ہی سے عمل تھا مگر آیت وضو کے نازل کرنے میں یہ حکمت ہے کہ وضو کی فرضیت بھی قرآن کریم میں تلاوت کی جائے۔

اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ وضو کی فرضیت کے ساتھ آیت وضو پہلے نازل ہو چکی ہو پھر بقیہ آیت جس میں تیمم کا ذکر ہے وہ اس واقعہ میں نازل ہوئی ہو کہ پہلا ہی قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ وضو کی فرضیت نماز کی فرضیت کے ساتھ مکہ مکرمہ ہی میں فرض ہو چکی تھی اور یہ آیت مدنی ہے۔

شرائع سابقہ اور مکی دور میں فرضیت وضو کے متعلق احادیث

امام علی بن عمر دارقطنی ؒ متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پانی منگوایا اور ایک ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا پھر فرمایا: یہ وضو کا وہ طریقہ ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا۔ آپ نے پھر پانی منگوایا اور دو دو مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا' پھر فرمایا: جس نے اس طرح وضو کیا' اس کے لیے

دگنا اجر ہے۔آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پانی منگوایا اور اس سے اعضاء وضو کو تین تین بار دھویا اور فرمایا یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے۔ [1]

امام دارقطنیؒ نے اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے' ہر چند کہ اس حدیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے وہ حسن لغیرہ ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بھی وضو مشروع تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کہ حضرت ابراہیمؑ نے صرف تین (ظاہری اور صوری جھوٹ بولے' جب انھیں باطل خداؤں کی طرف بلایا گیا تو انھوں نے کہا "انی سقیم" میں بیمار ہوں اور انھوں نے کہا "فعلہ کبیرھم ھذا" ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہے" اور انھوں نے (حضرت) سارہؑ کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے' حضرت ابراہیمؑ ایک بستی میں گئے جس میں ایک جابر بادشاہ تھا' اس کو بتایا گیا کہ آج رات ابراہیم (علیہ السلام) سب سے حسین عورت کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوئے ہیں' اس بادشاہ نے ان کے پاس اپنا ہرکارہ بھیجا اور پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت ابرہیم (علیہ السلام) نے کہا یہ میری بہن ہے۔اس نے کہا اس کو بھیج دو۔آپ نے ان کو اس کے ساتھ روانہ کیا اور فرمایا میری بات کو جھٹلانا نہیں میں نے اس کو یہ خبر دی کہ تم میری بہن ہو اور اس سرزمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔

جب حضرت سارہؑ اس کے پاس پہنچیں تو وہ آپ کی طرف اٹھا۔حضرت سارہؑ نے وضو کیا اور نماز پڑھی'

۱۔(سنن دارقطنی ج۱' رقم الحدیث: ۲۵۷' ۲۵۶' ۲۵۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۲۰' المعجم الاوسط' رقم الحدیث: ۳۶۷۴' سنن کبری للبیہقی' ج۱ ص ۸۰)

اور اللہ سے دعا کی' اے اللہ! بیشک تجھے علم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں۔ اور میں نے اپنے شوہر کے سوا ہر کسی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔ سو تو مجھ کو اس کافر کے تسلط سے بچا۔ سو اس کے منہ سے خرخر کی آواز آنے لگی اور اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی پھر حضرت سارہؓ نے کہا' یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے اس کو قتل کر دیا' پھر اس کو چھوڑ دیا گیا' پھر تیسری یا چوتھی مرتبہ اس بادشاہ نے کہا' تم نے میرے پاس کس جنی کو بھیجا ہے۔ اسے ابراہیم کو واپس کر دو اور اس عورت کو ہاجرہ دیدو' وہ واپس گئیں اور حضرت ابراہیمؑ سے کہا' کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ نے اس کافر کے مکر کو باطل کر دیا اور خدمت کے لیے ایک باندی دے دی۔ [1]

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا' کیونکہ حضرت سارہؓ نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کہ بنو اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کو جریج کہا جاتا تھا' وہ نماز پڑھ رہا تھا' اس کی ماں نے آ کر اس کو بلایا' وہ اس کے بلانے پر نہیں گیا اور کہا کیا نماز کی حالت میں اس کو جواب دوں؟ اس کی ماں آئی اور اس نے کہا' اے اللہ! اس پر اس وقت تک موت طاری نہ کرنا' جب تک یہ بدکار عورتوں کو نہ دیکھ لے۔ جریج اپنے گرجا میں عبادت کرتا تھا' ایک عورت نے کہا' میں جریج کو فتنہ میں ڈالوں گی' اس عورت نے اس کو گناہ کی دعوت دی' جریج

۱۔ (مسند احمد' ج ۲' ص ۴۰۴۔۴۰۳' طبع قدیم' بیروت' احمد شاکر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن ابوداؤد' سنن ترمذی' اور مسند ابویعلی میں بھی یہ حدیث اختصار سے مروی ہے) مسند احمد بتحقیق احمد شاکر' ج ۹ رقم الحدیث: ۹۲۱۳' مطبوعہ دار الحدیث' قاہرہ' ۱۴۱۶ ھ)

نے انکار کیا۔ اس نے ایک چرواہے سے اپنی خواہش پوری کر لی' اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا' اس نے لوگوں سے کہا: یہ جریج کا بچہ ہے۔ لوگ آئے اور انھوں نے اس کا گرجا توڑ دیا اور اس کو گرجا سے نکال دیا اور اس کو برا کہا' جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر اس نوزائدہ بچہ سے کہا: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا چرواہا۔ لوگوں نے کہا' ہم تمہارا گرجا سونے کا بنا دیں' اس نے کہا' نہیں صرف مٹی کا ہی بنا دو۔'[1]

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بنو اسرائیل کی شریعت میں بھی وضو فرض تھا' کیونکہ جریج نے وضو کر کے نماز پڑھی تھی۔

حضرت زید بن حارثہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ کے پاس حضرت جبرائیل (علیہ السلام) آئے' اور آپ کو وضو سکھایا اور جب وضو سے فارغ ہوئے تو چلو میں پانی لے کر اپنی شرم گاہ پر چھڑکا' اس حدیث کی بناء پر وضو مکہ میں فرض ہوا' اور اس کی تلاوت مدینہ میں ہوئی۔[2]

وضو کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کو قیامت کے دن "غیر محجل" (جس کا منہ اور ہاتھ پیر سفید ہوں) کہہ کر پکارا جائے گا' اس کا سبب

۱۔ (صحیح بخاری' ج ۳ رقم الحدیث: ۲۴۸۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

۲۔ (الروض الانف ج ۱ ص ۱۶۳۔۱۶۲' مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ' ملتان)

وضو کے آثار ہیں۔ سو تم میں سے جو شخص اپنی سفیدی زیادہ کرنا چاہتا ہو (وہ اعضاء وضو کو مقررہ حد سے زیادہ دھو کر) اپنی سفیدی کو زیادہ کر لے۔ (۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب بندہ مسلم (یا مومن) وضو کرتا ہے تو وہ جب چہرے کو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کے چہرے سے ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے آنکھوں سے کیا تھا اور جب وہ ہاتھوں کو دھوتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کا ہر وہ گناہ دھل جاتا ہے جو اس نے ہاتھوں سے کیا تھا حتی کہ وہ گناہوں سے صاف ہو جاتا ہے۔ (۲)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ ؒ متوفی ۲۷۳ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم میں سے جو شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں جائے اور اس کا مسجد میں جانا صرف نماز کیلیے ہو تو اس کے ہر قدم سے اللہ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ حتی کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔ (۳)

۱۔ (صحیح بخاری، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۳۶، صحیح مسلم، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۴۶، سنن ابوداؤد، ج ۱، رقم الحدیث: ۳۲۳۷، سنن نسائی ج ۱، رقم الحدیث: ۱۵۰، سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۸۴)

۲۔ (سنن ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث: ۲، صحیح مسلم ج ۱، رقم الحدیث: ۲۴۴، الموطا، رقم الحدیث: ۳۳، سنن دارمی، ج ۱، رقم الحدیث: ۱۸۳، مسند احمد، ج ۳، رقم الحدیث: ۸۰۲۶، سنن کبری للبیہقی، ج ۱، ص ۸۱، صحیح ابن خزیمہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۴)

۳۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۱، رقم الحدیث: ۲۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا' پھر کہا "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ' اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین"۔ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ وہ جس دروازے سے چاہے' جنت میں داخل ہو جائے۔ [۱]

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ؒ متوفی ۲۳۵ ھ روایت کرتے ہیں:

ابوعثمان ؒ بیان کرتے ہیں کہ میں سلمان ؓ کے ساتھ تھا' انھوں نے ایک درخت کی خشک شاخ کو پکڑ کر ہلایا اور کہا' میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے' جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ [۲]

ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا جواز:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا قصد کرو اور اس وقت تم بے وضو ہو تو تم پر وضو کرنا فرض ہے' اور جب کوئی شخص باوضو ہو تو اس پر نماز پڑھنے کے لیے دوبارہ وضو کرنا واجب نہیں ہے وہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ البتہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر نماز کے وقت وضو کرتے تھے۔

۱۔ (سنن ترمذی ج۱' رقم الحدیث: ۵۵' صحیح مسلم' ج۱' رقم الحدیث: ۲۳۴' سنن ابوداؤد' ج۱' رقم الحدیث: ۱۶۹' سنن ابن ماجہ' ج۱' رقم الحدیث: ۴۷۰' مسند احمد' ج۶' رقم الحدیث: ۱۷۳۱۶)

۲۔ (المصنف ج۱' ص ۸۔۷ مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

راوی نے پوچھا آپ کیا کرتے تھے حضرت انس ؓ نے کہا' ہم میں سے کسی ایک شخص کے لیے وضو کافی ہوتا تھا' جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو۔ (۱)

سوید بن نعمان ؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے سال ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام صہباء پر پہنچے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر آپ نے جب طعام منگوایا تو صرف ستو لائے گئے ہم نے ان کو کھایا اور پیا' پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مغرب کے لیے اٹھے' آپ نے کلی کی اور ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ (۲)

غزوہ خیبر' غزوہ فتح مکہ سے پہلے سات ہجری میں ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فتح مکہ سے پہلے بھی ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتح مکہ کے دن کئی نمازیں ایک وضو کے ساتھ پڑھیں اور موزوں پر مسح کیا۔ حضرت عمر ؓ نے کہا' آج آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے جو آپ (پہلے) نہیں کرتے تھے' آپ نے فرمایا میں نے عمداً کیا ہے۔ (۳)

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذی ؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے' جس سال فتح مکہ ہوا' آپ نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔ حضرت عمر ؓ نے کہا آپ نے ایسا کام کیا

۱۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۴' سنن ابوداؤد' ج ۱' رقم الحدیث: ۱۷۱' سنن ترمذی' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۸)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۱۵)

۳۔ (صحیح مسلم' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۷۷)

ہے جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا "میں نے عمداً کیا ہے"۔ [1]

اس سے پہلے صحیح البخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے غزوہ خیبر کے سال بھی دو نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا ضروری نہیں ہے' بلکہ جو شخص بے وضو ہو اور وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرے' اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

وضو کے متفق علیہ فرائض

وضو کے فرائض میں سے پورے چہرے کو دھونا فرض ہے۔ سر کے بال جہاں سے اگنے شروع ہوتے ہیں وہاں سے ٹھوڑی کے نچلے حصہ تک چہرہ کی لمبائی ہے اور دو کانوں کا درمیانی حصہ چوڑائی ہے۔ جس آدمی کی چھدری داڑھی ہو' اس پر بالوں کو اور بالوں کے نیچے کھال کو دھونا ضروری ہے اور جس کی گھنی داڑھی ہو' وہ صرف بالوں میں خلال کرے' داڑھی کو دھونا اس پر واجب نہیں ہے۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے۔

وضو میں ہاتھوں کو دھونا بھی فرض ہے' انگلیوں کے سروں سے لے کر کہنیوں تک ہاتھ ہیں اور کہنیاں بھی ہاتھوں میں داخل ہیں۔

سر کے مسح کی مقدار میں مذاہب ائمہ

وضو میں تیسرا فرض سر کا مسح کرنا ہے' مسح کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا مسح کی اتنی

۱۔ (سنن ترمذی' ج ۱ رقم الحدیث' ۶۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

مقدار ہے جس سے کم سے کم مقدار پر مسح کا اطلاق آ سکے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعیؒ متوفی ۴۵۰ لکھتے ہیں:

امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ کم از کم تین بالوں یا ان سے زائد پر مسح کیا جائے' یہ مقدار فرض ہے۔ کیونکہ' (آیت) "وامسحوا برءوسکم" میں با کا معنی تبعیض ہے' اور آیت کا معنی ہے اپنے سر کے بعض حصہ پر مسح کرو۔ اور حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن سیرینؒ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی پیشانی پر' یا سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا۔ [1]

اور ابو معقلؓ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وضو کر رہے تھے اور آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا' آپ نے اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور عمامہ کو نہیں کھولا۔ [2]

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا مستحب ہے' کیونکہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پورے سر کا مسح کیا تھا۔۔۔۔ [3]

امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

امام ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربیؒ متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں۔

چہرہ اس عضو کا نام ہے جس پر آنکھیں' ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر اس عضو کا نام جس پر بال ہیں' سو

۱۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: المسلسل ۲۷۴' رقم الحدیث الکتاب ۸۲۔۸۱)

۲۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۴۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱' ص ۶۱)

۳۔ (الحاوی الکبیر' ج ۱' ص ۱۳۸۔۱۳۷' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

جس طرح چہرہ دھونے کا معنی یہ ہے اس تمام عضو کو دھویا جائے جس پر آنکھیں' ناک اور منہ ہے۔ اسی طرح سر پر مسح کرنے کا معنی ہے کہ اس کے تمام بالوں پر مسح کیا جائے۔ امام مالکؒ سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وضو کرے اور سر کے بعض حصہ مسح کرے اور بعض کو ترک کر دے تو آیا یہ صحیح ہے؟ امام مالکؒ نے جواب دیا' اگر کوئی شخص وضو کرے اور چہرے کے بعض حصہ کو دھوئے اور بعض کو ترک کر دے تو آیا یہ جائز ہوگا؟۔ (۱)

علامہ ابن العربیؒ نے امام مالکؒ کے موقف پر حسب احادیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت عبداللہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا۔ آپ اپنے ہاتھوں کو سر کے ابتدائی حصہ سے پیچھے اپنی گدی کی طرف لے گئے اور پھر گدی سے اگلے حصے تک لائے۔ جہاں سے آپ نے ابتداء کی تھی۔ (۲)

حضرت مقدام بن معدیکربؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جب آپ سر کے مسح پر پہنچے تو آپ نے سر کے اگلے حصے پر دونوں ہتھیلیاں رکھیں' پھر آپ ان ہتھیلیوں سے مسح کرتے ہوئے ان کو گدی تک لائے' پھر ان سے مسح کرتے ہوئے ان کو واپس اسی جگہ لے گئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔ (۳)

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ متوفی ۶۲۰ھ نے لکھا ہے کہ سر کے مسح کے متعلق امام احمدؒ کے تین قول ہیں۔

۱۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۶۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

۲۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۸۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۳۵' سنن ابوداؤد' ۱۱۸' سنن ترمذی' رقم الحدیث ۳۲' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۳۴' مسند احمد' ج ۴' ص ۳۹۔۳۸' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۱ ص ۵۹' کتاب المعرفہ ج ۱' ص ۲۱۲)

۳۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۲۳۔۱۲۴' سنن کبریٰ للبیہقی' ج ۵۹)

(۱) پورے سر کا مسح فرض ہے۔

(۲) پیشانی کے برابر یعنی چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔

(۳) سر کے اکثر حصہ کا مسح کرنا فرض ہے۔ [۱]

پیروں کے دھونے پر دلائل

قرآن مجید' احادیث اور اجماع علماء سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور وضو میں پیروں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں پیروں پر مسح کیا جائے' ان کو دھویا نہ جائے' ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے "وارجلکم" اور لام پر نصب ہے اور اس کا عطف (آیت) "وجوھکم وایدیکم" پر ہے یعنی اپنے چہروں' ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔ صحابہؓ میں سے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی یہی قرات ہے اور قراء میں سے ابن عامرؒ ' نافعؒ ' اور کسائیؒ کی یہی قرات ہے اور عاصم سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ [۲]

اور اس قرات کا یہ تقاضا ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہو اور حسب ذیل احادیث میں بھی اس پر دلیل ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں بیان کرتے ہیں ایک سفر میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہم سے آملے' درآنحالیکہ ہم نے عصر کی نماز میں دیر کردی

۱۔ (المغنی' ج ۱ ص ۸۷۔۸۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۲۔ (الحاوی الکبیر' ج ۱ ص ۴۹)

تھی، سو ہم وضو کرنے لگے اور پیروں پر مسح کرنے لگے، تو آپ نے بآواز بلند دو یا تین بار فرمایا: ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہو۔

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جن ایڑیوں کو دھویا نہ گیا ہو، ان کو آگ کا عذاب ہو۔ [1]

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

مغیرہ بن حنینؒ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دیکھا ایک شخص وضو کر رہا تھا اور وہ اپنے پیروں کو دھو رہا تھا، آپ نے فرمایا مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ حارثؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

ابو قلابہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے پیر میں ناخن جتنی جگہ کو دھونے سے چھوڑ دیا تھا، آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے وضو اور نماز کو دہرائے۔ [2]

پیروں کے دھونے پر علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات:

شیعہ کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کی دو قرائتیں ہیں۔ نصب کی قرات (ارجلکم) سے دھونا ثابت ہوتا ہے اور جر کی قرات (ارجلکم) سے مسح ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف بروسکم پر ہوگا۔ اس اعتراض کے کئی جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ جر کی تقدیر پر بھی (آیت) "ارجلکم" کا عطف (آیت) "ایدیکم" پر ہے، اور اس پر جوار کی وجہ سے جر ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

۱۔ (صحیح البخاری ج۱، رقم الحدیث: ۱۶۵۔۱۶۳ صحیح مسلم ج۱، رقم الحدیث: ۲۴۲۔۲۴۱۔۱۴۰، سنن ترمذی ج۱، رقم الحدیث: ۴۱، سنن ابوداؤد ج۱، رقم الحدیث: ۹۷، سنن نسائی ج۱، رقم الحدیث: ۱۱۱، سنن ابن ماجہ ج۱، رقم الحدیث: ۴۵۰، مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۴۵۷۰)

۲۔ (جامع البیان، جز ۶ ص ۱۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(آیت) "انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم"۔ (ھود:٢٦)

ترجمہ: بیشک میں تم پر دردناک عذاب کے دن کا خوف رکھتا ہوں۔

اس آیت میں (آیت) "الیم" عذاب کی صفت ہے' اس اعتبار سے اس پر نصب (زبر) ہونی چاہیے تھی لیکن چونکہ اس کے جوار میں یوم پر جر ہے' اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ اس کو جر دی گئی۔ اس کو جر جوار کہتے ہیں اسی طرح (آیت) "ارجلکم" کا عطف (آیت) "وجوھکم" اور (آیت) "ایدیکم" پر ہے۔ اس وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہیے تھی۔ لیکن اس کے جوار میں (آیت) "برءوسکم" چونکہ مجرور ہے' اس لیے اس کو بھی جر دی گئی۔ لہٰذا یہ جر جوار ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ (آیت) "ارجلکم" کا عطف (آیت) "برءوسکم پر ہے' اور اس سے پہلے (آیت) "وامسحوا" مقدر ہے' لیکن (آیت) "وامسحوا برءوسکم' میں مسح کا معنی حقیقی مراد ہے۔ یعنی گیلا ہاتھ پھیرنا اور (آیت) "وامسحوا بارجلکم" میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے' یعنی دو دھونا۔ اہل عرب کہتے ہیں مسح المطر الارض بارش نے زمین کو دھو ڈالا۔ سو مسح مجازا دھونے کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ معطوف علیہ میں حقیقت اور معطوف میں مجاز مراد ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر یہ آیت ہے:

(آیت) "یایھا الذین امنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون ولا جنبا الا عابری سبیل حتی تغتسلوا"۔ (نساء:٤٣)

ترجمہ: اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ' حتی کہ تم یہ سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت حالت میں مسجد کے قریب جاؤ حتی کہ تم غسل کر لو' الا یہ کہ تم نے (مسجد میں صرف) رستہ عبور

کرنا ہو۔

اس آیت میں (آیت) "ولا جنبا" کا عطف (آیت) "لاتقربوا الصلوۃ" پر ہے اور اس سے پہلے بھی (آیت) "لاتقربوالصلوۃ"۔ مقدر ہے' لیکن معطوف علیہ میں الصلوۃ کا معنی حقیقتا مراد ہے یعنی نماز اور معطوف میں الصلوۃ کا معنی مجازا مراد ہے' یعنی مسجد اور محل صلوۃ۔ اسی طرح آیت وضو میں (آیت) "وامسحوا برءوسکم" میں مسح کا حقیقی معنی مراد ہے اور (آیت) "وامسحوا بارجلکم" میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے' یعنی دھونا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ (آیت) "ارجلکم" اور (آیت) "ارجلکم" دو متواتر قرابتیں ہیں اور جس طرح قرآن مجید کی آیات میں باہم تعارض نہیں ہے' اسی طرح قرآن مجید کی قرات میں بھی باہم تعارض نہیں ہے اور (آیت) "ارجلکم" کا معنی ہے پیروں کا دھونا اور (آیت) "ارجلکم" کا معنی ہے پیروں پر مسح کرنا۔ اسی لیے (آیت) "ارجلکم" کی قرات اس حال پر محمول ہے جب اس نے موزے پہنے ہوئے ہوں۔ یعنی جب موزے پہنے ہوں' تو پیروں پر مسح کرلو اور جب موزے نہ پہنے ہوں تو پیروں کو دھولو۔ اس طرح ان دونوں قراتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

علماء شیعہ نے کہا کہ قاعدہ یہ ہے کہ وضو میں ان اعضاء کو دھویا جاتا ہے جن پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور جن اعضاء کو تیمم میں ترک کردیا جاتا ہے' ان پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے۔ اگر وضو میں پیروں کو دھونے کا حکم ہوتا تو تیمم میں پیروں پر مسح کیا جاتا اور جبکہ تیمم میں پیروں کو ترک کردیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا حکم مسح کرنا ہے نہ کہ دھونا۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے نہ حدیث میں' یہ محض ان کی ذہنی اختراع

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضو میں جن اعضاء کو دھونے کا حکم دیا ہے اور وہ چہرہ' ہاتھ اور پیر ہیں' تو ان کو دھویا جائے' اور جس عضو پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ سر ہے تو اس پر مسح کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے تیمم یا وضو کے لیے کسی ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کا حکم نہیں دیا' بلکہ دونوں کے الگ الگ صراحتاً احکام بیان فرمائے اور ان دونوں کا تفصیلی حکم اسی آیت میں ہے۔ قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی چیز کا صراحتاً حکم بیان نہ کیا گیا ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس اور قاعدہ غسل سے ٹوٹ جاتا ہے' کیونکہ تیمم جس طرح وضو کی فرع ہے' اسی طرح غسل کی فرع ہے' اور جب تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے اور باقی بدن کو ترک کر دیا جاتا ہے' تو چاہیے کہ غسل میں صرف چہرے اور ہاتھوں کو دھو لیا جائے اور باقی بدن پر صرف مسح کر لیا جائے اور جب کہ بالاتفاق غسل میں ایسا نہیں کیا جاتا' تو معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ اور قیاس فاسد ہے۔

وضو کے مختلف فیہ فرائض

امام شافعی رحمۃ اللہ عنہ کے نزدیک وضو سے پہلے وضو کی نیت کرنا بھی فرض ہے:

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعیؒ متوفی ۴۵۰ لکھتے ہیں:

غسل اور وضو سے اس وقت تک طہارت حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ نیت نہ کرے' کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے: اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے۔ [1]

نیز بغیر نیت کے جائز نہیں ہے' اور یہ دونوں طہارتیں ہیں تو دونوں کا حکم مختلف کیسے ہوگا۔ امام مالکؒ اور

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱)

امام احمدؒ کے نزدیک طہارت کی شرط ہے۔ [1]

اعمال کا دارومدار صرف نیت پر ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام اعمال کی صحت کا مدار نیت پر ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ بیع' شراء' نکاح' طلاق' رد اور قبول کوئی چیز بھی نیت کے بغیر صحیح نہیں ہو۔ اس لیے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تمام اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ لہٰذا اگر طہارت کے قصد کے بغیر کوئی شخص بارش میں نہا لیا تو اس کا غسل اور وضو صحیح ہوگا اور اس سے نماز صحیح ہوگی' اگرچہ طہارت کا ثواب اس کی نیت سے ملے گا۔

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ عنہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وضوء غسل اور تیمم سب میں پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے' کیونکہ امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو شخص وضو نہ کرے' اس کی نماز نہیں ہوگی اور جو شخص بسم اللہ نہ پڑھے' اس کا وضو نہیں ہوگا۔ [2]

پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ وضو طہارت ہے اور باقی طہارتوں کی طرح اس میں بھی بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے' اور اس حدیث میں وضو کی نفی نفی کمال پر محمول ہے' جیسے آپ نے فرمایا مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی اور دوسری روایت اس حدیث کے ظاہر معنی پر محمول ہے۔ اگر اس نے عمدا

۱۔ (مغنی' ابن قدامہ' ج ۱ ص ۷۸' الحاوی الکبیر' ج ۱ ص ۱۰۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

۲۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ رقم الحدیث: ۱۰۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۹۷) علامہ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا ہے اس کی اسناد جید حسن ہے)

بسم اللہ کو ترک کیا تو وضو نہیں ہوگا اور اگر بھول گیا تو وضو ہو جائے گا۔ [1]

امام شافعی کے نزدیک اعضاء وضو میں وہ ترتیب بھی فرض ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے' یعنی پہلے چہرہ دھوئے' پھر ہاتھ پھر سر کا مسح کرے اور پھر پیروں کو دھوئے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعیؒ متوفی ۴۵۰ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل اس آیت میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (آیت) "فاغسلوا وجوھکم وایدیکم"۔ (الایہ) اور "فا" تعقیب اور تاخیر کا تقاضا کرتی ہے۔ امام احمدؒ کا بھی یہی موقف ہے۔ [2]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ عنہ کے نزدیک وضو میں ترتیب فرض نہیں ہے' کیونکہ ان کے درمیان حرف واؤ کے ساتھ عطف کیا گیا ہے اور واؤ مطلقا جمع کے لیے آتی ہے۔ نیز حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا: مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ میں خواہ کسی عضو کے ساتھ وضو کی ابتداء کروں۔۔۔۔ [3]

نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا اگر تم وضو میں ہاتھوں سے پہلے پیروں کو دھوؤ تو کوئی حرج نہیں ہے۔۔ [4]

امام بیہقیؒ نے بھی اس اثر کو روایت کیا ہے۔ [5]

۱۔ (المغنی ج ۱ ص ۷۴۔۷۳' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

۲۔ (الحاوی الکبیر' ج ۱ ص ۱۶۸)

۳۔ (سنن کبریٰ' للبیہقی ج ۱ ص ۸۷)

۴۔ (مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۱ ص ۳۹)

۵۔ (سنن کبریٰ' ج ۱ ص ۸۷)

نیز جب بے وضو آدمی وضو کی نیت سے نہر یا دریا میں غسل کرے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی اور بالاتفاق اس کا وضو ہو جائے گا۔

علامہ احمد بن رشد مالکی اندلسیؒ متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں

امام مالکؒ کے نزدیک موالات فرض ہے' بشرطیکہ اس کو یاد ہو اور کوئی عذر نہ ہو اور امام شافعیؒ' امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک موالات فرض نہیں ہے۔ امام مالکؒ کا استدلال اس آیت میں لفظ "فا" سے ہے کیونکہ "فا" ترتیب علی الفور کے لیے آتی ہے۔ [1]

اور جمہور کا استدلال لفظ "واؤ" سے ہے' کیونکہ "واؤ" مطلقا جمع کے لیے آتی ہے اور ان اعضاء کے درمیان "واؤ" کے ساتھ عطف کیا گیا ہے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے'

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت میمونہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس طرح وضو کیا جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں مگر پیروں کو نہیں دھویا' آپ نے استنجاء کیا اور جو جگہ ناگوار لگی تھی' اس کو صاف کیا' پھر تمام جسم پر پانی ڈالا۔ اس کے بعد ایک طرف ہو کر اپنے پیروں کو دھویا' یہ آپ کا غسل جنابت تھا۔ [2]

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ نے پیروں کے دھونے کو باقی اعضاء سے موخر کر دیا' اس سے واضح ہو گیا کہ وضو میں موالات فرض نہیں ہے۔

وضو کی سنتیں

۱۔ (بدایۃ المجتہد' ج ۱ ص ۱۲)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۲۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھو لے' کیونکہ تم میں سے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے؟ صحیح مسلم کی روایت میں تین دفعہ ہاتھ دھونے کا ذکر ہے۔ اسی طرح سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔ [۱]

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے

امام ابوداؤد سجستانی ؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس شخص کا وضو نہ ہو' اس کی نماز نہیں ہے اور جو بسم اللہ نہ پڑھے' اس کا وضو نہیں ہے۔ [۲]

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی ؒ متوفی ۳۶۰ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! جب تم وضو کرو تو کہو بسم اللہ والحمد للہ' پھر تمہارے کراما کاتبین اس وقت تک تمہاری نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک تم اس وضو پر قائم رہو گے۔ [۳]

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۶۲' صحیح مسلم ۲۷۸' سنن ابوداؤد ۱۰۳' سنن ترمذی ۲۴' سنن ابن ماجہ ۳۹۳ سنن دارقطنی ۱۲۷' مسند احمد ۲' ص ۴۷۱۔۵۰۷' ۴۵۵' ۲۶۵' طبع قدیم)

۲۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۰۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۳۹۹' سنن دارقطنی' رقم الحدیث: ۲۲۰' المستدرک' ج ۱ ص ۱۴۶)

۳۔ (المعجم الصغیر' رقم الحدیث: ۱۹۷)

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن محمد متفرد ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے کہا اس کی روایات منکر ہیں۔ [1] امام ابن عدیؒ نے کہا اس کی روایات ضعیف ہیں۔ [2] حافظ الہیثمیؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ [3]

مسواک کرنی چاہیے' لکڑی کی معروف مسواک نہ ہو تو انگلی سے یا برش سے دانت صاف کرنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رات کو اٹھتے تو مسواک کرتے۔ [4]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو انھیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ [5]

بعض روایات میں ہر وضو کے وقت مسواک کا حکم دینے کا ذکر ہے' امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت

۱۔ (میزان الاعتدال' ج۱' ص۱۸۱)

۲۔ (کتاب الضعفاء' ج۱ ص۲۶۰)

۳۔ (مجمع الزوائد' ج۱' ص۲۲۰)

۴۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۴۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۵۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۵۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۸۶' سنن دارمی' رقم الحدیث: ۶۸۹)

۵۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۸۸۷' مسلم' رقم الحدیث: ۲۵۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۴۶' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۲ سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۸۷' سنن دارمی' رقم الحدیث: ۶۸۷' مسند احمد' ج۲' ص۵۳۱' طبع قدیم)

پر دشوار نہ ہوتا تو انھیں ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ [1]

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں سے ایک شخص نے کہا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے ہمیں مسواک کرنے کی ترغیب دی ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے وضو کے وقت تمہاری دو انگلیاں مسواک ہیں جن کو تم دانتوں پر پھیرتے ہو' بغیر نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا' اور ثواب کی نیت کے بغیر کوئی اجر نہیں ہوتا۔ [2]

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ زوجہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا مسواک کے ساتھ نماز کی فضیلت بغیر مسواک کے ساتھ نماز پر ستر درجہ زیادہ ہے۔ [3]

حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کیا کہ جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی گئی ہو' اس کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس نماز پر ستر درجہ فضیلت دیتے تھے جو مسواک کے ساتھ نہ پڑھی گئی ہو۔ [4]

کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا اور پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے

عمرو بن ابی حسن ؒ نے حضرت عبداللہ بن زید ؓ سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وضو کے متعلق سوال کیا؟ انھوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور انھیں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرح وضو کر

۱۔ (صحیح البخاری' باب السواک الرطب والیابس للصائم' سنن کبری' للبیہقی' ج۱ ص ۳۵' مسند احمد' ج۲' ص ۴۶۰۔۵۷۱)

۲۔ امام بیہقی نے کہا' اس حدیث کی سند محفوظ ہے۔ (سنن کبری ج۱ ص ۴۱' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان)

۳۔ (علامہ احمد شاکر' متوفی ۱۳۷۷ھ نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد' تحقیق احمد شاکر' ج۱۸' رقم الحدیث: ۲۶۲۱۸' صحیح ابن خزیمہ' ج۱ ص ۷۱' برقم ۱۳۷' حاکم نے کہا یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور ذہبی نے اس کی موافقت کی۔ المستدرک' ج۱ ص ۱۴۶)

۴۔ (مسند ابویعلی ج ۸' رقم الحدیث: ۴۷۳۸' مطبوعہ دار المامون' بیروت' مسند البزار' ج۱ ص ۲۴۴' برقم ۵۰۱' سنن کبری ج۲ ص ۳۸)

کے دکھایا۔ انھوں نے اس برتن سے پانی انڈیل کر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے' پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا' پھر ہاتھ میں پانی لے کر تین مرتبہ چہرہ دھویا پھر اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دو مرتبہ دھویا' پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر سر کا مسح کیا' ایک مرتبہ ہاتھوں کو سر کے اگلے حصہ سے پچھلے حصہ تک اور ایک مرتبہ پچھلے حصہ سے اگلے حصہ تک پھیرا۔ پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا۔ (۱)

کانوں کا مسح کرنا سنت ہے

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ متوفی ۲۷۳ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے کانوں کا مسح کیا' کانوں کے اندر اپنی انگلیاں (سبابہ) ڈالیں اور کانوں کی پشت پر اپنے انگوٹھے رکھے اور کانوں کے ظاہر اور باطن پر مسح کیا۔ (۲)

داڑھی میں خلال کرنا سنت ہے

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفانؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) داڑھی میں خلال کرتے تھے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (۳)

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۸۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۳۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۱۸۔۱۱۹' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۲۔۲۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۰۵' سنن دارمی' رقم الحدیث: ۶۹۸)

۲۔ (سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۳۹' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۴۰' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۱۰۱)

۳۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۱' المستدرک' ج ۱' ص ۱۵۰۔۱۴۹)

ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنا سنت ہے

امام ابوعیسی محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ [۱]

ہر عضو کو تین تین بار دھونا سنت ہے

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ متوفی ۲۷۵ ھ روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وضو کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا' پھر اپنی کلائیوں کو تین بار دھویا' پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی دو (سبابہ) انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کیا اور اپنے انگوٹھوں سے اپنے کانوں کی پشت پر مسح کیا اور انگلیوں سے کان کے باطن پر مسح کیا پھر اپنے دونوں پیروں کو تین تین بار دھویا' پھر فرمایا: اس طرح وضو ہوتا ہے جس نے اس پر زیادتی کی' یا کمی کی' اس نے برا کام کیا اور ظلم کیا۔ [۲]

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے ناکافی جان کر زیادتی کی' اس نے ظلم کیا۔ ورنہ اگر مزید صفائی کے قصد سے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے تین بار سے زیادہ دھویا تو وہ

۱۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۴۷)

۲۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۴۵)

مباح ہے اور یا جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لیے زائد جان کر کمی کی' اس نے ظلم کیا ورنہ ایک بار دھونا بھی آپ سے ثابت ہے۔

وضو کے مستحبات

وضو میں نیت کرنا' علامہ ابوالحسن احمد قدوری ؒ متوفی ۴۲۸ ھ کے نزدیک مستحب ہے اور علامہ المرغینانی ؒ المتوفی ۵۹۳ ھ حنفی کے نزدیک سنت ہے۔ کیونکہ وضو کرنا عبادت ہے اور ہر عبادت میں ثواب کی شرط اخلاص ہے اور اخلاص کا معنی نیت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

(آیت) "وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین"۔ (البینہ: ۵)

ترجمہ: اور ان کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں درآنحالیکہ وہ صرف اسی کے لیے اخلاص سے اطاعت کرنے والے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب ؓ نے منبر پر کہا: میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا دارومدار صرف نیات پر ہے' ہر شخص کے لیے وہی صلہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔ سو جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف ہو' جس کو وہ پائے یا کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف (محسوب ہوگی) جس کی طرف اس نے نیت کی ہے۔ [1]

وضو کو اس ترتیب سے کرنا جس ترتیب سے قرآن مجید میں اعضاء کو دھونے کا حکم ہے' یہ بھی مستحب ہے۔

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۹۰۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۲۰۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۶۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۲۲۷' مسند احمد' رقم الحدیث: ج ۱ ص ۴۳۔۲۵' طبع قدیم)

اس کی دلیل قرآن مجید میں اس ترتیب کا مذکور ہونا ہے' اور بکثرت احادیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اس ترتیب سے وضو کرنا لکھا ہے۔ علامہ قدوری کے نزدیک یہ مستحب ہے' اور علامہ المرغینانیؒ کے نزدیک سنت ہے۔ میں (محمد طاہر) کہتا ہوں کہ یہ سنت ہے۔

دائیں عضو کو بائیں عضو سے پہلے دھونا مستحب ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہر کام میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا پسند تھا' حتی کہ جوتی پہننے میں' کنگھی کرنے میں' وضو کرنے میں اور تمام کاموں میں۔ [1]

وضو کے آداب:

(۱) اسراف کو ترک کرنا۔

(۲) بہت کم پانی لینے کو ترک کرنا۔

(۳) اس کپڑے سے اعضاء وضو کو نہ پونچھنا جن سے استنجا کی جگہ کو پونچھا ہو۔

(٤) لوگوں سے باتیں نہ کرنا۔

(٥) بلاضرورت وضو میں لوگوں سے مدد نہ لینا۔ وبری نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت انسؓ' حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابن عباس اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وضو کراتے تھے۔

۱۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۷۸' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲٦۸' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ٤۱٤' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ٦۰۸' سنن نسائی' رقم الحدیث ۱۱٤' مسند احمد' ج ۱۰' رقم الحدیث' ۲۵۸۲۱' مطبوعہ دار الفکر ۱٤۱٤ھ)

(٦) وضو کے لیے خود پانی لانا۔

(٧) استنجاء کے وقت اس انگوٹھی کو اتار لینا جس پر اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام لکھا ہو۔

(٨) وقت سے پہلے وضو کی تیاری کرنا۔

(٩) ہر عضو دھوتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا۔

(١٠) قبلہ رو ہو کر وضو کرنا۔

(١١) انگوٹھی کے نیچے سے پانی گزارنا۔

(١٢) چہرے پر پانی سے چھپکے نہ مارنا۔

(١٣) جن اعضاء کو دھوئے ان پر ہاتھ پھیرے۔

(١٤) اطمینان سے وضو کرنا۔

(١٥) مل مل کر دھونا۔

(١٦) چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو مقررہ حدود سے زیادہ دھونا، تا کہ قیامت کے دن زیادہ سے زیادہ اعضا سفید ہوں۔

(١٧) وضو کے بعد یہ پڑھنا "سبحانک اللھم اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ، اللھم اجعلنی من التوابین" (الخ)

(١٨) قبلہ رو کھڑے ہو کر وضو کا پانی پینا۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر چاہے تو بیٹھ کر (اسی طرح آب زمزم قبلہ رو کھڑے ہو کر پینا سنت ہے۔

(۱۹) وضو کے بعد دو رکعت نماز سنت الوضو پڑھنا۔

(۲۰) اپنے کپڑوں کو وضو کے قطروں سے بچانا۔

(۲۱) بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔

(۲۲) وضو کے پانی میں نہ تھوکنا۔

(۲۳) تین دفعہ سے زیادہ نہ دھونا۔

(۲۴) دھوپ میں گرم شدہ پانی سے وضو نہ کرنا۔ [۱]

تیمم کی شرط' طریقہ اور دیگر احکام

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی ؒ ۵۹۳ لکھتے ہیں:

جو شخص سفر کے دوران پانی نہ پائے' یا وہ شخص شہر سے باہر ہو اور شہر اس سے ایک میل یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

(آیت) "فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا" (المائدہ:٦)

ترجمہ: پس تم پانی کو نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو"۔

حضرت ابوذر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ خواہ اس کو دس سال تک پانی نہ ملے' سو جب اس کو پانی مل جائے تو اس سے اپنی کھال تر کرلے' یعنی وضو کرے' یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ محمود ؒ کی روایت میں ہے کہ پاک مٹی مسلمان کا وضو

۱۔ (فتح القدیر ج۱ ص۳۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہے ہے۔ [1]

ایک (شرعی) میل کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ ایک میل کی مسافت سے وضو کے لیے شہر میں جانے سے ضرر ہوگا' اعتبار مسافت کا ہے' تنگی وقت یا نماز فوت ہونے کے خوف کا اعتبار نہیں ہے' کیونکہ یہ تقصیر اس کی طرف سے ہے اور اگر اس کو پانی دستیاب ہو لیکن وہ بیمار ہو اور اس کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے پانی استعمال کیا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا' تو وہ تیمم کرے۔ اگر جنبی کو یہ خدشہ ہو کہ اگر اس نے غسل کیا تو وہ سردی سے مر جائے گا یا بیمار ہو جائے گا' تو وہ تیمم کرے' خواہ وہ شہر میں ہو۔

حضرت عمرو بن العاصؓ ایک سردی کی رات میں جنبی ہو گئے۔ انھوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی'۔

(آیت) "ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما"۔ (النساء:۲۹)

ترجمہ: تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو' بیشک اللہ تم پر مہربان ہے"۔

پھر انھوں نے اس کا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ذکر کیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ [2]

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک مٹی پر دو بار ہاتھ مارے۔ ایک بار ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملے اور دوسری بار کہنیوں سمیت ہاتھوں پر ملے' ہاتھوں سے مٹی کو جھاڑے' تاکہ چہرہ خراب نہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک زمین کی جنس سے ہر چیز کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے۔ مثلاً مٹی' ریت' پتھر' چونا اور ہڑتال (ایک قسم کی زرد اور زہریلی دھات) وغیرہ سے۔ تیمم ہر اس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے' جس سے وضو ٹوٹتا ہے۔ نیز جب انسان کو پانی مل جائے اور وہ اس کے استعمال پر قادر ہو تو اس سے بھی

۱۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۲۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۳۲' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۲۱' سنن دارقطنی' ج۱' رقم الحدیث: ۷۱۱' مسند احمد' ج۸' رقم الحدیث: ۲۱۶۲۴' المستدرک' ج۱ ص ۱۷۷' سنن کبریٰ' ج۱ ص ۲۲۰' ۱۱۲)

۲۔ (صحیح بخاری' کتاب التیمم' باب: ۷)

تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ تیمم سے فرائض اور نوافل سب کچھ پڑھ سکتا ہے۔' اگر نماز جنازہ یا عید کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو شہر میں بلا عذر بھی تیمم کرنا جائز ہے۔[1]

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾

اور اللہ نے جو تم پر احسان کیے ہیں' ان کو یاد کرو اور اس عہد کو بھی جس کا تم نے قول (اقرار) کیا تھا۔ جب تم نے کہا تھا! ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کر لیا۔ اور اللہ سے ڈرو' کچھ شک نہیں کہ اللہ دلوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔

میثاق سے مراد

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (اور اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر اسلام کے ذریعہ کیا) وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (اور اس کا وہ پختہ وعدہ جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے کہا تھا ہم نے سنا اور اطاعت کی) یعنی تم نے پکا وعدہ کیا اور اس سے مراد وہ میثاق ہے جو مسلمان سے لیا گیا جب کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیعت کی۔ کہ آپ کی ہر بات سنیں گے۔ اور عسر و یسر میں آپ کی اطاعت کریں گے۔ اور ہر خوشی اور غمی میں آپ کا حکم مانیں

۱۔ (ہدایہ اولین' ص ۵۶۔۴۹' ملخصا' مطبوعہ شرکت علمیہ' ملتان)

گے۔تو صحابہ کرامؓ نے قبول کیا اور کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انھیں نعمتوں سے نوازا ہے، یعنی یہ عظیم الشان دین عطا فرمایا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کی طرف مبعوث فرمایا اور ان سے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ آپ کی بیعت کریں گے، اتباع و اطاعت بجالائیں گے، تائید و حمایت کریں گے اور آپ کے دین سے نہ صرف خود وابستہ ہوں گے، بلکہ اسے آگے دوسرے لوگوں تک بھی پہنچائیں گے۔ارشاد فرمایا: (وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ)[الحدید:۸] ”اور تمھیں کیا ہے تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، جب کہ رسول تمھیں دعوت دے رہا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ اور یقیناً وہ تم سے پختہ عہد لے چکا ہے، اگر تم ایمان والے ہو۔“ اور فرمایا: (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ)[البقرۃ:۲۸۵] ”رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی جانب سے اس کی طرف نازل کیا گیا اور سب مومن بھی، ہر ایک اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا، ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور انھوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، تیری بخشش مانگتے ہیں اے ہمارے رب! اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

سیدنا عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیعت کی بات کے سننے پر اور اطاعت کرنے پر خوشی اور ناخوشی میں، سختی اور آسانی میں اور اگرچہ ہمارے حقوق کا خیال

نہ رکھا جائے۔ [1]

امام ابن جریر اور طبرانیؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت واذکروا نعمۃ اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ اذ قلتم سمعنا واطعنا کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھیجا اور ان پر کتاب کو اتارا۔ صحابہؓ نے کہا ہم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور کتاب پر ایمان لائے۔ اور ہم نے اقرار کیا ان باتوں کا جو توراۃ میں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ وعدہ یاد دلایا جس کا انھوں نے اپنے اوپر اقرار کیا تھا اور ان کو وہ وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا۔

عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذر و مجاہدؒ سے لفظ آیت واذکروا نعمۃ اللہ علیکم کے بارے میں فرمایا کہ نعم سے مراد اللہ تعالیٰ کے احسانات اور میثاق سے مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ میثاق سے مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنو آدم سے آدم (علیہ السلام) کی پشت سے نکال کر لیا تھا۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ

---

[1]۔ [بخاری، کتاب الأحکام، باب کیف یبایع الإمام الناس؟: ۷۱۹۹۔ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب وجوب طاعۃ الأمراء فی غیر معصیۃ: ۱۷۰۹، بعد الحدیث: ۱۸۴]

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾

"اے لوگو! اللہ کی خاطر پوری طرح قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر امادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو یہ تقوٰی کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (۸) اللہ نے وعدہ کرلیا ہے ان سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔ (۹) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخی ہیں۔ (۱۰)

ربط آیات:

گزشتہ آیات میں عبادات اور ان احکام کا ذکر تھا جن کا تعلق مکلف کی ذات سے تھا۔ اس آیت میں عدل وانصاف اور شہادت حق کے احکام کا بیان ہے جن کا تعلق دوسروں سے ہے۔ نظام عالم کا دارومدار عدل وانصاف اور سچی شہادت پر ہے، اس لیے کہ عدل وانصاف اور سچی شہادت سے تمام مظالم ومفاسد کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "یایھا الذین امنوا کونوا قومین"۔ اس کا معنی سورہ النساء میں گزر چکا ہے معنی یہ ہے کہ میں نے تم پر اپنی نعمت مکمل کی پس ہوجاؤ مضبوطی سے قائم رہنے، اللہ کے ثواب کے لیے

اس کے حق کو قائم کرو، اور اپنے اقارب کی طرف جھکاؤ کیے بغیر حق کی گواہی دو اور دشمن پر ظلم کیے بغیر حق کی گواہی دو۔

(آیت) "ولا یجرمنکم شنان قوم"۔ عدل کے ترک اور حق پر ظلم وزیادتی کو ترجیح پر کسی قوم کی عداوت تمہیں نہ اکسائے، اس میں دلیل ہے کہ دشمن کا حکم دشمن پر نافذ ہوگا جب کہ وہ اللہ کی رضا میں کسی سے دشمنی کرنے والا ہو اور اس کی شہادت اس کے خلاف نافذ ہوگی، کیونکہ اس نے عدل کے ساتھ فیصلہ کیا اگرچہ وہ اس سے بغض رکھتا ہے، اگر بغض کے ہوتے ہوئے اس کا حکم اور اس کے خلاف شہادت جائز نہ ہوتی تو اسے عدل کا حکم دینے کا کوئی مطلب نہ رہتا، یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ کافر کا کفر اس پر عدل کرنے سے منع نہیں اور قتال اور غلام بنانے میں سے جس کے وہ مستحق ہوں گے اس پر اکتفا کیا جائے گا، کافر کا مثلہ کرنا جائز نہیں اگرچہ انھوں نے ہماری عورتوں، ہمارے بچوں اور ہمارے چچوں کو قتل کیا ہو ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم انھیں غم اور حزن پہنچانے کے لیے قصداً ان کو مثلہ کے ساتھ قتل کریں، اسی کی طرف حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اپنے قول سے مشہور واقعہ میں اشارہ کیا ہے۔

زجاج نے کہا: (آیت) "لا یجرمنکم"۔ کا معنی ہے تمہیں جرم میں داخل نہ کرے جیسے تو کہتا ہے: آثمنی، اس نے مجھے گناہ میں داخل کیا، (آیت) "ھو اقرب للتقوی" یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے تمہارا آگ سے ڈرنا، (آیت) "لھم مغفرۃ واجر عظیم"۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے حق میں فرمایا اس کی حقیقت کو مخلوق کا فہم سمجھ نہیں سکتا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (آیت) "فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین"۔ (السجدہ: ۱۷) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (آیت) "اجر عظیم، اجر کریم، اجر کبیر"۔ تو پھر اس کی مقدار کون جان سکتا ہے؟ جب وعدہ قول سے پہلے تھا تو (آیت) "لھم مغفرۃ میں لام کا

داخل کرنا ہی بہتر تھا یہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ موعود بہ کی جگہ واقع ہے اس معنی کی بنا پر وعدہم ان لھم مغفرۃ یا وعدھم مغفرۃ"۔ مگر جملہ مفرد کی جگہ واقع جیسا کہ شاعر نے کہا:

وجدنا الصالحین لھم جزاء وجنات عینا سلسبیلا:

یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے تمام حقوق ادا کرتے رہیں، حق کی گواہی دیتے رہیں اور کسی قوم کی عداوت انھیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے۔ اس کے بعد اللہ نے انھیں عدل وانصاف کا حکم دیا، کیونکہ یہ بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور نصیحت کی کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں، اس لیے کہ اللہ بندوں کے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ: یعنی عدل وانصاف کے لیے گواہی دو ظلم واستبداد کے حق میں گواہی نہ دو، سیدنا ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا میں تمھیں کبیرہ گناہوں میں سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟" ہم نے عرض کی، جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔" یہ فرما کر آپ سیدھے بیٹھ گئے، حالانکہ اس سے پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر آپ نے فرمایا: "خبردار! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، خبردار! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا۔" پھر آپ برابر ان الفاظ کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے (اپنے دل میں) کہا، شاید آپ خاموش نہیں ہوں گے۔ [1]

سیدنا نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے کچھ مال کا عطیہ دیا اور میری والدہ عمرہ بنت رواحہؓ نے کہا کہ میں تو اس وقت تک خوش نہ ہوں گی، جب تک آپ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر: ۵۹۷۶۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الکبائر وأکبرھا: ۸۷]

کو اس پر گواہ نہ بنالیں۔ میرے والد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں اس مقصد کے لیے حاضر ہوئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اس طرح کا عطیہ دیا ہے؟" انھوں نے کہا، نہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔" نعمانؓ کہتے ہیں کہ میرے والد نے واپس آ کر اپنا صدقہ واپس لے لیا۔ [1]

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو خوش خبری دی ہے کہ اللہ ان کے گناہوں کو معاف کرے گا اور جنت میں بلند مقام عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد والی آیت میں قرآن حکیم کے عام طریقے کے مطابق اللہ نے یہ بتایا کہ جو شخص کفر کی راہ اختیار کرے گا اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے گا، اللہ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔ آخری آیت میں فرمایا کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کا اس کی نعمتوں پر شکر ادا کیا جائے اور اس پر مداومت برتی جائے۔ آگے بتایا کہ یہود اور مشرکین کی طرف سے بھی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کرنے کی مختلف سازشیں ہوئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر بار آپ کی حفاظت فرمائی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے ہر حال میں اپنے رسول کی حفاظت فرمائی ہے۔

والذین کفروا وکذبوا بایتنا اولئک اصحب الجحیم اور جن لوگوں نے (ماننے سے) انکار کیا اور تکذیب کی وہی دوزخی ہیں۔ یعنی کبھی دوزخ سے الگ نہ ہوں گے۔ کلام خداوندی کا اسلوب ہے کہ ایک فریق (اور اس کے عواقب) کا ذکر کرنے کے بعد دوسرے فریق (اور اس کے نتائج) کا ذکر کرتا ہے (آیات مذکورہ بالا میں بھی یہی اسلوب پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۱۔ [بخاری، کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا، باب الإشھاد فی الھبۃ: ۲۵۸۷۔ مسلم، کتاب الھبات، باب کراھیۃ تفضیل بعض الأولاد فی الھبۃ: ۱۶۲۳/۱۳]

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ ﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

شان نزول: (آیت) "یا ایھا الذین امنوا اذکروا نعمت اللہ علیکم"

ابن جریرؒ نے عکرمہؒ اور یزید بن ابی زیادؒ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نکلے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ تھے، حتیٰ کہ کعب بن اشرف اور بنی نضیر کے یہودیوں کے پاس پہنچے اور ان لوگوں سے ایک دیت کے بارے میں کچھ مدد کی ضرورت تھی، یہ بدبخت یہودی بولے کہ آپ بیٹھو، ہم آپ کو کھانا کھلاتے ہیں اور جس ضرورت کے لیے آپ آئے ہیں، اسے بھی پورا کرتے ہیں، چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیٹھ گئے تو حیی بن اخطب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس موقع سے زیادہ اچھا موقع

تمہیں کوئی نہیں ملے گا، العیاذ باللہ آپ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر پتھر پھینک کر قتل کر دو اور پھر ہمیشہ کی تکلیف ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ بہت بڑا پتھر آپ پر پھینکنے کے لیے لے آئے مگر اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو ان کے ہاتھوں میں روکے رکھا یہاں تک کہ جبرائیل امین (علیہ السلام) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس تشریف لائے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس جگہ سے اٹھالیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، یعنی اس انعام کو بھی یاد کرو جو تم پر ہوا ہے، جب کہ ایک قوم تم پر دست درازی کی فکر میں تھی، الخ۔ نیز عبداللہ بن ابی بکرؒ، عاصم بن عمیر بن قتادہؒ، مجاہدؒ، عبداللہ بن کثیرؒ، ابو مالکؒ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

اور قتادہؒ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ یہ آیت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اس وقت نازل کی گئی کہ جب آپ کھجوروں کے ایک باغ میں بسلسلہ ایک جہاد تشریف فرما تھے تو بنو ثعلبہ اور بنو محارب نے آپ پر حملہ کا ارادہ کیا، چنانچہ انھوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ایک اعرابی کو روانہ کیا، آپ آرام گاہ پر سو رہے تھے، اعرابی نے تلوار نکال کر نبی (علیہ السلام) سے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میری تلوار سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ، تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

اور ابو نعیمؒ نے دلائل نبوت میں بواسطہ حسنؒ، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ بنی محارب میں سے غورث بن حارث نامی ایک شخص نے کہا کہ تمہارے لیے العیاذ باللہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کرتا ہوں، چنانچہ وہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور آپ کی تلوار آپ کی گود میں تھی، وہ کہنے لگا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی تلوار تو دکھایئے، آپ (صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم) نے فرمایا لو، چنانچہ اس نے تلوار لے کر سونت لی اور آپ کو ہلاک کر کے العیاذ باللہ اپنے مکروہ ارادے کی تکمیل کرنا چاہی، اچانک اللہ تعالیٰ نے اس کو منہ کے بل گرا دیا اس نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ مجھ سے نہیں ڈرتے، آپ نے فرمایا نہیں، اس نے پھر کہا کہ آپ مجھ سے نہیں ڈرتے حالانکہ تلوار میرے ہاتھ میں ہے، آپ نے فرمایا نہیں، اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا، اس کے بعد اس نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تلوار واپس کر دی، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ: یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس نے کافروں کے ہاتھوں کو مسلمانوں سے روک دیا، ارشاد فرمایا: (وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا)[الفتح:۲۴] "اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، اس کے بعد کہ تمہیں ان پر فتح دے دی اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے خوب دیکھنے والا ہے۔"

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک جگہ (آرام فرمانے کے لیے) پڑاؤ کیا اور صحابہ کرامؓ درختوں کے سائے کی تلاش میں پوری وادی میں پھیل گئے۔ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی ایک ببول کے درخت کے نیچے قیام فرمایا اور اپنی تلوار اس درخت پر لٹکا دی۔ حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ ابھی تھوڑی ہی دیر ہمیں سوئے ہوئے ہوئی تھی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں پکارا، ہم جب خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

ایک دیہاتی بیٹھا ہوا تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس شخص نے میری تلوار (مجھی پر) سونت لی تھی، میں اس وقت سویا ہوا تھا، میری آنکھ کھلی تو میری ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی، اس نے مجھ سے کہا، تمہیں میرے ہاتھ سے آج کون بچائے گا؟ میں نے کہا: "اللہ! اب دیکھو یہ بیٹھا ہوا ہے۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے کوئی سزا نہیں دی۔ [1]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں، اہل مکہ میں سے اسی (۸۰) آدمی مسلح ہو کر تنعیم کے پہاڑ سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر حملہ آور ہوئے، وہ یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اصحاب غفلت میں ہوں (تو ان کو حملہ کر کے قتل کر دیں)، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انھیں پکڑ کر قید کر لیا اور پھر چھوڑ دیا۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا) [الفتح: ۲۴] "اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، اس کے بعد کہ تمہیں ان پر فتح دے دی اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے خوب دیکھنے والا ہے۔" [2]

سیدنا سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا عامر قبیلہ عبلات کے ایک شخص کو، جس کا نام مکرز تھا، دوسرے ستر (۷۰) مشرکین کے ہمراہ گھسیٹ کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لے آئے، عامر اس وقت ایسے گھوڑے پر سوار تھا جس پر جھول پڑی ہوئی تھی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ

۱۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع: ۴۱۳۵۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب توکلہ علی اللہ تعالیٰ وعصمۃ اللہ لہ من الناس: ۸۴۳، قبل الحدیث: ۲۲۸۲]

۲۔ [مسلم، کتاب الجہاد، باب قول اللہ تعالیٰ: (وھو الذی کف أیدیھم عنکم): ۱۸۰۸]

وآلہ وسلم) نے ان کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: "انھیں چھوڑ دو (دراصل صلح حدیبیہ کے بعد) عہد شکنی کی ابتدا مشرکین کی طرف سے ہونے دو، پھر دوبارہ بھی انھی کی طرف سے ہونے دو۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انھیں معاف کر دیا تو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا) [الفتح:۲۴]۔ [1]

﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ ﴾

اسی طرح اللہ نے بنی اسرائیل سے بھی ایک عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ نقیب (نگران) اٹھائے اور اللہ نے فرمایا: بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم

۱۔ [مسلم، کتاب الجھاد، باب غزوۃ ذی قرد: ۱۸۰۷]

نماز قائم رکھو گے اور زکوۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پہ ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو اچھا قرض دو گے تو میں تم سے ضرور تمہارے گناہوں کو دور کر دوں گا اور تمہیں ان باغات میں ضرور داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ پھر اس کے بعد تم میں سے جس نے بھی کفر کیا تو بیشک وہ صراط مستقیم سے دور (نکل گیا) جا پڑا۔

سابقہ آیات سے ارتباط: یہ آیت سابقہ آیتوں کے ساتھ تین وجہوں سے مرتبط ہے:

(۱) اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے (المائدہ: ۹) اور اب یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی پختہ عہد لیا تھا' لیکن انھوں نے اس عہد کو فراموش کر دیا اور پورا نہیں کیا' تو اے مسلمانو! تم اس برائی میں یہود کی مثل نہ ہو جانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عہد شکنی کی پاداش میں تم بھی اللہ کے غضب' اس کی لعنت کا مصداق بن جاؤ اور تم پر بھی ذلت اور مسکینی ڈال دی جائے۔

(۲) اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اس کو یاد کرو' جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک لیا (المائدہ: ۱۱) اور ہم نے اس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریرؒ کے حوالے سے بیان کیا تھا۔ یہ آیت یہود کے متعلق ہے' جب انھوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے بعض اصحابؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ سو اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی مزید شرارتیں اور خباثتیں بیان کیں کہ انھوں نے صرف اللہ

کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی خباثت نہیں کی' بلکہ انھوں نے خود اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و میثاق کو بھی توڑ ڈالا تھا۔

(۳) اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی اور سرکشی سے باز رہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ ان کے لیے کوئی نیا حکم نہیں ہے' بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کو بھی یہی حکم دیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں اور سرکشی نہ کریں۔

حل لغات: دیوار یا لکڑی میں سوراخ کو نقب کہتے ہیں۔ پہاڑوں میں جو سرنگ بنائی جائے' اس کو منقبت کہتے ہیں' کسی نیک انسان کے افعال کو بھی منقبت کہتے ہیں' کیونکہ جس طرح لکڑی یا دیوار میں سوراخ موثر ہوتا ہے' اسی طرح نیک آدمی کے افعال بھی دوسرے لوگوں میں تاثیر کرتے ہیں۔ قوم کا رئیس جو قوم کے احوال کی تفتیش کرتا ہے' اور ان میں موثر ہوتا ہے' اس کی نقیب کہتے ہیں۔ اس کی جمع نقباء ہے۔ اس آیت میں فرمایا: ہم نے بنو اسرائیل کے بارہ نقباء مقرر کیے ہیں یعنی ان کو بارہ گروہوں میں بانٹ دیا اور ہر گروہ کا ایک سردار مقرر کیا۔ [۱]

اس آیت میں فرمایا ہے (آیت) "وعزرتموھم" تم نے رسولوں کی تعزیر کی۔ تعزیر کا معنی ہے تعظیم کے ساتھ مدد کرنا' تعزیر حد سے کم درجہ کی سزا کو بھی کہتے ہیں' اور یہ بھی ایک قسم کی نصرت ہے' کیونکہ جس شخص میں کوئی ایسی خصلت ہو' جس سے اس کو دنیا یا آخرت میں ضرر پہنچے' تعزیر کے ذریعہ اس خصلت کو مٹا کر اس کی نصرت کی جاتی ہے۔ اس طرح تادیب ہے اور انبیاء (علیہم السلام) کے لیے جب یہ لفظ استعمال

۱۔ (المفردات' ص ۵۰۳' مطبوعہ ایران)

ہوتو اس کا معنی تعظیم کے ساتھ مدد کرنا ہے۔ [1]

قاسیہ کا معنی سخت جامد جو کسی قسم کی خیر کو قبول نہ کرے' تحریف کا معنی ہے کسی شئے کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا ہے۔

بنو اسرائیل کی عہد شکنی کا بیان

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ ھ روایت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم بنو اسرائیل کے بارہ سرداروں کو منتخب کر کے جبابرہ کی سرزمین شام میں بھیجیں' تا کہ وہ اس قوم کے احوال کی تفتیش کر کے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو مطلع کریں' اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور بنو اسرائیل کو اس قوم کا وارث بنائے اور اس سرزمین میں آباد کرے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو قوم فرعون سے نجات دی تھی' اور ان کو مصر سے نکال لیا تھا۔ تب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ کے حکم کے مطابق بارہ نقیبوں کو بھیجا' یہ بارہ نقیب جبابرہ کی جاسوسی کرنے کے لیے روانہ ہو گئے' ان کو راستہ میں ایک شخص ملا جس کا نام عاج تھا۔ (عوج بن عنق) وہ اس قدر لمبا اور جسیم تھا کہ اس نے ان بارہ نقیبوں کو پکڑ کر اپنے نیفہ میں اڑس لیا' اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا' وہ ان کو لے کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہا: دیکھو یہ لوگ اپنے زعم میں ہم سے لڑنے آئے تھے۔ پھر اس نے ان سب کو اپنے نیفہ سے نکال کر زمین پر پھینک دیا۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا: کیا خیال ہے میں ان سب کو اپنے قدموں تلے روند کر پیس ڈالوں؟ اس کی بیوی نے کہا' نہیں' بلکہ ان کو چھوڑ دو' تا کہ یہ اپنی قوم کو جا کر ہماری قوت اور طاقت کا حال

۱۔ (المفردات' ص ۳۳۳' مطبوعہ ایران)

بتائیں۔ جب یہ لوگ وہاں سے واپس ہوئے تو انھوں نے آپس میں کہا: اگر تم نے بنو اسرائیل کو اس قوم کا حال بیان کر دیا تو وہ سب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو چھوڑ جائیں گے اور مرتد ہو جائیں گے۔ اس لیے تم صرف حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہما السلام) کو اس خبر سے مطلع کرنا۔ پھر انھوں نے ایک دوسرے سے اس پر عہد و پیمان لیا لیکن ان میں سے صرف دو اس عہد پر قائم رہے۔ وہ یوشع بن نونؑ اور کالب بن یوقناؓ تھے' اور باقی دس نے اس عہد کو توڑ کر تمام بنو اسرائیل سے عوج کا واقعہ بیان کر دیا۔ بنو اسرائیل کو جب جبابرہ کی قوت اور طاقت کا علم ہوا' تو انھوں نے ان کے خلاف جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: (آیت) "فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون"۔ (المائدہ: ۲۴) ترجمہ: آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں' سو وہ جنگ کریں' ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ [1]

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازیؒ متوفی ۶۰۶ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان بارہ نقیبوں سے یہ عہد اور میثاق لیا تھا کہ وہ جبابرہ کے جو بہت بڑے بڑے جسم دیکھ کر آئے تھے' اس کی بنو اسرائیل کو خبر نہ دیں' لیکن انھوں نے ان کو یہ خبر دے دی' اور یہی ان کا عہد توڑنا تھا۔ [2]

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلیؒ متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

ابو العالیہؒ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ میثاق لیا تھا کہ وہ اس کی اخلاص کے ساتھ عبادت کریں اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور مقاتلؒ نے کہا ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ توراۃ کے احکام پر عمل کریں

۱۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۲۰۶' ۔۲۰۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' الوسیط' ج ۲ ص ۲۶۶' طبع بیروت)

۲۔ (تفسیر کبیر' ج ۳' ص ۳۸۲' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

۔ ①

امام ابن جریرؒ نے ابو العالیہؒ سے روایت نقل کی ہے لفظ آیت ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا اللہ نے ان سے پکے وعدے لیے کہ وہ خالص اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں گے فرمایا لفظ آیت وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا یعنی اس طرح ہم نے ان میں سے بارہ نقیب بنائے اور ان کو ان پر اس بات کا ضامن بنایا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان وعدوں پر وفا کریں گے۔ان سے وعدہ لیے تھے۔

بنی اسرائیل کے لیے بارہ چشمے پھوٹنا

عبد بن حمید وابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت نقل ہے کہ لفظ آیت اثنی عشر نقیبا سے مراد ہے کہ بنی اسرائیل کے ہر قبیلہ میں ایسے لوگ ہوتے جن کو موسیٰ (علیہ السلام) نے جبارین کی طرف بھیجا۔انھوں نے اس حال میں بتایا کہ ان جیالوں میں سے ایک کی بغل میں دو دو نقیب آجاتے ہیں اور ان کے انگوروں کا ایک گچھا پانچ آدمی اٹھاتے ہیں اور انار کے ایک حصے سے جب دانے نکالے جائیں تو چار یا پانچ آدمی داخل ہو سکتے ہیں وہ نقیب لوٹ آئے ہر ایک ان میں سے روکتا تھا اپنے قبیلہ کو ان کے ساتھ قتال کرنے سے مگر ہوشع بن نونؑ، کالب بن یوفنہؓ نے قبیلوں کو جبارین سے لڑنے کا حکم دیا ان کے قبیلوں نے ان کی نافرمانی کی اور دوسرے کی اطاعت کی یہی دو نقیب تھے۔جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا بنو اسرائیل چالیس سال تک ریگستان میں سرگرداں پھرتے رہے۔صبح کرتے تھے جہاں سے شام کو چلتے تھے۔اور شام کرتے تھے جہاں سے صبح کو چلتے تھے۔موسیٰؑ نے پتھر کو مارا ہر قبیلہ کے لیے ایک چشمہ تھا یہ ایک

ا۔(زاد المیسر، ج۲، ص۳۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

پتھر تھا جس کو وہ اپنے ساتھ اٹھاتے تھے موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا اے پیو!۔

ابن جریرؒ نے سدیؒ سے نقل کیا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اریحاء کی طرف چلنے کا حکم فرمایا اور یہ بیت المقدس کی زمین ہے۔ یہ لوگ چلے یہاں تک کہ اس کے قریب ہو گئے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے بنی اسرائیل کے ہر قبیلہ میں سے بارہ نقیب بھیجے یہ لوگ اس ارادہ سے چلے کہ جباروں کی خبر لے آئیں جبارین میں سے ایک آدمی کی ان سے ملاقات ہوئی جس کو عوج کہا جاتا تھا۔ اس نے ان بارہ آدمیوں کو اپنے نیفے میں ڈال لیا حالانکہ اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا بھی تھا ان کو لے کر وہ اپنی بیوی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ ان لوگوں کی طرف دیکھ جو ہم سے لڑنے کا ارادہ کرتے ہیں اور ان کو اس کے آگے پھینک دیا اور کہا میں ان کو اپنے پاؤں سے پیس ڈالوں اس کی بیوی نے کہا بلکہ ان کو چھوڑ دے یہاں تک کہ یہ اپنی قوم کو جا کر بتائیں جو کچھ انھوں نے دیکھا اس نے ایسے ہی کیا جب یہ لوگ اپنی قوم کی طرف گئے تو ان کے بعض نے کہا اے قوم اگر تم نے بنی اسرائیل کو اس قوم کی خبر دی تو وہ اللہ کے نبی سے پھر جائیں گے۔ لیکن تم اس کو چھپا لو (ان کو نہ بتاؤ) پھر جب وہ لوٹے تو ان میں سے دس آدمیوں نے وعدہ توڑ دیا اور ہر ایک نے ان میں سے اپنے بھائی کو اور اپنی ماں کو بتا دیا جو کچھ انھوں نے عوج سے دیکھا تھا۔ لیکن ان میں سے دو آدمیوں نے چھپائے رکھا۔ یہ دونوں موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) کے پاس آئے اور ان کو سارا حال بتایا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا۔

امام عبد بن حمید و ابن جریر اور ابن منذرؒ نے قتادہؒ سے نقل کیا کہ انھوں نے لفظ آیت وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا کے بارے میں فرمایا کہ ہر قبیلہ میں سے ایک آدمی کو گمراہ بنایا جو اپنی قوم پر گواہی دینے والا تھا۔

امام ابن جریرؒ نے ربیع ؒ سے نقل کیا کہ لفظ آیت النقباء سے مراد ہے امانت دار۔

امام طستیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نافع بن ارزقؒ نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس قول لفظ آیت اثنی عشر نقیبا کے بارے میں بتایئے تو انھوں نے فرمایا کہ بارہ وزیر تھے جو اس کے بعد انبیاء بنے پوچھا کیا عرب کے لوگ (اس معنی سے) واقف ہیں فرمایا ہاں کیا تو نے شاعر کو یہ کہتے ہوئے سنا وانی سبحق قائل لسراتھا مقالۃ نصح لا یضیع نقیبھا ترجمہ: اور یقیناً میں حق کی تقسیم اس کے سرداروں کو نصیحت کی بات کہنے والا ہوں اخلاص کی بات کو ان کے وزیر پر ضایع نہیں کرتے۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے، ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت اثنی عشر نقیبا کے بارے میں بتایا کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) سے ان کو بھیجا تا کہ وہ شہر کی طرف دیکھیں (کہ وہاں کے کیا حالات ہیں) وہ ایک دانہ ان کے پھلوں میں سے لے آئے اس کو دیکھ کر بنی اسرائیل فتنہ میں پڑ گئے اور انھوں نے کہا ہم لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تو اور تیرا رب جا کر لڑے (ہم تو یہیں بیٹھے ہیں)۔

ابن ابی حاتمؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہودیوں میں سے دس آدمی اگر میری تصدیق کر دیں اور مجھ پر ایمان لے آئیں اور میری تابعداری کر لیں تو ہر یہودی اسلام لے آئے گا! کعب بن اشرف بارہ افراد کے برابر تھا۔ اور اس کی تصدیق سورہ مائدہ میں ہے لفظ آیت وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا۔

امام احمد اور حاکمؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے پوچھا گیا اس رات کے کتنے خلیفے بادشاہ بنیں گے۔ تو انھوں نے فرمایا ہم نے اس بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے

پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بارہ بنی اسرائیل کی تعداد کی طرح۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ربیع بن انسؒ سے روایت کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے ان بارہ نقیبوں سے فرمایا آج کے دن جاؤ اور مجھے ان کے بارے میں بیان کرو اور جو کچھ ان کو حکم فرمایا اور تم خوفزدہ نہ بنو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معکم (تمہارے ساتھ ہیں)۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لفظ آیت وعزرتموھم سے مراد ہے تم ان کی مدد کرو۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت وعزرتموھم سے مراد ہے تم ان کی مدد کرو۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابن زیدؒ سے روایت کیا کہ تعزیر اور توقیر کے معنی مدد کرنا اور اطاعت کرنا ہے۔

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ ﴾

پس ان کے اپنے اس عہد کو توڑنے کے باعث ہم نے ان پر لعنت فرمائی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا کہ وہ کلام کو اس کے محل سے بدل دیتے ہیں اور جو کچھ ان کو دیا گیا تھا نصیحت کے طور پر اس کے اکثر حصے کو وہ بھول گئے اور (اے نبی (صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہمیشہ ان کی طرف سے خیانت کی اطلاع پاتے رہیں گے سوائے ان میں سے چند ایک کے لہٰذا (ابھی) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انھیں معاف کرتے رہیں اور درگزر سے کام لیں یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

ربط آیات:

ابتدائے سورہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایفائے عہد کی تلقین کی تھی وافو بالعقود اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عہد صرف تمہیں سے نہیں لیا گیا بلکہ تم سے پہلے بنی اسرائیل سے بھی عہد لیے گئے پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے توسط سے ان میں سے بارہ نقیب مقرر کیے گئے بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کے لیے ایک ایک نقیب تھا جو اپنے قبیلے کی نگرانی اور حفاظت کا ذمہ دار تھا۔ اللہ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میری مدد تمہارے ساتھ ہوگی اگر تم نماز قائم کرتے رہو کے زکوۃ ادا کرتے رہو گے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی تاکید کرتے رہو گے۔ پھر اللہ کو قرض حسن دو گے یعنی محتاجوں پر خرچ کرتے رہو گے اگر ایسا کرتے رہو گے تو میں تمہاری خطا معاف کردوں گا اور تمہیں باغات میں داخل کردوں گا' مگر جس نے کفر کا راستہ اختیار کیا تو یقین جانو کہ وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا تذکرہ کر کے اہل ایمان کو سمجھا دیا کہ عہد و پیمان کو پورا کرنا لازمی ہے۔ ورنہ انسان گمراہ ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لعنت کرنے کی بھی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کردیا۔

دوسری یہ کہ ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا' اور تیسری یہ کہ ان پر جزیہ مقرر کر دیا' نیز فرمایا ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں کو ایسا کر دیا کہ وہ دلائل دیکھنے کے باوجود حق کو قبول نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ اللہ کے کلام کو اس کے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔ (المائدہ:۱۳)

توراۃ کی تحریف میں علماء کے نظریات

یہود نے توراۃ میں جو تحریف کی ہے' اس کے متعلق کئی اقوال ہیں:

(۱) یہود توراۃ کی آیتوں میں ردوبدل کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے عبارات بنا کر آیات میں شامل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ حسب ذیل آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(آیت) "فویل للذین یکتبون الکتب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ"۔ (البقرہ:۷۹)

ترجمہ: ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے جو اللہ کتاب میں (اپنی طرف سے) لکھیں' پھر کہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

(۲) تحریف کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ وہ توراۃ کی آیتوں کی اپنی طرف سے باطل تاویل کرتے تھے۔ امام رازی ؒ کا یہی مختار ہے۔ وہ لفظی تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو کتاب تواتر سے منقول ہو' اس میں لفظی تغیر نہیں ہو سکتا۔ [۱]

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ توراۃ کی جن آیات میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفات ہیں' وہ ان

۱۔ (تفسیر کبیر' ج ۳' ص ۳۸۳)

کو چھپا لیتے تھے۔ [1]

ڈاکٹر وھبہ زحیلی ؒ لکھتے ہیں:

تاریخ میں یہ معروف ہے اور یہود و نصاریٰ نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو توراۃ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوئی تھی اور جس کی حفاظت کا انھوں نے حکم دیا تھا' اس کا صرف ایک نسخہ تھا'۔ اور یہود و نصاریٰ کے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اہل بابل نے یہودیوں کو قید کیا اور ان میں لوٹ مار کی اس وقت وہ نسخہ گم ہو گیا اور ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی نسخہ نہیں تھا۔ اور جب اہل بابل نے ان کے ھیکل کو جلا دیا' تو وہ اس نسخہ کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

اور وہ پانچ سورتیں جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف منسوب ہیں جن میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی حیات اور وفات کا ذکر ہے اور یہ کہ ان کے بعد کوئی ان جیسا نہیں ہوگا' وہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات کا کافی عرصہ گزر جانے کے بعد' بلکہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہیں۔ ان کو عذرا کاہن نے لکھا تھا' جو بنو اسرائیل کے قید ہونے والے بوڑھوں میں سے بچ گیا تھا۔ اسی طرح نصاریٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ انجیل بھی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے کافی زمانہ بعد لکھی گئی تھی۔ [2]

ہماری رائے یہ ہے کہ توراۃ اور انجیل کلیۃً ساقط الاعتبار نہیں ہیں۔ موجودہ توراۃ اور انجیل خواہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کے بعد لکھی گئی ہوں' لیکن ان میں بہر حال اصل توراۃ اور انجیل کی بہت آیات موجود ہیں اور بعد کی بنائی ہوئی آیات بھی ان میں موجود ہیں' کیونکہ قرآن مجید نے ان کتابوں کا اعتبار کیا ہے اور قرآن مجید کو ان کا مصدق قرار دیا ہے۔ اور ان کتابوں کے حاملین کو اہل کتاب فرمایا ہے اور

۱۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ٢١٢' مطبوعہ بیروت)

۲۔ (التفسیر المنیر' ج ٦ ص ١٢٦' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ١٤١١ھ)

ہمارے نزدیک ان کتابوں میں ہر طرح سے تحریف کی گئی ہے۔ اصل آیات نکال کر اور اپنی طرف سے آیات بنا کر ان میں داخل کی گئی ہیں' اور اصل آیات کی باطل تاویلات بھی کی گئی ہیں' اور جو آیات سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفات اور آپ کی آمد کی بشارت پر مشتمل تھیں ان کو چھپایا اور نکالا بھی گیا ہے۔ حدود کی آیات میں حسب منشاء تغیر بھی کیا گیا اور بعض الفاظ کو توڑ مروڑ کر بھی پڑھا گیا ہے' تاکہ معنی کچھ سے کچھ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کے بڑے حصے کو انھوں نے بھلا دیا۔ (المائدہ: ۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ انھوں نے توراۃ پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی وساطت سے ان سے جو عہد لیا تھا' کہ وہ ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں گے' اس عہد کو انھوں نے پورا نہیں کیا۔

اس کے بعد فرمایا: اور آپ ان کی خیانت پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہیں گے ماسوا چند لوگوں کے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ ھ نے مجاہدؒ سے نقل کیا ہے۔ اس سے مراد یہود بنو نضیر ہیں' جنہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اصحاب کو اس دن قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا' جب آپ عامریوں کی دیت وصول کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپ وہاں سے بحفاظت سلامتی کے واپس آ گئے۔ [1]

اس آیت میں فرمایا ہے' ماسوا چند لوگوں کے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔ (جامع البیان' ج ٦' ص ٢١٤' مطبوعہ بیروت)

وسلم) پر ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے' جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب' آپ ان سے خیانت کا خوف نہ کریں'۔

اس کے بعد فرمایا آپ ان کو معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہودیوں کے تین گروہ بنوقینقاع' بنوالنضیر اور بنوقریظہ کے ساتھ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نیک سلوک کیا۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد آپ نے ان سے صلح کی اور یہ معاہدہ کیا کہ وہ نہ خود آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے اور وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے مامون رہیں گے اور ان کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ رہیں گی اور وہ مکمل آزادی کے ساتھ مدینہ میں رہیں گے' یہ معاہدہ میثاق مدینہ کہلاتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہود نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ خیانت کی اور کفار قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ اس کے باوجود نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو صرف حجاز سے جلاوطن کرنے پر اکتفاء کیا اور ان کے اس جرم پر ان کو قرار واقعی سزا نہیں دی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہودیوں کو معاف کرنے اور ان سے درگزر کرنے کا حکم آیت سیف سے منسوخ ہو گیا۔ وہ آیت یہ ہے۔

(آیت) "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم"۔ (التوبہ:۵)

ترجمہ: تو تم مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فبما نقضھم میثاقھم سے وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے توراۃ والوں سے لیا لیکن انھوں نے اس کو توڑ دیا۔

امام ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ شعبہؒ نے لفظ آیت فما نقضھم کے بارے میں فرمایا یعنی ان کو توڑنے کی وجہ سے (وعدہ کو)۔

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے لفظ آیت فبما نقضھم میثاقھم لعنھم کے بارے میں فرمایا کہ وعدہ توڑنے سے بچو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس میں وعید اور وعدہ کو ذکر فرمایا اور اس کو قرآن میں سے کئی آیتوں میں ذکر فرمایا بطور مقدمہ کے بطور نصیحت کے اور بطور حجت کے اور یہ بات مسلم ہے سمجھ والوں عقل والوں اور علم والوں کے نزدیک کہ اس عظمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا قرار دیدیا ہم کسی ایسے گناہ کو نہیں جاتے جس میں وعدہ توڑنے سے بڑھ کر کوئی وعید رکھی گئی ہو۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ آیت یحرفون الکلم عن مواضعہ کے بارے میں فرمایا یعنی انھوں نے اللہ کی حدود کو توراۃ میں (بدل ڈالا) اور کہتے ہیں اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم کو حکم دیں اس دین کے ساتھ جن پر تم ہو تو اس کو قبول کر لینا اور اگر وہ تمہاری مخالفت کریں تو (اس سے) بچ جانا۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ونسوا حظا مما ذکروا بہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ کتاب کو بھول گئے۔

اللہ کے احکام کو بھلانا قابل مذمت ہے

امام عبد بن حمید اور ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ونسوا حظا مما ذکروا بہ کے

بارے میں فرمایا کہ وہ کتاب کو بھول گئے۔

امام عبد بن حمید اور ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ آیت ونسوا حظا مما ذکروا بہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ کی کتاب کو بھول گئے جب ان پر نازل کی گئی۔

امام ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ونسوا حظا سے مراد ہے کہ وہ انھوں نے ایک حصے کو چھوڑ دیا۔

امام ابن جریرؒ، حسنؒ نے لفظ آیت ونسوا حظا مما ذکروا بہ کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اور ان لطائف کو بھی چھوڑ دیا کہ جن کے ساتھ ہی اعمال قبول ہوتے ہیں۔

امام عبد بن حمید اور ابن منذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کی کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے اللہ کی کتاب کو بھلا دیا اور اس وعدہ کو بھی جو وعدہ ان کی طرف سے لیا گیا تھا۔ اور اس حکم کو بھی جو ان کو دیا گیا تھا۔ اور انھوں نے اپنے فرائض کو بھلا دیا اور اس کی حدود معطل کر دیا اور اس کے رسولوں کو قتل کیا اور اس کی کتاب کو پھینک دیا۔

امام ابن مبارکؒ اور احمدؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ میرا گمان ہے کہ انسان علم کو بھول جاتا ہے جس کو وہ جانتا تھا۔ اس گناہ کی وجہ سے جو وہ کرتا ہے۔

امام عبدالرزاقؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت میں انھوں نے لفظ آیت ولا تزال تطلع علی خائنۃ منھم کے بارے میں قتادہؒ سے کہ اللہ تعالیٰ مطلع فرماتے رہیں گے۔ ان کی خیانت پر، جھوٹ پر اور گناہوں پر اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول لفظ آیت فاعف عنھم واصفح کا معنی یہ ہے کہ اس دن ان کو ان سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اس کو معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو۔

پھر یہ حکم برأۃ والی آیت سے منسوخ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لفظ آیت قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر (سورہ توبہ ۲۹)۔

﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ ﴾

"اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا تو وہ اس کا ایک حصہ بھول گئے جس کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک دشمنی اور بغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ انھیں بتائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔"

ربط آیات:

اس سے پہلی آیات میں اہل کتاب میں سے یہود کے ساتھ معاہدے کا ذکر تھا کہ اگر تم نماز قائم کرو، زکوۃ دوگے، پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی عزت اور توقیر کروگے اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دوگے تو میں تمہارے گناہ مٹادوں گا اور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ مگر انھوں

نے معاہدے کی پابندی نہ کی اور ملعون ہوئے۔اب اہل کتاب میں سے نصاریٰ کا ذکر ہے۔فرمایا۔
نصاریٰ کا حال بھی یہود سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں گے اور اس کی شریعت پر عمل کریں گے،لیکن انھوں نے بہت سے احکام الٰہی کو قصداً فراموش کر دیا،جس کے نتیجے میں اللہ نے دنیا میں انھیں یہ سزا دی کہ وہ آپس میں عداوت اور بغض وحسد کرنے لگے،مختلف جماعتوں میں بٹ گئے اور ان کی آپس کی عداوت انتہا کو پہنچ گئی اور ان کا یہی حال قیامت تک رہے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انھیں ان کے شر وفساد اور ان کے برے کرتوتوں کی خبر دے گا اور ان کی خباثت اور بد اعمالیوں کے مطابق انھیں بدلہ دے گا۔
فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: یعنی ہم نے اس وقت سے لے کر قیامت تک ان کے درمیان دشمنی اور کینہ پروری بھڑکا دی۔چنانچہ اس وقت بھی ان میں آپس میں مذہبی عداوت پائی جاتی ہے اور پھر خود نصرانیوں کے بھی کئی ایک فرقے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے ہیں۔رہا مسلمانوں کے مقابلے میں ان کا ایک ہونا،تو وہ مسلمانوں کے ترک جہاد کی وجہ سے اور مسلمان ممالک کے وسائل سے اپنا اپنا حصہ لینے کے لیے ہے۔ورنہ ظاہر میں ایک نظر آنے کے باوجود ان کی باہمی لڑائی ایک مسلمہ حقیقت ہے،جس کا مطالعہ کر کے مسلمان اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔مگر افسوس!اب مسلمانوں میں آپس میں ایسا اختلاف اور دشمنی پیدا ہوگئی ہے کہ ایک نام یعنی مسلمان ہونے کے اعتبار سے تو اکٹھے دکھائی دیتے ہیں،لیکن حقیقتاً گروہوں میں منقسم ہیں اور کفار ان کے افتراق سے فائدہ اٹھا کر ان پر حکومت کر رہے ہیں۔
امام عبدالرزاق اور عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت

ومن الذین قالوا انا نصری کے بارے میں فرمایا یہ لوگ ایک بستی میں تھے جس کو ناصرہ کہا جاتا تھا۔ عیسیٰ بن مریمؑ وہاں تشریف لے جاتے تھے۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ومن الذین قالوا انا نصری کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایک بستی تھی جس کو ناصرہ کہا جاتا تھا عیسیٰؑ وہاں تشریف لے گئے یہ ایسا ہی نام ہے جو خود انھوں نے اپنے لیے رکھا تھا حالانکہ ان کو اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول لفظ آیت میثاقھم فنسوا حظا مما ذکروا بہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ کی کتاب کو بھول گئے اپنے درمیان اور اللہ کے عہد (کو بھول گئے) جو ان سے عہد لیا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم (کو بھول گئے) جو ان کو حکم دیا گیا تھا۔ اور اپنے فرائض کو انھوں نے ضائع کیا پھر فرمایا لفظ آیت فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ یعنی ان کے درمیان اللہ تعالیٰ نے دشمنی اور بغض ڈال دیا تھا۔ ان کے برے اعمال کی وجہ سے اور اگر قوم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور حکم پر کاربند رہتی تو نہ آپس میں متفرق ہوتے اور نہ آپس میں بغض رکھتے۔

امام ابو عبیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے ابراہیمؒ سے روایت ہے لفظ آیت فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ یعنی ان کے بعض لوگوں نے بعض کو اکسایا جھگڑوں پر اور آپس میں جنگ وجدل پر دین کے بارے میں۔

عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے ابراہیمؒ سے اس آیت کے بارے میں فرمایا میرے نزدیک اس آیت میں اغرار کا معنی مختلف خواہشات ہیں۔

ابن جریرؒ نے ربیعؒ سے روایت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف (یہ حکم) بھیجا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی

آیات کو تھوڑی قیمت کے بدلے نہ بیچیں اور حکمت کو سکھاؤ اور اس پر معاوضہ نہ لو۔ مگر تھوڑے لوگوں کے علاوہ اس پر کسی نے عمل نہیں کیا۔ انھوں نے حکم میں رشوت لی اور حدود سے تجاوز کیا۔ (اس نے) یہود کے بارے میں فرمایا کہ کس طرح انھوں نے اللہ کے حکم کے خلاف فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ حکم دیا۔ لفظ آیت فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ۔

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۗ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ ﴾

اے اہل کتاب، تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے اور کتاب (الٰہی) کی (وہ) باتیں جو تم چھپاتے رہے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہے اور بہت سی باتوں سے درگزر کر جاتا ہے۔ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آ چکا ہے اور ایک ایسی واضح کتاب (آ چکی) ہے۔ (۱۵) اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتاتا ہے جو اس کی رضامندی کی طلب

میں لگے رہتے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور انھیں سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔(۱۶)

ربط آیت: اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو پھر اسلام کی دعوت دے رہا ہے' اور یہ فرمایا ہے کہ ہمارا نبی تم کو تمہاری کتاب کی وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے۔ حالانکہ ہمارے نبی امی ہیں' انھوں نے کسی درس میں تعلیم حاصل نہیں کی' اس کے باوجود ان کا تمہاری کتاب کی باتوں کو بتانا ان کے معجزات میں سے ہے۔ یہود رجم کی آیت کو چھپاتے تھے اور جن یہودیوں نے منع کرنے کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کیا' اس کی پاداش میں ان کو بندر بنا دیا گیا اس کو بھی وہ چھپاتے تھے' اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان امور کو بیان فرما دیا اور بہت سی ایسی باتیں جن کو یہود چھپاتے تھے' ان کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہیں بیان فرمایا' کیونکہ ان کے بیان سے دین کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی۔

شان نزول: (آیت) "یاھل الکتب قد جآئکم رسولنا"

ابن جریرؒ نے عکرمہؒ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہود کے پاس رجم کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے آئے اور ان سے پوچھا کہ تم میں سب سے بڑا عالم کون ہے سب نے ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا، آپ نے اس کو اس ذات کی قسم دے کر جس نے توراۃ کو موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل کیا اور کوہ طور کو ان پر اٹھایا اور ان سے تمام عہد لیے۔ (آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نے زنا کی سزا کے حوالے سے) پوچھا تو کہنے لگا جب زنا ہم میں زیادہ ہوتا ہے تو سو کوڑے مارتے ہیں اور سر مونڈ دیتے ہیں چنانچہ آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ کیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آئے ہیں الخ۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے حال پر رحم کھاتے ہوئے انھیں دین اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ بہت سی باتیں جو تم لوگ چھپاتے تھے، مثلاً محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت، توراۃ میں رجم والی آیت اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت، تو اب ہمارا رسول بذریعہ وحی وہ باتیں بیان کر رہا ہے اور بہت سی باتوں کو بیان نہیں کرتا، تاکہ تمہاری حد سے زیادہ فضیحت نہ ہو جائے۔ دیکھو، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کھلی کتاب آ گئی ہے جس کے ذریعے اللہ اپنی رضا کے طلب گاروں کی آخرت کے عذاب سے سلامتی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور کفر کی تاریکی سے نکال کر نور ایمان کی توفیق دیتا ہے۔

يَآهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ: اس آیت میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ بہت سے احکام جو یہود چھپایا کرتے تھے ان کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیان کرتے ہیں، جیسے رجم کی آیت، سبت والوں کا قصہ جن کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا اور اسی طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صفات سے متعلق دیگر آیات، الغرض یہود ان تمام باتوں کو چھپایا کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک یہودی مرد

۱۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

اور عورت کو لایا گیا، وہ زنا کر بیٹھے تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے فرمایا: "تم اپنی کتاب میں اس ضمن میں کیا حکم پاتے ہو؟" انھوں نے کہا کہ ہمارے علماء نے یہ طریقہ نکال رکھا ہے کہ وہ مرتکبین کا منہ کالا کرتے ہیں اور انھیں گدھے پر بٹھا کر گشت کراتے ہیں۔

عبداللہ بن سلامؓ نے کہا، اے اللہ کے رسول! ان کے علماء کو مع توراۃ کے بلایئے، چنانچہ توراۃ لائی گئی تو ان میں سے ایک (عالم) نے رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا۔ عبداللہ بن سلامؓ نے اس سے کہا، اپنا ہاتھ اٹھایئے۔ اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے سے رجم کی آیت نکلی، چنانچہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حکم دیا اور وہ دونوں سنگسار کر دیے گئے۔ [1]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اہل توراۃ اور اہل انجیل کو مخاطب کر کے فرمایا: تمہارے پاس نور اور کتاب مبین آ گئی۔ نور سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جنہوں نے حق کو روشن کیا' اسلام کو ظاہر کیا' اور کفر کو مٹایا۔ اسی نور کی وجہ سے آپ وہ باتیں بیان فرما دیتے تھے جن کو یہودی چھپاتے تھے اور کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس نے ان چیزوں کو بیان فرما دیا جس میں ان کا اختلاف تھا۔ مثلاً اللہ کی توحید' حلال اور حرام اور شریعت کا بیان اور وہ کتاب قرآن مجید ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرمایا' جس میں دین سے متعلق احکام کو بیان فرمایا۔ [2]

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوریؒ متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں

نور سے مراد ہے گمراہی سے روشنی اور ہدایت' یعنی اسلام۔ قتادہؒ نے کہا اس سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ

۱۔ [بخاری، کتاب الحدود، باب الرجم فی البلاط: ۶۸۱۹۔ مسلم، کتاب الحدود، باب رجم الیھود أھل الذمۃ فی الزنیٰ: ۱۶۹۹]

۲۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۲۲۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

وسلم) مراد ہیں۔ یہی زجاج کا مختار ہے۔ اس نے کہا نور سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے' جس چیز میں اہل کتاب اختلاف کرتے ہیں۔ اس میں قرآن مجید قول فیصل بیان کرتا ہے۔ [1]

حسب ذیل تفاسیر میں بھی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قتادہؒ نے کہا ہے کہ نور سے مراد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور دوسروں نے کہا اس سے مراد اسلام ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔ [2]

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندیؒ متوفی ۳۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

(۱) نور سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

(۲) نور سے مراد اسلام ہے اور کتاب سے مراد قرآن ہے۔

(۳) نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ قول ضعیف ہے' کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے۔ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اسلام اور قرآن پر نور کا اطلاق بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ نور ظاہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے آنکھ اشیاء ظاہرہ کا ادراک قوت سے کرتی ہے اور نور باطن اس چیز کو کہتے ہیں جس سے بصیرت' حقائق اور معقولات کا ادراک قوت سے کرتی ہے۔ [3]

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعیؒ متوفی ۶۸۶ھ لکھتے ہیں:

۱۔ (الوسیط' ج ۲ ص ۱۶۹۔۱۶۸' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت)

۲۔ (الجامع لاحکام القرآن' ج ۳ ص ۷۸' مطبوعہ بیروت' فتح القدیر' ج ۲ ص ۲۳' الدرالمنثور' ج ۲ ص ۲۶۸' نظم الدرر' ج ۶' ص ۶۳' زادالمسیر' ج ۲ ص ۳۱۶)

۳۔ (تفسیر کبیر' ج ۳ ص ۳۸۴' مطبوعہ دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

نور سے مراد ہے قرآن جو شک کے اندھیروں کو دور کرتا ہے' اور کتاب مبین سے مراد ہے جس کا اعجاز واضح ہو اور ایک قول یہ ہے کہ نور سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ [1]

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفیؒ متوفی ۱۰۶۹ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تفسیر کے مطابق نور اور کتاب دونوں سے مراد واحد ہے۔ قرآن مجید کو نور اس لیے فرمایا ہے کہ یہ ہدایت اور یقین کے طریقوں کو ظاہر فرماتا ہے دوسری تفسیر جس کے مطابق نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نور فرمایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے معجزات کے سبب سے ظاہر تھے اور آپ حق کو ظاہر کرنے والے تھے۔ [2]

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفیؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نور کا اطلاق کیا گیا' کیونکہ آپ اندھیروں سے نور کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن ہے۔ یہ دونوں قرآن کے وصف ہیں اور عطف کے لیے لفظی تغایر کافی ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے کیا چیز مانع ہے کہ یہ دونوں لفظ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نعت اور صفت ہوں۔ آپ نور عظیم ہیں۔ کیونکہ انوار میں آپ کا کامل ظہور ہے اور آپ کتاب مبین ہیں' کیونکہ آپ اسرار کے جامع ہیں اور احکام' احوال اور اخبار کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ [3]

واضح رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے مراد نور نبوت اور نور ہدایت ہونا ہے۔ (محمد طاہر)

۱۔ (علامہ بیضاوی کی پہلی تفسیر زمخشری سے مستفاد ہے' کشاف' ج ۱ ص ۶۱۷)

۲۔ (عنایۃ القاضی' ج ۳ ص ۲۲۶' مطبوعہ بیروت)

۳

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، جب اس کے گرد روشنی ہوئی تو اس میں کیڑے اور یہ جانور جو آگ میں ہیں، گرنے لگے اور وہ شخص ان کو روکنے لگا لیکن وہ نہ رکے اور اس میں گرنے لگے، یہ مثال میری اور تمہاری ہے، میں تمہاری کمر پکڑ کے جہنم سے روکنے والا ہوں اور کہتا ہوں کہ جہنم کے پاس سے چلے آؤ اور تم نہیں مانتے اور اسی میں گھسے جاتے ہو۔"[1]

توراۃ اور قرآن کریم کی مشترکہ باتیں

امام ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت یاھل الکتب قد جاءکم رسولنا کے بارے میں فرمایا کہ اس سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مراد ہیں۔ پھر فرمایا لفظ آیت یبین لکم کثیرا یعنی بہت باتوں کو تمہارے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیان فرمایا جو ہمارے رسول ہیں ان لوگوں میں سے جو تم لوگوں سے چھپاتے ہو۔ اور ان کو تم بیان نہیں کرتے ہو ان چیزوں میں سے جو تمہاری کتابوں میں اور ان چیزوں میں سے جن کو وہ اپنی کتاب سے چھپاتے تھے۔ ان کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں کے لیے بیان فرمایا اور وہ شادی شدہ زنا کرنے والوں کو رجم کرنے کا حکم تھا۔

امام ابن جریرؒ نے عکرمہؒ سے روایت کی کہ یہودی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے تاکہ ان سے رجم کے بارے میں سوال کریں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کو ذات کا واسطہ دیا جس نے توراۃ کو موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل فرمایا اور وہ ذات جس نے ان پر طور پہاڑ اٹھایا تھا وعدہ لینے کے لیے جو ان سے لیا گیا۔ کیا تم رجم کو اپنی کتاب میں پاتے ہو ابن صوریا نے کہا جب ہمارے اندر (زنا

۱۔[مسلم، کتاب فضائل النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب شفقتہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی أمتہ۔۔الخ: ۲۲۸۴/۱۸]

کے واقعات) کثرت سے ہونے لگے تو ہم سو کوڑے مارنے لگے اور ہم نے سروں کو مونڈ دیا تو آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ فرما دیا۔ اور (اس پر) اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا لفظ آیت یاھل الکتب سے لے کر لفظ آیت الی صراط مستقیم تک۔

امام ابن الضریس والنسائی وابن جریر وابن ابی حاکمؒ نے (اور اس کو صحیح بھی کیا ہے) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس نے رجم کا انکار کیا گویا اس نے قرآن کا اس طرح انکار کیا کہ اسے پتہ ہی نہ چلا اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت یاھل الکتب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخلفون من الکتب فرمایا کہ رجم کرنا انہی چیزوں میں سے تھا جن کو وہ چھپاتے تھے۔

امام عبد بن حمیدؒ سے قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت ویعفوا عن کثیر کے بارے میں فرمایا کہ وہ قوم کے گناہ کو معاف کرتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انھیں مٹانے کے لیے تشریف لائے اگر وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کریں تو آپ ان سے درگزر فرماتے۔

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ اس قرآن سے راہنمائی فرماتے ہیں) مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ (جنہوں نے اس کی رضامندی کی اتباع کی) جو ان میں سے ایمان لائے۔ سُبُلَ السَّلٰمِ (سلامتی کے راستوں کی طرف) اور عذاب الٰہی سے بچانے والے راستوں کی طرف۔ یا اللہ تعالیٰ کے راستوں کی طرف۔ اس صورت میں السلام اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے۔

پس السلام سے مراد سلامتی یا اللہ تعالیٰ۔ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (اور ان کو وہ اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتے ہیں) یعنی کفر کے اندھیروں سے نور اسلام کی طرف۔

بِاِذْنِهٖ (اپنے حکم) یعنی ارادہ وتوفیق سے۔ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ان کی راہنمائی

صراط مستقیم کی طرف کرتے ہیں)

امام ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کی کہ انھوں نے لفظ آیت یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلم کے بارے میں فرمایا اللہ کا وہ راستہ جس کو اس نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا اور ان کو اس کی طرف بلایا۔ اور اسی کے ساتھ رہے رسولوں کو بھیجا اور وہ ہے اسلام اور اللہ تعالیٰ کسی کا کوئی عمل قبول نہیں فرمائے گا مگر اس (اسلام) کے ساتھ یہودیت کے ساتھ نصرانیت کے ساتھ اور مجوسیت کے ساتھ (واللہ تعالیٰ اعلم)۔

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ ﴾

"یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے۔ جنہوں نے کہا کہ بیشک مسیح بن مریمؑ اللہ ہے آپ ﷺ فرما دیجئے تو کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کچھ اختیار رکھتا ہو اگر وہ ارادہ کرے کہ مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب کو ہلاک

کردے، آسمانوں اور زمین کی اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اس کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔

ربط آیت: گزشتہ آیت یعنی ویھدیھم الی صراط مستقیم میں سیدھے راستے کا ذکر فرمایا اور صراط مستقیم وہ معتدل راہ ہے جو افراط وتفریط کے ٹھیک درمیان میں ہو اب اس آیت میں نصاری کے عقیدہ الوہیت مسیح کا رد فرماتے ہیں کہ شرک اور تثلیث کی راہ صراط مستقیم سے بہت دور ہے۔

یہ یعقوبیہ فرقہ کا عقیدہ ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ نصاری سے پوچھیے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی والدہ اور بندوں کو ہلاک کرے تو اس کے عذاب کے روکنے پر کون قادر ہے؟ زمین وآسمان کے خزانے تمام مخلوقات اور یہ عجائبات اسی کی ملکیت ہیں جس طرح چاہے خواہ بغیر باپ کے یا باپ کے ساتھ پیدا کردے۔ وہ مخلوقات کے پیدا کرنے اور اولیاء کو ثواب اور دشمنوں کو عذاب دینے پر قدرت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (آیت) "لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم"۔ سورہ النساء کے آخر میں اس کا بیان گزر چکا ہے، اس کلام کی دلالت میں نصاری کا کفر ثابت ہوا یہ ان کے اس قول کی وجہ سے تھا کہ (آیت) "ان اللہ ھو المسیح ابن مریم"۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو مسیح بن مریم ہے دین کی جہت سے کیونکہ اگر انھوں نے یہ حکایت کی جہت سے کہا ہوتا اس بات کا انکار کرتے ہوئے تو وہ کافر نہ ہوتے۔

(آیت) "قل فمن یملک من اللہ شیئا"۔ یعنی اللہ کے امر سے۔ (آیت) "یملک"۔ کا معنی یقدر ہے، یہ عربوں کے قول: ملکت علی فلان امرہ"، یعنی میں اس پر قادر ہوا، یعنی کوئی اللہ کے امر کو روکنے پر قادر

ہے، اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) اگر خدا ہوتے تو وہ اس چیز کو دور کرنے پر قادر ہوتے جو ان پر اترتی اور جو دوسروں پر اترتی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو موت دی وہ اپنی والدہ سے موت کو دور نہ کر سکے اگر اللہ تعالیٰ انھیں موت دیتا تو کون اس کا دفاع کرتا یا کون اسے رد کر سکتا؟ (آیت) "وللہ ملک السموت والارض وما بینھما"۔ حضرت مسیح (علیہ السلام) اور ان کی والدہ مخلوق میں محدود ہیں محصور ہیں ان کو حد اور نہایت نے گھیرا ہوا ہے وہ الٰہیت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور فرمایا: (آیت) "وما بینھما، وما بینھن نہیں فرمایا کیونکہ دونوعوں اور صنفوں کا ارادہ کیا جیسا کہ راعی نے کہا: طرقا فتلک ھامھی اقریھما قلصا لواقح کالقسی وحولا۔ [1]

اس نے طرقا کہا: پھر کہا: ھامھی، (آیت) "یخلق مایشآء" حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ ﴾

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے (نعوذ باللہ) اور اس کے مقبول ترین لوگ ہیں۔ ان سے پوچھو پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ اصل میں تم

۱۔ (احکام القرآن للطبری، جلد ۶، صفحہ ۱۹۶)

بھی ویسے ہی انسان ہو، جیسے باقی تمام انسان اللہ نے پیدا کیے ہیں وہ جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔ زمین اور آسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا وہی مالک ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

شان نزول: (آیت) "وقالت الیہود والنصری"

ابن اسحاق ؒ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں نعمان بن قصی، بحر بن عمر اور شاس بن عدی آئے، سب نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے گفتگو کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے گفتگو کی اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور اس کے عذاب سے ڈرایا۔

تو وہ کہنے لگے ہم نہیں ڈرتے اور نصاری کی طرح کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا کی قسم ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی یہود اور نصاری دعوے کرتے ہیں، الخ۔

نیز ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہود کو اسلام کی دعوت دی اور اس کی طرف رغبت دلائی تو انھوں نے انکار کیا، اس پر حضرت معاذ بن جبل ؓ اور سعد بن عبادہ ؓ بولے، اے گروہ یہود، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ کی قسم تم یہ حقیقت اچھی طرح جانتے ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ کی بعثت سے قبل تم ہی لوگ ہم سے آپ کا ذکر کیا کرتے تھے اور آپ کے اوصاف بیان کرتے تھے۔

اس پر رافع بن حریملہ اور وہب بن یہود بولے کہ ہم نے تم سے یہ بیان نہیں کیا اور موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد اللہ تعالیٰ نے نہ کوئی کتاب نازل کی اور نہ کسی بشیر اور نذیر کو بھیجا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔" یا اھل الکتاب"۔(الخ) اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول، الخ۔ [1]

یہود کے دعوی کا رد کہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب

عکرمہؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس (یہود میں سے) نعمان بن رضاء، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی آئے اور آپ سے گفتگو کی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے بات کی اور ان کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ انھوں نے کہا اے محمد! آپ ہمیں کیوں ڈرا رہے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں جس طرح عیسائیوں نے کہا تھا' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی پھر تمہارے گناہوں کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ اس کا معنی یہ ہے کہ اے جھوٹو! اگر واقعی ایسا ہی ہے تو اللہ تمہیں عذاب کیوں دے گا؟ کیونکہ کوئی شخص اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا اور تم خود اقرار کرتے ہو کہ اللہ تمہیں عذاب دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ جتنے دن انھوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی' اتنے دن ان کو عذاب ہوگا اور یہ مدت چالیس دن تھی۔ حالانکہ باپ اپنے بیٹے کو اور کوئی شخص اپنے دوست کو عذاب نہیں دیتا۔ [2]

اس کے بعد فرمایا: آپ ان سے کہئے کہ جس طرح تم نے گماں کیا ہے اس طرح نہیں ہے' بلکہ امر واقعی یہ

۱۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی (رح)

۲۔(جامع البیان' جز ٦ ص ٢٢٥۔٢٢٤' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

ہے کہ تم عام لوگوں کی طرح بشر ہو۔ اگر تم ایمان لاؤ اور نیک عمل کرو تو تم کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر ایمان نہیں لائے تو سزا پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے بخش دیتا ہے' اور جس کو چاہتا ہے اپنے عدل سے سزا دیتا ہے۔ پھر فرمایا: اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے' تو تم بھی اللہ کے مملوک اور اس کے بندے ہو' اس کے بیٹے اور اس کے محبوب نہیں ہو۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے ڈال دیا اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکے گا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ (کے عذاب) سے (بچانے کے سلسلہ میں) تمہارے چنداں کام نہیں آ سکتا، اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ (کے عذاب) سے (بچانے کے سلسلہ میں) تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا اور اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہو، یہیں مجھ سے طلب کرلو، (آخرت میں) میں تمہیں اللہ (کے عذاب) سے (بچانے کے سلسلہ میں) کچھ کام نہیں آ سکتا۔"[2]

ایک عورت کا اپنے بچے سے محبت کا ذکر

امام احمدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے اصحاب کی ایک

۱۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن: ۲۶۹۹]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (وأنذر عشیرتک الأقربین): ۴۷۷۱۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب فی قولہ تعالیٰ: (وأنذر عشیرتک الأقربین): ۲۰۶]

جماعت کے ساتھ گزرے جبکہ ایک بچہ راستہ میں تھا۔ جب اس بچے کی ماں نے ان لوگوں کو دیکھا تو خوف کرنے لگی کہ ایسا نہ ہو کہ میرے بچے کو روند ڈالیں۔ وہ جلدی جلدی دوڑتی ہوئی آئی اور کہہ رہی تھی میرا بیٹا میرا بیٹا اور ماں نے اس کو اٹھا لیا صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ عورت اپنے بیٹے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈالے گی۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا نہیں اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ کبھی اپنے محبوب کو آگ میں نہیں ڈالے گا۔

امام احمدؒ نے الزھد میں حسنؒ سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو عذاب میں نہیں ڈالتا لیکن اس کو دنیا کی آزمائش میں ڈالتا ہے۔

امام ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کی ہے کہ لفظ آیت یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء سے مراد ہے اللہ تعالیٰ جس کو دنیا میں چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور پھر اس کو بخش دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں اس کو کفر پر مارتے ہیں پھر اس کو عذاب دیتے ہیں۔

﴿ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾ ﴾

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو ایسے وقت میں تمہارے لیے بیان کرتا ہے جبکہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تا کہ تم یوں نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، سو تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

شانِ نزول: (آیت) "یاھل الکتب قد جآءکم رسولنا"

محمد بن اسحاق ؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت اور ترغیب دی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ اے یہود کے گروہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بخدا تم ضرور جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ بعثت سے پہلے تو تم ہم سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر کیا کرتے تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف بیان کرتے تھے۔ اس کے جواب میں رافع بن حریملہ اور وہب بن یہودا کہنے لگے کہ ہم نے تم سے یہ نہیں کہا تھا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی اور نہ حضرت موسیٰ ؑ کے بعد کسی شخص کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وھبؓ نے یہودیوں سے کہا: اے یہودیو! اللہ سے ڈرو۔ بخدا تم کو یقینا معلوم ہے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کی بعثت سے پہلے تم ہم سے آپ کے مبعوث ہونے کا ذکر کیا کرتے تھے اور آپ کی صفات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ وھب بن یہوذا اور رافع نے کہا ہم نے تم سے یہ

۱۔ (مظہری 3/ 64)

نہیں کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں کی اور نہ کسی رسول کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا' تب ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

فترت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس آیت میں فرمایا ہے اہل کتاب فترت کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا' جب کسی چیز کی حدت اور تیزی ختم ہو جائے اور اس کا پہلا اثر منقطع ہو جائے تو اس کو فترت کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں دو نبیوں کے درمیان اس زمانہ کو فترت کہتے ہیں جس میں کوئی رسول نہ آیا ہو۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان کوئی رسول نہیں آیا اس لیے یہ زمانہ فترت تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل کتاب! فترت رسل کے بعد تمہارے پاس ہمارا رسول آیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ کے سب سے زیادہ قریب ہوں' تمام انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ [2]

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری ؒ متوفی ۴۰۵ ھ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں:

یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت سماک بن حرب ؒ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خالد بن سنان کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا وہ نبی ہیں' ان کی قوم نے ان کو ضائع کر دیا۔ نیز

۱۔ (زاد المسیر' ج ۱۲ ص ۳۱۹' الدر المنثور' ج ۲' ص ۲۲۹)

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۴۴۲' صحیح مسلم' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۳۶۵' طبع بیروت)

حضرت سماک بن حرب نے کہا کہ خالد بن سنان کا بیٹا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا میرے بھتیجے مرحبا۔ امام حاکمؒ نے یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے' لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ [1]

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں

صحیح البخاری کی اس (مذکور الصدر) حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد صرف ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ سورہ یٰسین میں جب تین رسولوں کا ذکر ہے جن کو بستی والوں کی طرف بھیجا گیا تھا وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے متبعین میں سے تھے اور جرجیس اور خالد بن سنان بھی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نبی تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مقابلہ میں بلاتردد ضعیف ہے' یا پھر اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد مستقل شریعت کے ساتھ کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ [2]

علامہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکیؒ متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کے قول کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے' جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان رسل اور انبیاء ہیں اور حواریین بھی نبی تھے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد لوگوں کی طرف بھیجے گئے اور یہ اکثر نصاریٰ کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بخاریؒ نے سلمانؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ

۱۔ (المستدرک' ج۲' ص۶۰۰۔۵۹۹)

۲۔ (فتح الباری' ج۶' ص۴۸۹' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

(علیہ السلام) اور ہمارے نبی کے درمیان زمانہ فترت تقریباً پونے چھ سو سال ہے۔ [1]

حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک کا زمانہ:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ ھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ ؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان زمانہ فترت چھ سو سال ہے۔ [2]

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن العساکر متوفی ؒ ۵۷۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا حضرت آدم (علیہ السلام) نبی تھے؟ فرمایا ہاں! اس نے پوچھا ان کے اور حضرت نوح (علیہ السلام) کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ فرمایا: بیس صدیاں۔ اس نے پوچھا حضرت نوح (علیہ السلام) اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا دس صدیاں! اس نے پوچھا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو پندرہ۔ [3]

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان دس صدیاں ہیں اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان سترہ صدیاں ہیں۔ [4]

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک چھ

۱۔ (اکمال اکمال المعلم، ج ۸، ص ۱۱۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

۲۔ (جامع البیان، جز ۶ ص ۲۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۳۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۴ ص ۲۲۵ مطبوعہ دار الفکر، دمشق، ۱۴۰۴ھ)

۴۔ (تفسیر منیر، ج ۶، ص ۱۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ)

ہزار تین سو سال کا زمانہ ہے۔

امام عبدالرزاقؒ، عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے معمرؒ کے طریق سے قتادہؒ سے روایت ہے کہ لفظ آیت علی فترۃ من الرسل یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا عرصہ تھا۔ معمر اور کلبیؒ نے کہا کہ پانچ سو چالیس سال کا عرصہ تھا۔

امام ابن منذرؒ نے ابن جریجؒ سے روایت کی کہ فترۃ کا عرصہ پانچ سو سال تھا۔

امام ابن جریرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا کہ عیسیٰ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان کا زمانہ چار سو تیس سال سے کچھ اوپر تھا۔

صحیح زمانہ فترت تقریباً پونے چھ سو سال ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں تمام لوگوں کی نسبت ابن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں، انبیاء آپس میں علاتی بھائی ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان اور کوئی نبی نہیں ہے۔"[1]

سیدنا عیاض بن حمار مجاشعیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "بیشک میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں جن سے تم بے علم ہو، ان باتوں میں سے جو اس نے مجھے آج سکھلائی ہیں، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) میں نے اپنے بندوں کو جو مال عطا فرمایا ہے (جو شریعت میں حرام نہیں) وہ سب حلال ہے۔ میں نے اپنے سب بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے، مگر شیطانوں نے آکر انھیں ان کے دین سے گمراہ کر دیا، سو جن چیزوں کو میں نے

۱۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (واذکر فی الکتٰب مریم): ۳۴۴۲۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل عیسیٰ ابن مریم: ۲۳۶۵]

ان کے لیے حلال قرار دیا تھا، انھوں نے انھیں حرام ٹھہرالیا۔ شیطانوں ہی نے انھیں حکم دیا کہ میرے ساتھ شرک کریں، جبکہ میں نے اس کی کوئی سند نازل نہیں کی، پھر اللہ نے اہل زمین کی طرف دیکھا اور اہل کتاب کے چند لوگوں کے سوا تمام عرب وعجم سے ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میں نے آپ کو مبعوث کیا ہے، تاکہ آپ کو آزماؤں اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگوں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا، جسے آپ نیند اور بیداری ہر حالت میں پڑھیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو جلا دوں (یعنی انھیں قتل کر دوں)، میں نے عرض کی، اے میرے رب! وہ تو میرے سر کو کچل دیں گے اور اسے روٹی کی طرح بنا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ ان کو نکال دیں جیسے انھوں نے آپ کو نکالا، آپ ان کے خلاف جہاد کریں، ہم آپ کا ساتھ دیں گے، آپ ان کے خلاف خرچ کریں، ہم آپ پر خرچ کریں گے، آپ ایک لشکر بھیجیں ہم اس سے پانچ گنا بھیجیں گے اور جو آپ کے فرمان بردار ہیں، ان کو ساتھ لے کر ان سے جنگ کرو جو تمہارے نافرمان ہیں۔"[1]

فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَّنَذِيرٌ : اس آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت کا بنیادی مقصد بیان فرمایا ہے، یعنی عرصہ دراز سے کسی اولوالعزم پیغمبر کے نہ آنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام میں تغیر وتبدل اور تحریف سے ملت ابراہیم کو پاک کر کے لوگوں کو حق سے روشناس کرایا، تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے اور عذر کی گنجائش نہ رہے۔ ارشاد فرمایا: (رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا) [النساء:١٦٥] "ایسے رسول جو

۱۔ [مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار: ٢٨٦٥]

خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے، تاکہ لوگوں کے پاس رسولوں کے بعد اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہ جائے اور اللہ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔"

اور فرمایا: (يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۔ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا)[الاحزاب: ٤٥، ٤٦] "اے نبی! بیشک ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ کی طرف بلانے والا اس کے اذن سے اور روشنی کرنے والا چراغ۔"

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس صفت کے بارے میں پوچھا گیا جو توراۃ میں مذکور ہے تو انھوں نے کہا، اچھا! اللہ کی قسم! جو ان کی تعریف قرآن میں ہے اسی قسم کی بعض تعریفیں توراۃ میں بھی ہیں، جیسے ہے کہ اے نبی! بیشک ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور امیوں (ان پڑھوں) کا نگران بنا کر بھیجا ہے، تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے، میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے، (اور توراۃ میں یہ صفات بھی ہیں کہ) نہ تو وہ بدخلق ہے اور نہ بازاروں میں شور کرنے والا اور نہ وہ برائی کے بدلے میں برائی کرتا ہے، بلکہ درگزر اور مہربانی کرتا ہے۔ اللہ اسے ہرگز موت نہیں دے گا، یہاں تک کہ اس کے ذریعے سے ایک کج مذہب کو سیدھا کر دے، اس طرح کہ وہ (یقین کے ساتھ) لا الٰہ الا اللہ کہنے لگیں اور اس (ذات) کے ذریعہ سے وہ اندھی آنکھیں، بہرے کان اور غافل دل کھول دے گا۔ [1]

۱۔ [بخاری، کتاب البیوع، باب کراھیۃ السخب فی السوق: ۲۱۲۵]

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ ﴾

اور یاد کرو جب کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم کے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے فضل کو یاد کرو کہ اس نے تم میں نبی اٹھائے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ بخشا جو دنیا والوں میں سے کسی کو نہیں بخشا۔

ربطِ آیات: گزشتہ آیتوں میں اس عہد و میثاق کا ذکر تھا جو بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے بارے میں لیا گیا تھا۔ پھر ان کی عام عہد شکنی اور میثاق کی خلاف ورزی اور اس پر سزاؤں کا بیان تھا۔ ان آیتوں میں ان کی عہد شکنی کا ایک خاص واقعہ مذکور ہے۔

بنو اسرائیل کے انبیاء کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کتنی نعمتیں انعام فرمائیں وہ قوم فرعون کی غلامی کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون سے نجات دی' ان میں انبیاء کو مبعوث فرمایا' جو وحی سے ان کے پاس اللہ کے احکام لاتے اور ان کو غیب کی خبریں دیتے تھے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبوت کا معنی ہے وحی کے ذریعہ غیب کی خبریں بیان کرنا۔

اس آیت میں ایک نعمت یہ بیان فرمائی ہے' جب اللہ نے تم میں نبیوں کو بنایا۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفیؒ متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں نبیوں سے مراد ہیں حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت یوسف اور حضرت یعقوب (علیہم السلام)' کی تمام اولاد۔ جو ایک قول کے مطابق نبی ہیں اور ایک قول کے مطابق وہ ستر افراد جن کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے رب کے میقات کے لیے چنا تھا' ابن السائب اور مقاتلؒ نے کہا یہ نبی تھے۔ اور علامہ ماوردیؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ انبیاء ہیں جو اس کے بعد بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے۔ اور تحقق وقوع کے لیے ان کی بعثت کو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ تم میں نبیوں کو بنایا: اس سے مراد عام ہے۔ خواہ وہ انبیاء مقدم ہوں یا موخر اور کسی امت میں اتنے انبیاء مبعوث نہیں کیے گئے' جتنے انبیاء بنو اسرائیل میں مبعوث کیے گئے تھے۔ [1]

بنو اسرائیل کے ملوک (بادشاہوں) کا بیان

اس آیت میں بنو اسرائیل پر دوسری نعمت یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملوک (بادشاہ) بنایا۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم کو ایسا بنا دیا کہ تم اپنے معاملات کے مالک تھے اور تم پر کوئی غالب نہیں تھا جبکہ اس سے پہلے تم فرعون کے مملوک اور غلام تھے' اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے تم کو اس کی غلامی سے نجات دی۔ حسن بصری اور سدیؒ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے اہل' اپنی جان اور اپنے مال کا مالک تھا' وہ اس اعتبار سے ملوک تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب کسی شخص کے گھر میں کوئی انسان اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو سکے' تو وہ مالک (بادشاہ) ہے۔ امام مسلمؒ نے

۱۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۰۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے پوچھا کیا ہم فقراء اور مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ حضرت عبداللہ ؓ نے اس سے پوچھا کیا تمہاری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں: پھر پوچھا کیا تمہاری رہائش کے لیے گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا: تم اغنیاء میں سے ہو۔ اس نے کہا میرا ایک خادم بھی ہے۔ فرمایا: پھر تم بادشاہوں میں سے ہو۔ حضرت ابن عباس ؓ اور مجاہد ؒ نے کہا ان کو اس لیے ملوک فرمایا کیونکہ ان پر من وسلوی نازل ہوا۔ ایک پتھر سے ان کے لیے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ان پر بادل سایہ کرتا تھا۔ [1]

بنی اسرائیل پر انعام اور ان کی ناشکری

پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے وقت وہ وعدہ پورا کیا۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار سے خلاص کیا اور اس کو غرق کیا اور ان کو فرمایا کہ جہاد کرو عمالقہ سے، ملک شام فتح کرلو۔ پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بارہ شخص بارہ قبائل بنی اسرائیل پر سردار کئے تھے ان کو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لاویں وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں جو عمالقہ مسلط تھے ان کا زور و قوت بیان کیا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کو کہا کہ تم قوم کے سامنے ملک کی خوبی بیان کرو اور دشمن کی قوت کا ذکر مت کرو۔ ان میں سے دو شخص اس حکم پر رہے اور دس نے خلاف کیا۔ قوم نے سنا تو نامردی کرنے لگی اور چاہا کہ پھر الٹے مصر چلے جائیں۔ اس تقصیر کی وجہ سے چالیس برس فتح میں دیر لگی۔ اس قدر مدت جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے رہے۔ جب اس قرن کے لوگ مر چکے مگر وہ دو شخص کہ وہی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد خلیفہ ہوئے ان کے ہاتھ سے فتح ہوئی۔

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۸۳ مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

یعنی تمہارے جداعلی حضرت ابراہیمؑ سے لے کر آج تک کتنے نبی تم میں پیدا کئے مثلاً حضرت اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسف اور خود موسیٰ و ہارون (علیہ السلام) پھر ان کے بعد بھی یہی سلسلہ مدت دراز تک ان میں قائم رکھا۔ [1]

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کی کہ لفظ آیت واذ قال موسیٰ لقومہ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں نبی بنایا اور تم کو مالک بنایا لوگوں کی گردنوں کا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو بے شک اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

امام ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ آیت واذ قال موسیٰ لقومہ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا کے بارے میں فرمایا کہ ہم یہ بیان کرتے تھے بنی اسرائیل پہلے لوگ تھے کہ ان کے لیے خادم بنائے گئے بنو آدم میں سے اور دوسرے لوگوں کے مالک بنے۔

امام عبدالرزاقؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت وجعلکم ملوکا کہ ان کو خادموں کا مالک بنایا گیا۔ یعنی پہلے لوگ تھے جو خادموں کے مالک بنے۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت وجعلکم ملوکا کہ جب کوئی آدمی بنی اسرائیل میں سے بیوی خادم اور گھر رکھتا تو اس کو بادشاہ کہا جاتا تھا۔

امام عبدالرزاقؒ، عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ لفظ آیت وجعلکم ملوکا سے بیوی خادم اور گھر مراد ہے۔

امام الفریابیؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، حاکمؒ (اس کو صحیح بھی کہا) اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ابن

۱۔ (تفسیر مظہری)

عباسؓ سے روایت کیا ہے لفظ آیت اذ جعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکا کہ تم کو بیوی اور خادمہ کا مالک بنایا لفظ آیت واتکم مالم یوت احدا من العلمین اور عالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان کے دور میں تھے۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بنی اسرائیل میں سے جب کسی کے پاس خادم، سواری اور عورت ہوتی تو اس کو بادشاہ کہا جاتا۔

امام ابن جریر اور زبیر بن بکارؒ نے موفقیات سے زید بن اسلمؒ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس کے لیے گھر اور خادم ہو وہ بادشاہ ہے۔

امام ابوداؤدؒ نے مراسیل میں زید ابن اسلمؒ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس کے پاس گھر اور خادم ہو وہ بادشاہ ہے۔

امام ابوداؤدؒ نے مراسیل میں زید بن اسلمؒ سے روایت کہ ہے کہ لفظ آیت و جعلکم ملوکا کے بارے میں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بیوی گھر اور خادم (جس کے پاس ہو وہ بادشاہ ہے)۔

امام سعید بن منصور اور ابن جریرؒ نے عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت کی ہے کہ ان سے ایک آدمی نے سوال کیا کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں فرمایا کیا تیری بیوی نہیں جس کے پاس تو جاتا اس نے کہا ہاں بیوی ہے (پھر فرمایا) کیا تیرے پاس رہائش کی جگہ نہیں جس میں تو رہتا اس نے کہا ہاں۔ فرمایا پھر تو اغنیاء میں سے ہے اس نے کہا میرے لیے ایک خادم بھی ہے فرمایا پھر تو بادشاہوں میں سے ہے۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت و جعلکم ملوکا سے کیا مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے لیے بیویاں اور خادم اور گھر بنائے پھر فرمایا لفظ آیت واتکم مالم یوت احدا

من العلمین یعنی بندر تر نجبین پتھر اور بادل (سایہ کرتا تھا)۔

امام ابن جریرؒ نے حسنؒ سے روایت کیا لفظ آیت وجعلکم ملوکا جس سے مراد سواری خادم اور گھر ہے۔

امام ابن جریرؒ نے مجاہدؒ کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ لفظ آیت واتکم مالم یوت احدا من العلمین کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد ترنجبین اور بٹیریں (ان کو عطا فرمائیں جو کسی اور کو نہیں دی گئیں)۔

﴿ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ ﴾

اے میری قوم، (داخل ہو جاؤ تم شام و فلسطین کی) اس مقدس سرزمین میں، جس کو اللہ نے لکھ رکھا ہے تمہارے لئے، اور مت لوٹو تم الٹے پاؤں، کہ اس کے نتیجے میں تم

خسارے پانے والے ہوجاؤ۔(۲۱) وہ بولے کہ اے موسیٰ! اس (ملک) میں تو بڑے طاقتور لوگ رہتے ہیں، اور جب تک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو بیشک ہم اس میں داخل ہوجائیں گے۔(۲۲) دو آدمیوں نے کہا جو اللہ سے ڈرنے والے تھے اللہ نے ان پر انعام فرمایا تھا کہ تم لوگ ان پر دروازے سے داخل ہوجاؤ۔ سو جب تم اس میں داخل ہوں گے تو بلاشبہ تم غلبہ پانے والے ہوں گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔(۲۳)

ارض مقدس کا وعدہ اور بنی اسرائیل

سینا کے جس میدان میں اس وقت بنی اسرائیل موجود تھے یہ سرزمین فلسطین سے قریب تھا' اور ان کے باپ دادا حضرت ابراہیمؑ' اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) سے خدا کا وعدہ تھا کہ تمہاری اولاد کو پھر اس سرزمین کا مالک بنائیں گے اور وہ یہاں پھولے پھلے گی' لہٰذا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی معرفت خدا کا حکم ہوا کہ اپنی قوم سے کہو کہ ارض مقدس میں داخل ہوں اور وہاں کے جابر و ظالم حکمرانوں کو نکال کر عدل و انصاف کی زندگی بسر کریں' ہم وعدہ کرتے ہیں کہ فتح تمہاری ہوگی اور تمہارے ظالم دشمن ناکام ہوں گے' حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے پہلے کہ بنی اسرائیل کو ارض مقدس میں داخل ہونے کیلئے آمادہ کریں بارہ آدمیوں کو تفتیش حال کیلئے بھیجا' وہ فلسطین کے قریبی شہر اریحا میں داخل

ہوئے اور تمام حالات کو بغور دیکھا' جب واپس آئے تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بتایا کہ وہ بہت جسیم اور تن وتوش کے زبردست ہیں اور بہت قوی ہیکل ہیں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جس طرح تم نے مجھ سے ان کے متعلق کہا ہے قوم کے سامنے نہ کہنا اس لیے کہ عرصہ دراز کی غلامی نے ان کے حوصلے پست کر دیئے ہیں اور ان میں شجاعت' خودداری اور علو ہمت کی جگہ بزدلی' ذلت اور پستیٔ ہمت نے لے لی ہے' مگر آخر یہ بھی اسی قوم کے افراد تھے' نہ مانے اور خاموشی کے ساتھ قوم کے سامنے دشمن کی طاقت کا خوب بڑھا چڑھا کر ذکر کیا۔ البتہ صرف دو شخص یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا ؓ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور انھوں نے بنی اسرائیل سے ایسی کوئی بات نہ کہی کہ جس سے ان کی ہمت شکست ہو۔ اب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس بستی (اریحا) میں داخل ہو اور دشمن کا مقابلہ کر کے اس پر قابض ہو جاؤ خدا تمہارے ساتھ ہے: {وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ} (المائدۃ:۵ / ۲۰'۲۱) "اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا" اے قوم تم پر جو خدا کا احسان رہا ہے اس کو یاد کرو کہ اس نے تم میں نبی اور پیغمبر بنائے اور تم کو بادشاہ اور حکمران بنایا اور وہ کچھ دیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا۔ اے قوم اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کر دیا ہے اور پشت پھیر کر نہ لوٹو (کہ نتیجہ یہ نکلے) کہ تم خسارہ اور نقصان اٹھانے والے بن کر لوٹو۔" بنی اسرائیل نے یہ سن کر جواب دیا کہ اے موسیٰ وہاں تو بڑے ظالم لوگ بستے ہیں' ہم تو اس وقت تک اس بستی میں داخل نہ ہوں

گے۔ جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ افسوس بدبختوں نے یہ نہ سوچا کہ جب تک ہمت وشجاعت کے ساتھ تم ان کو یہاں سے نہ نکالو گے تو یہ ظالم خود کیسے نکل جائیں گے۔ یوشع اور کالبؓ نے جب یہ دیکھا تو قوم کو ہمت دلائی اور کہا: شہر کے پھاٹک سے گزر جانا کچھ مشکل نہیں ہے چلو اور ان کا مقابلہ کرو ہم کو پورا یقین ہے کہ تم ہی غالب رہو گے۔ {قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ} (المائدۃ: ۵ / ۲۳) "ان ڈرنے والوں میں سے دو ایسے آدمیوں نے جن پر خدا نے اپنا فضل وانعام کیا یہ کہا "تم ان جابروں پر دروازہ کی جانب سے داخل ہو جاؤ پس جس وقت تم داخل ہو جاؤ گے تم بلاشبہ غالب رہو گے اور (یہ بھی کہا) اللہ پر ہی بھروسہ رکھو اگر تم ایمان والے ہو۔" لیکن بنی اسرائیل پر اس بات کا بھی مطلق اثر نہ ہوا اور وہ بدستور اپنے انکار پر قائم رہے اور جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے زیادہ زور دیا تو اپنے انکار پر اصرار کرتے ہوئے کہنے لگے: {قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ} (المائدہ: ۵ / ۲۴) "انھوں نے کہا کہ "اے موسیٰ ہم کبھی اس شہر میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں، پس تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور ان سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (یعنی تماشہ دیکھیں گے)" حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جب یہ ذلیل اور بے ہودہ جواب سنا تو بہت افسردہ خاطر ہوئے اور انتہائی رنج و ملال کے ساتھ درگاہ الٰہی میں عرض کیا بار اے اللہ میں اپنے اور ہارون کے سوا کسی پر قابو نہیں رکھتا سو ہم دونوں حاضر ہیں، اب تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی کر دے، یہ تو سخت نااہل ہیں، اللہ نے حضرت موسیٰ پر وحی نازل فرمائی: موسیٰ تم غمگین نہ ہو ان کی

نافرمانی کا تم پر کوئی بار نہیں' اب ہم نے ان کیلئے یہ سزا مقرر کر دی ہے کہ یہ چالیس سال اسی میدان میں بھٹکتے پھریں گے اور ان کو ارض مقدس میں جانا نصیب نہ ہوگا' ہم نے ان پر ارض مقدس کو حرام کر دیا ہے :{ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیۡهِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَةً یَتِیۡهُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ }(المائدہ:۵ /۲۵'۲۶)"(موسیٰؑ نے) کہا اے پروردگار میں اپنے اور اپنے بھائی کے ماسوا کسی کا مالک نہیں ہوں' لہٰذا تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان تفریق کر دے (اللہ تعالیٰ نے) کہا بلاشبہ ان پر ارض مقدس کا داخلہ چالیس سال تک حرام کر دیا گیا' اس مدت میں یہ اسی میدان میں بھٹکتے پھریں گے پس تو نافرمان قوم پر غم نہ کھا اور افسوس نہ کر۔" وادی سینا کو "تیہ" اس لیے کہتے ہیں کہ قرآن عزیز نے بنی اسرائیل کیلئے کہا ہے:

یَتِیۡهُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ (مائدہ ۵ /۲۶) "یہ اس زمین میں بھٹکتے پھریں گے" جب کوئی شخص راہ سے بھٹک جائے تو عربی میں کہتے ہیں تَاہَ فُلَانٌ۔ توراۃ میں اس واقعہ کی تفصیلات اگرچہ اس انداز میں مذکور نہیں ہیں تاہم "گنتی باب ۱۴" میں بنی اسرائیل کے ارض مقدس میں داخلہ سے انکار' اس پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی ناراضی اور پھر چالیس سال تک ان پر ارض مقدس کے داخلہ کا حرام ہو جانا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مدت کے اندر اندر بنی اسرائیل کے وہ تمام افراد مر جائیں گے جنہوں نے خدا کے حکم کے خلاف ارض مقدس کے داخلہ سے انکار کیا ہے اور ان کے بعد نئی نسل کو داخلہ کی اجازت ہوگی جو کالب اور یوشعؑ کی سرکردگی میں دشمنوں کو پامال کر کے پاک زمین میں داخل ہوں گے نیز یہ کہ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ (علیہما

السلام) کا بھی اس وقت انتقال ہو چکا ہوگا: "پھر خداوند نے موسیٰ اور ہارون ؑ کو خطاب کر کے فرمایا: میں کب تک اس خبیث گروہ کے مقابل جو میری شکایت کرتا ہے صبر کروں؟ بنی اسرائیل جو میرے برخلاف شکایتیں کرتے ہیں میں نے ان کی شکایتیں سنیں' ان سے کہہ' خداوند کہتا ہے' مجھے اپنی حیات کی قسم جیسا تم نے مجھے سنا کے کہا ہے میں تم سے ویسا ہی کروں گا' تمہاری لاشیں اور ان سب کی جو تم میں شمار کئے گئے ان کے کل جمع کے مطابق بیس برس والے سے لے کر اوپر والے تک جنہوں نے میری شکایتیں کیں اس بیابان میں گریں گی' تم بیشک اس زمین تک نہ پہنچو گے جس کی بابت میں نے قسم کھائی ہے کہ تمہیں وہاں بساؤں گا' سوا یوفنہ کے بیٹے کالب اور نون کے بیٹے یشوع اور تمہارے لڑکوں کو جن کے حق میں تم کہتے ہو کہ وہ لوٹ جائیں گے میں ان کو داخل کروں گا' اس زمین کی قدر کو جسے تم نے ذلیل جانا وہ پہچانیں گے' پر تم جو ہو تمہاری لاشیں اس بیابان ہی میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک بھٹکتے پھریں گے اور تمہاری برگشتگی کے اٹھانے والے ہوں گے جب تک کہ تمہاری لاشیں اس دشت میں نیست و نابود نہ ہوں' ان دنوں کے شمار کے مطابق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے' جو چالیس دن ہیں دن پیچھے ایک سال ہوگا سو تم چالیس برس تک اپنے گناہ کو اٹھائے رہو گے' تب تم میری عہد شکنی کو جان لو گے۔"[1]

اس جگہ یہ شبہ پیدا نہ کرنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کو بھی اسی میدان میں رہنا پڑا اور وہ بھی ارض مقدس میں داخل نہ ہو سکے' اس لیے کہ جب بنی اسرائیل کے اس پورے قافلہ پر ارض مقدس کو حرام کر دیا گیا تو اب ضروری تھا کہ ان کی رشد و ہدایت کیلئے خدا کا پیغمبر ان میں موجود رہے تا کہ کچھ

۱۔ (گنتی باب ۱۴ آیات ۲۶۔۳۵)

یہ بوڑھے بھی راہ حق پر قائم رہیں اور نئی نسل میں وہ استعداد پیدا ہو جس کے ذریعہ وہ ارض مقدس میں داخل ہو کر خدا کے حکم کو پورا کریں۔

جبارین کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو انھوں نے انکار کر دیا اور اس کی یہ وجہ بیان کی اس جگہ جبارین رہتے ہیں' جن سے ہم لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کو جبارین اس لیے کہا: کہ ان کے جسم بہت بڑے بڑے تھے۔ اصل میں جبار اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اور دوسروں کے معاملات کی اصلاح کرنے والا ہو۔ پھر اس کے استعمال میں وسعت ہوئی اور ہر اس شخص کو جبار کہا جانے لگا جو زور اور طاقت سے نفع حاصل کرے' خواہ وہ اس کا حق ہو یا نہ ہو۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہؒ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو جبارین کے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ ؑ روانہ ہوئے' حتیٰ کہ اس شہر کے قریب پہنچ گئے' اس شہر کا نام اریحا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے بنو اسرائیل کے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی کو چن لیا اور ان بارہ آدمیوں کو جبارین کی جاسوسی کے لیے ان کے شہر بھیجا' جب وہ لوگ اس شہر میں داخل ہوئے تو انھوں نے غیر معمولی جسامت والے انسان دیکھے۔ وہ ان میں سے کسی کے باغ میں داخل ہوئے۔ انھوں نے دیکھا: کہ باغ والا' اپنے باغ سے پھل توڑ رہا ہے' اس نے ان جاسوسوں کو دیکھ لیا۔ اس نے ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر اپنی آستین سے نکال کر ان کو زمین پر ڈال دیا' بادشاہ نے ان سے کہا: تم نے ہماری جسامت اور

طاقت کا حال دیکھ لیا ہے' جاؤ جا کر اپنے سردار کو مطلع کر دو۔ [1]

ابن اسحاق ؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا تھا' کہ ہم اس زمین میں داخل ہوں گے اور ان لوگوں پر غالب ہوں گے۔ پھر ان جاسوسوں نے آ کر بیان کیا کہ ان جبارین کے بہت بڑے بڑے جسم ہیں اور وہ بہت زور والے ہیں' ہم تو ان کی نظروں میں ٹڈوں کی طرح ہیں' یہ سن کر بنو اسرائیل آہ و بکا کرنے لگے۔ افسوس! ہم یہاں آ گئے، کاش! ہم مصر ہی میں رہتے اور انھوں نے جبارین کے ساتھ لڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ [2]

امام ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کی کہ لفظ آیت الارض المقدسۃ سے مراد ہے برکت والی۔

امام ابن منذرؒ نے معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ وہ زمین جو عریش کے درمیان سے لے کر فرات تک ہے۔

امام عبدالرزاق اور عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کی کہ لفظ آیت الارض المقدسۃ سے شام کی (کی زمین) مراد ہے۔

امام ابن جریرؒ نے سدیؒ سے روایت کی کہ لفظ آیت التی کتب اللہ لکم یعنی اللہ تعالیٰ تم کو اس کا حکم فرماتے ہیں۔

امام عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم اس طرح دیا جس طرح ان کو زکوۃ کا حج کا اور عمرہ کا حکم دیا۔

امام ابن جریر اور ابن منذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کی کہ انھوں نے لفظ آیت ان فیھا قوما جبارین کے

۱۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۲۳۸۔۲۳۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

۲۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۲۳۹' مطبوعہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

بارے میں فرمایا کہ ہم کو یہ بات ذکر کی گئی کہ ان کے ایسے جسم اور ایسی صورتیں تھیں کہ ان کے علاوہ کسی کی نہیں تھیں۔

امام عبدالرزاق اور عبد بن حمیدؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ آیت قالوا یموسیٰ ان فیھا قوما جبارین کے بارے میں فرمایا کہ ہم سے زیادہ لمبے تھے جسم کے لحاظ سے اور سخت قوت والے تھے۔

امام ابن عبدالحکمؒ نے فتوح مصر میں ابوضمرہؒ سے روایت کیا موسیٰ کی قوم سے ستر آدمیوں نے عمالیق میں سے ایک آدمی کے موزوں کے نیچے سایہ حاصل کیا۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے انس بن مالکؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے ایک لاٹھی لی اور اس میں سے کسی چیز کو ناپا پھر زمین میں اندازہ لگایا پچاس یا پچپن (ذراع) کا پھر فرمایا اس طرح عمالیق لمبے تھے۔

امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ موسیٰؑ کو جبارین کے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ چل دیئے اس طرح پر کہ یہاں تک کہ شہر سے قریب اترے اور وہ شہر اریحا تھا۔ ان کی طرف بارہ لوگوں کو بھیجا ہر قبیلہ میں سے ایک آدمی روانہ کیا تا کہ وہ اس قوم کی خبر کے آئیں وہ شہر میں داخل ہوئے تو عمالقہ کی ہیئت جسم اور عظمت کا عجیب معاملہ دیکھا۔ ان کے ایک باغ میں داخل ہو گئے۔ باغ والا آیا تا کہ وہ اپنے باغ کے پھل کو جمع کرنا شروع کرے۔ ان لوگوں کے نشانات اس نے دیکھے تو ان کے پیچھے لگ گیا ان میں سے جب بھی کسی کو پایا تو اس کو پکڑ لیا اور اس کو اپنی آستین کے ساتھ پھل کے ساتھ رکھ لیا اور ان کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گیا اور اس کے سامنے ان کو پھینک دیا۔ بادشاہ نے کہا تم نے ہمارے شان و شوکت اور ہمارے معاملہ کو دیکھ لیا تم چلے جاؤ اپنے صاحب کو جا کر بتا دو یہ لوگ موسیٰ کی طرف لوٹے اور ان کے معاملے میں جو کچھ دیکھا تھا وہ ان کو بتا دیا۔

موسیٰ ؑ نے فرمایا اس حل کو ہم سے چھپائے رکھو۔ ایک آدمی نے اپنے والد کو اپنے دوست کو بتانا شروع کیا اور کہتا تھا کہ میری طرف سے چھپائے رکھو۔ مگر یہ بات ان کے لشکر میں پھیل گئی۔ اور ان میں کسی نے نہیں چھپایا مگر دو آدمیوں نے یوشع بن نون اور کالب بن یوحنا ؓ نے اور یہ وہی دو حضرات ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت قال رجلن من الذین یخافون جبارین کے شہر میں داخلہ امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم ؒ نے ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے لفظ آیت ادخلوا الارض المقدسۃ کے بارے میں فرمایا کہ یہ جبارین کا شہر ہے جب موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم وہاں پہنچی تو ان میں سے بارہ آدمیوں کو بھیجا اور یہی وہ لقب تھے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تا کہ یہ ان کی خبر لے آئیں۔ یہ لوگ چلے اور جبارین میں سے ایک آدمی سے ملے اس نے ان سب کو اپنے کپڑے میں اٹھا لیا۔ ان کو اٹھا کر شہر میں لے آیا۔ اور اپنی قوم میں گرائے اس پر وہ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ان لوگوں نے کہا تم کون ہو انھوں نے کہا ہم موسیٰ ؑ کی قوم میں سے ہیں ہم کو تمہاری خبر لینے کے لیے بھیجا ہے انھوں نے ان کو انگور میں سے ایک دانہ دیا۔ جو ایک آدمی کو کافی ہو گیا۔ اور انھوں نے ان سے کہا موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کے پاس جاؤ اور ان سے کہنا ان کے پھلوں کا اندازہ کر لو۔ جب وہ لوگ آئے تو کہنے لگے اے موسیٰ لفظ آیت فاذھب انت وربک فقاتلا انا قعدون (المائدہ ٢٤) اور کہا لفظ آیت قال رجلن من الذین یخافون انعم اللہ علیھما جو لوگ ان میں خوف خدا رکھتے تھے۔ دونوں شہر کے لوگوں میں سے تھے جو اسلام لا چکے تھے۔ اور انھوں نے موسیٰ کی تابعداری کی تھی۔ انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا لفظ آیت ادخلوا علیھم الباب فاذا دخلتموہ فانکم غلبون (تم ان پر دروازہ سے داخل ہو جاؤ جب تم ان پر داخل ہو گئے تو تم غالب ہو جاؤ)۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت قال رجلن سے مراد یوشع بن نون اور کالب ہیں۔ امام عبد بن حمیدؒ نے عطیہ عوفیؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت قال رجلن میں رجلان سے مراد کالب اور یوشع بن النونؓ تھے موسیٰؑ کے نوجوان ساتھی تھے۔

امام عبدالرزاقؒ، عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابی منذر و قتادہؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے لفظ آیت من الذین یخافون انعم اللہ علیھما کے بارے میں فرمایا کہ بعض قرأت میں لفظ آیت یخافون انعم اللہ علیھما

امام ابن جریرؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا کہ وہ اس کو یوں پڑھتے تھے لفظ آیت یخافون یاء کہ ضمہ کے ساتھ۔

امام ابن منذرؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کی کہ یہ دونوں دشمن قوم میں سے تھے پھر وہ بعد میں موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھی بن گئے۔

امام حاکمؒ نے (اس کو صحیح بھی کہا) ابن عباسؓ سے روایت کی کہ لفظ آیت رجلن من الذین یخافون یاء کے رفع کے ساتھ ہے۔

عبد بن حمیدؒ نے عاصمؒ سے روایت کی وہ اس کو یوں پڑھتے تھے لفظ آیت من الذین یخافون یاء کے نصب کے ساتھ لفظ آیت یخافون میں۔

امام ابن جریرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کی لفظ آیت قال رجلن من الذین یخافون انعم اللہ علیھما یعنی انعام فرمایا ساتھ ہدایت کے پس دونوں ہدایت والے ہو گئے۔ دونوں دین موسیٰ پر تھے اور دونوں جبارین کے شہر میں رہتے تھے۔

امام ابن جریرؒ نے سہل بن علیؒ سے روایت کی کہ لفظ آیت قال رجلن من الذین یخافون انعم اللہ علیھما سے

مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خوف کے ساتھ انعام کیا۔

امام عبد بن حمیدؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے لفظ آیت قال رجلن من الذین یخافون انعم اللہ علیھما کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں نصیبوں میں سے تھے۔ اور دوسرا قول لفظ آیت ادخلوا علیھم الباب کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ جبارین کی بستی ہے۔

﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ ﴾

وہ بولے کہ اے موسیٰ! ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے، جب تک وہ اس میں موجود ہیں۔ تو تم اور تمہارا خداوند جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ: جب موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کے لیے کہا اور فرمایا کہ اللہ کے وعدے اور بشارت کے مطابق تمہارے داخل ہونے کی دیر ہے کہ دشمن بھاگ جائے گا، تو انھوں نے حد سے بڑھا ہوا گستاخانہ جملہ کہا: "جا تو اور تیرا رب لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔" اس کے برعکس بدر کے موقع پر دشمن سے اچانک آمنا سامنا ہونے کے باوجود اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کمال عزم و ہمت اور شجاعت و استقامت کا مظاہرہ کیا۔

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے لیے روانہ ہوتے وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مسلمانوں سے مشورہ لیا تو ابوبکرؓ نے مشورہ دیا، پھر حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم) نے پھر مشورہ طلب کیا تو انصاری کہنے لگے کہ اے گروہ انصار! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا روئے سخن تمہاری طرف ہے تو انصار نے کہا کہ اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا روئے سخن ہماری طرف ہے تو ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا: (فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ) "سو تو اور تیرا رب جاؤ، پس دونوں لڑو، بیشک ہم یہیں بیٹھنے والے ہیں" اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ برک غماد تک بھی جانے کا حکم دیں گے تو ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا مقدادؓ نے بدر کے دن عرض کی، اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا تھا: (فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ) "سو تو اور تیرا رب جاؤ، پس دونوں لڑو، بیشک ہم یہیں بیٹھنے والے ہیں" نہیں آپ چلیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا چہرہ فرط مسرت سے جگمگا اٹھا۔ [2]

امام احمد النسائی اور ابن حبانؒ نے انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب بدر کی طرف چلے تو مسلمانوں سے مشورہ فرمایا اس میں عمرؓ نے اشارہ کیا پھر ان سے مشورہ طلب کیا تو انصار سے کہا اے انصار کی جماعت کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاص کر تمہارا ارادہ رکھتے ہیں

---

[1]۔[مسند أحمد: ۳/۱۸۸، ح: ۱۲۹۵۹۔ السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: (قالوا یا موسیٰ إنا لن ندخلها أبدًا): ۱۱۴۱۔ ابن حبان: ۴۷۳۱]

[2]۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (فاذهب أنت وربک فقاتلا إنا ههنا قاعدون) ۴۶۰۹]

(کہ تمہاری کیا رائے ہے) اس پر انصار نے کہا کہ ہم ایسا نہیں کریں گے جیسا بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا تھا لفظ آیت فاذھب انت وربک فقا تلا انا ھھنا قعدون اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر ان کے جگر کے ٹکڑوں کو برک الغماد تک لے جائیں ہم آپ کی اتباع کریں گے۔

امام احمد اور ابن مردویہؒ نے عتبہ بن عبد السلمیؒ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ تم جہاد نہیں کرو گے؟ سب نے کہا کیوں نہیں اور ہم ایسا نہیں کریں گے جیسے کہ بنو اسرائیل نے موسیٰ کو کہا تھا لفظ آیت فاذھب انت وربک فقا تلا انا ھھنا قعدون لیکن آپ اور آپ کا رب جا کر لڑنے لگیں ہم آپ کے ساتھ لڑنے والے ہوں گے۔

موسیٰ (علیہ السلام) سے بے وفائی کا ذکر

امام احمدؒ نے طارق بن شہابؒ سے روایت کیا اور انھوں نے مقدارؓ سے روایت کیا کہ انھوں نے بدر کے دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا یا رسول اللہ! ہم ایسا نہیں کریں گے جیسے بنو اسرائیل نے موسیٰ سے کہا تھا لفظ آیت فاذھب انت وربک فقا تلا انا ھھنا قعدون لیکن آپ اور آپ کا رب جا کر لڑے لیکن ہم آپ کے ساتھ لڑنے والے ہوں گے۔ اگر میں اس کے مقام پر ہوتا۔

امام بخاریؒ، الحاکمؒ، ابو نعیم اور بیہقیؒ نے دلائل میں ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ مقداد بن اسودؓ اپنے محبوب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ آپ مشرکین کے خلاف بلا رہے تھے۔ تو انھوں نے فرمایا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! ہم ایسا نہیں کہیں گے جیسے بنو اسرائیل نے موسیٰ سے کہا تھا لفظ آیت فاذھب انت وربک فقا تلا انا ھھنا قعدون لیکن ہم لڑیں گے آپ کی دائیں طرف سے آپ کی بائیں طرف سے، آپ کے آگے سے، آپ کے پیچھے سے، میں نے

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو اس بات سے چمک اٹھا اور آپ اس بات سے خوش ہو رہے تھے۔

امام ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ بات ذکر کی گئی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا حدیبیہ کے دن جب مشرکین نے ہدی کے جانوروں کو روک دیا تھا اور ان کے بعد ان کو عمرہ کی ادائیگی کے درمیان حائل ہو گئے تھے کہ میں اپنی ہدی کو لے جاؤں گا۔ اور اس کو بیت اللہ کے پاس ذبح کروں گا۔ مقداد بن اسودؓ نے فرمایا اللہ کی قسم ہم بنی اسرائیل کی جماعت کی طرح نہیں ہوں گے جب انھوں نے اپنے نبیوں سے کہا تھا کہ لفظ آیت فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قعدون۔

﴿ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ ﴾

فرمایا: بیشک ان پر چالیس سال تک وہ زمین حرام کر دی ہے زمین میں سر مارتے پھریں گے، پس آپ ان نافرمان لوگوں پر غم نہ کرنا۔

میدان تیہ میں بنو اسرائیل کا بھٹکنا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعا قبول فرمائی اور ان نافرمان یہودیوں کو چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکنے کی سزا دی۔ تیہ کا لغوی معنی ہے حیرت، وہ میدان چھ فرسخ کا تھا، یعنی اٹھارہ شرعی میل

اور ستائیس انگریزی میل کا۔ وہ دن رات چلتے رہتے تھے' لیکن اس میدان کو قطع نہیں کر پاتے تھے' وہ صبح کو جہاں سے چلنا شروع کرتے' شام کو پھر وہیں پہنچ جاتے تھے اور شام کو جہاں سے چلتے تھے' صبح وہیں پہنچ جاتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) ان کے ساتھ تھے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں تھے' کیونکہ میدان تیہ میں ہونا ان کے لیے سزا تھا۔ انھوں نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی' تو ایک دن کے مقابلہ میں ایک سال ان کی سزا مقرر کی گئی' اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے یہ دعا کی تھی کہ ہم میں اور ان فاسقوں میں فیصلہ یا علیحدگی کر دے۔ اس کا بھی تقاضا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہ ہوتے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ امر آسان کر دیا تھا' جیسے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر آگ ٹھنڈی کر دی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ میں داخلہ کو ان لوگوں پر حرام کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ لوگ ارض مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکے۔ البتہ ان کی اولاد داخل ہوئی اور یوشع اور کالبؓ داخل ہوئے' کیونکہ انھوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تھا' اور وہ جبارین سے جنگ کے لیے تیار تھے۔ حضرت یوشعؑ ان کی اولاد کو ساتھ لے کر ارض مقدسہ میں داخل ہوئے اور اس کو فتح کر لیا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بیس سال سے زیادہ عمر کا جو شخص بھی میدان تیہ میں داخل ہوا' وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت ہارونؑ بھی تیہ میں فوت ہو گئے۔ پہلے حضرت ہارونؑ فوت

ہوئے' حضرت یوشع ان یہودیوں کی اولاد کے ساتھ ارض مقدسہ پر حملہ آور ہوئے' جبارین سے مقابلہ کیا اور اس شہر کو فتح کر لیا۔ [1]

حضرت یوشع ؑ کے لیے سورج کو ٹھہرانا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی ؒ متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون ؑ کو نبوت عطا کی اور ان کو جبارین سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اسی مقابلہ میں سورج کو ٹھہرا دیا گیا' حتی کہ وہ شہر میں داخل ہو گئے اور اسی جنگ کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص کی خیانت کی وجہ سے آگ نے مال غنیمت کو نہیں جلایا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس حدیث میں ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ٢٦١ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: انبیاء (سابقین) میں سے ایک نبی نے جہاد کیا اور اپنی قوم سے یہ کہا کہ جس شخص نے ابھی نکاح کیا ہو اور اس نے ہنوز شب زفاف نہ گزاری ہو اور وہ یہ عمل کرنا چاہتا ہو' وہ میرے ساتھ نہ جائے' اور نہ وہ شخص جائے جس نے مکان بنایا ہو اور اس نے ہنوز چھت بلند نہ کی ہو' اور نہ وہ شخص جائے جس نے بکریاں اور گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ دینے کا منتظر ہو۔ پھر اس نبی (علیہ السلام) نے جہاد کیا اور عصر کی نماز کے وقت' یا اس کے قریب وہ ایک دیہات میں پہنچے تو انھوں نے سورج سے کہا: تم بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہو' اور میں بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہوں۔ اے اللہ! اس سورج کو تھوڑی دیر میرے خاطر روک دے' پھر سورج روک دیا گیا' حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کی۔ آپ نے فرمایا پھر انھوں نے مال غنیمت جمع

---

[1] (جامع البیان' جز ٣ ص ٢٤٩' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤١٥ھ)

کیا' پھر اس مال کو کھانے کے لیے ایک آگ آئی' لیکن اس نے مال کو نہ کھایا۔ اس نبی نے فرمایا تم میں سے کسی شخص نے خیانت کی ہے' سو ہر قبیلہ کا ایک شخص مجھ سے بیعت کرے' پھر سب نے بیعت کی اور ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ نبی نے فرمایا خیانت کرنے والا تمہارے قبیلہ میں ہے۔ لہٰذا اب تمہارا پورا قبیلہ میری بیعت کرے' انھوں نے بیعت کی' آپ نے فرمایا پھر دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ پیغمبر کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ نبی نے فرمایا تمہارے اندر خیانت ہے۔ بالاخر وہ گائے کے سر کے برابر سونا نکال کر لائے۔ نبی نے فرمایا اس کو مال غنیمت میں اونچی جگہ پر رکھ دو۔ پھر آگ نے آ کر اس مال کو کھالیا (آپ نے فرمایا) سو ہم سے پہلے کسی کے لیے بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعف اور عجز دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔ [1]

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سورج کو لوٹانا

اس حدیث میں حضرت یوشع بن نونؑ کے لیے غروب سے پہلے سورج کے ٹھہرانے کا ذکر ہے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے غروب کے بعد سورج کو لوٹا دیا تھا۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت عمیسؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف وحی کی جا رہی تھی اور ان کا سر حضرت علیؓ کی گود میں تھا۔ حضرت علیؓ نے نماز نہیں پڑھی' حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا کی: اے اللہ! بیشک علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں مشغول تھے' تو ان پر سورج لوٹا دے۔ حضرت اسماءؓ نے کہا: میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا

۱۔ (صحیح مسلم' ج ۳ رقم الحدیث: ۱۷۴۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

تھا اور پھر غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو گیا۔ [1]

امام ابو جعفر طحاوی ؒ متوفی ۳۲۱ ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ہے۔ کیونکہ حضرت علی ؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وجہ سے اپنے آپ کو پابند رکھا۔ اس لیے آپ نے ان کے لیے سورج لوٹانے کی دعا کی۔ اس سے نماز عصر کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے۔ [2]

علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی ؒ متوفی ۹۰۲ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے متعلق امام احمد ؒ نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ ابن الجوزی ؒ نے ان کی پیروی کر کے اس حدیث کو موضوعات میں درج کیا ہے۔ لیکن امام طحاوی اور صاحب الشفاء ؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن مندہ اور امام ابن شاہین ؒ نے اس کو اسماء بنت عمیس ؓ سے روایت کیا ہے' اور امام ابن مردویہ ؒ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس دن سورج کو لوٹایا' جس دن آپ نے اس قافلہ کے آنے کی خبر دی تھی۔ جس کو آپ نے شب معراج دیکھا تھا' اس روز دن غروب ہو رہا تھا اور ابھی تک قافلہ نہیں آیا تھا تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ایک ساعت سورج کو روک دیا گیا۔ (الخ)۔ [3]

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی ؒ متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں

۱۔ (المعجم الکبیر' ج ۲۴' رقم الحدیث: ۳۹۰' ص ۱۵۲۔۱۵۰' مشکل الآثار للطحاوی' ج ۴' رقم الحدیث: ۳۸۵۰' ص ۳۶۸' مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷' ص ۳۷۸' سبل الھدی والرشاد' ج ۹' ص ۴۳۹۔۴۳۵' التذکرہ' ص ۱۷' شرح مشکل الآثار للطحاوی' ج ۳' رقم الحدیث: ۱۰۶۷۔۱۰۶۸)

۲۔ (شرح مشکل الاثار' ج ۳' ص ۹۸۔۹۷' مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت)

۳۔ (المقاصد الحسنہ' ص ۲۳۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ابن اسحاق ؒ کی مغازی میں ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ نے ان کا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آجائے گا' پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' حتیٰ کہ قافلہ آنے تک سورج ٹھہرا رہا۔ یہ حدیث منقطع ہے' لیکن امام طبرانی ؒ کی اوسط میں حضرت جابر ؓ سے یہ روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سورج کو حکم دیا تو وہ کچھ دیر متاخر ہو گیا۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور مسند احمد میں جو روایت ہے کہ حضرت یوشع ؑ کے سوا اور کسی کے لیے سورج نہیں ٹھہرایا گیا' اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اور کسی کے لیے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ حضرت یوشع کے بعد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے سورج ٹھہرایا گیا ہو اور امام طحاوی ؒ' امام طبرانی ؒ' امام حاکم' اور امام بیہقی ؒ نے حضرت اسماء بنت عمیس ؓ سے یہ روایت کیا ہے جب حضرت علی ؓ کے زانو پر سر رکھ کر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سو گئے اور حضرت علی ؓ کی نماز عصر فوت ہو گئی' تو سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی ؓ نے نماز پڑھ لی' اور اس کے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپکا بہت عظیم معجزہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ابن جوزی اور ابن تیمیہ ؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے میں خطا کی ہے۔ واللہ اعلم۔

البتہ قاضی عیاض ؒ نے جو یہ نقل کیا ہے کہ یوم خندق کو بھی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا' حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ آپ کے لیے رد شمس کا تیسرا واقعہ ہے۔ [1]

علامہ بدرالدین عینی ؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ابن جوزی ؒ کا رد کیا ہے۔ [2]

۱۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۲۔۲۲۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور ۱۴۰۱ھ)

۲۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۴۳' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر ۱۳۴۸ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری ؒ متوفی ۱۰۱٤ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن الجوزی ؒ نے ابن عقدہ کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع لکھا ہے کیونکہ وہ رافضی تھا اور صحابہ کو برا کہتا تھا۔ ملا علی قاری ؒ فرماتے ہیں کہ محض کسی راوی کے رافضی یا خارجی ہونے کی وجہ سے اس کی روایت کے موضوع ہونے کا یقین کر لینا صحیح نہیں ہے' جبکہ وہ اپنے دین کے لحاظ سے ثقہ ہو اور غالبا اسی وجہ سے امام طحاوی ؒ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اصل چیز راوی کی عدالت ہے۔ (۱)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی ؒ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں

خاتم الحفاظ حافظ سیوطی اور علامہ سخاوی ؒ نے کہا ہے کہ ابن الجوزی ؒ کی کتاب الموضوعات کا اکثر حصہ مردود ہے' حتی کہ انھوں نے بکثرت احادیث صحیحہ کو بھی موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ امام ابن الصلاح نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی متعدد اسانید ہیں' جو اس کی صحت اور صدق پر شاہد ہیں' اور ان سے پہلے بکثرت ائمہ حدیث نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلا امام طحاوی' و امام ابن شاھین اور امام ابن مندہ ؒ اور انھوں نے اس کو اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اور امام طبرانی ؒ نے اس کو اپنی معجم میں روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے۔ (۲)

امام طبرانی ؒ نے اس حدیث کو کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ ھیثمی ؒ متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے امام طبرانی ؒ نے معجم اوسط میں حضرت جابر ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے

۱۔ (شرح الشفاء علی ھامش نسیم الریاض' ج ۳ ص ۱۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

۲۔ (نسیم الریاض' ج ۳' ص ۱۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت)

سورج کو ٹھہرنے کا حکم دیا' تو وہ ایک ساعت ٹھہر گیا۔ [1]

امام ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فانھا محرمۃ علیھم یعنی یہ شہروں پر پیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کا یہ قول لفظ آیت یتیھون فی الارض سے مراد کہ وہ چالیس سال تک اس صحراء میں بھٹکتے رہے۔

امام ابن جریر اور ابن منذرؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ان پر بستیاں حرام کر دی گئیں تھیں۔ وہ کسی بستی میں نہیں جا سکتے تھے اور نہ اس پر قدرت رکھتے تھے۔ کنوؤں کے اردگرد چالیس سال تک پھرتے رہے اور اطوار سے مراد ہیں اور ہم کو یہ بات بتائی گئی کہ موسیٰؑ چالیس سال میں وفات پا گئے اور ان میں سے کوئی بھی بیت المقدس میں داخل نہیں ہوا۔ مگر ان کی اولادیں اور وہ دونوں آدمی جنہوں نے (داخل ہونے کے لئے) کہا تھا۔

امام ابن جریرؒ نے ربیع بن انسؒ سے روایت کیا کہ ان پر تیہ کے میدان میں بادل سایہ کرتے تھے۔ پانچ یا چھ فرسخ تک جب صبح کو چلتے تھے تو شام کو (اس جگہ) لوٹ آتے تھے۔ اور جب بھی شام کو چلتے تھے تو اپنی جگہ پر لوٹ آتے تھے جہاں سے چلے تھے۔ اسی طرح چالیس سال ہو گئے۔ ان پر ترنجبین اور بٹیر نازل کئے گئے۔ ان کا کپڑا پرانا نہ ہوتا تھا اور طور پہاڑ کے پتھروں میں سے ایک پتھر تھا۔ جس کو اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے تھے۔ جب وہ کہیں بیٹھتے تھے تو موسیٰ (علیہ السلام) اپنی لاٹھی سے اس کو مارتے تھے تو اس میں بارہ چشمے پھوٹ پڑھتے تھے۔

۱۔۔(المعجم الاوسط' ج ۵' رقم الحدیث: ۴۰۵۱) اس حدیث کی سند حسن ہے اور ایک حدیث کی سند صحیح ہے۔ وہ ابراہیم بن حسن سے مروی ہے اور وہ ثقہ راوی ہے۔ امام ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (ہم نے اس روایت کو درج کیا ہے) (المعجم الکبیر' ج ۲۴' رقم الحدیث: ۳۹۰' مجمع الزوائد' ج ۸' ص ۲۹۷۔۲۹۶' مطبوعہ الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ان کے کپڑے میدان تیہ میں نہ پرانے ہوتے تھے اور نہ پھٹتے تھے۔

عبدالرزاقؒ، عبد بن حمید اور ابن منذرؒ نے طاؤسؒ سے روایت کیا کہ بنو اسرائیل جب اپنے تیہ کے میدان میں تھے تو ان کے کپڑے اس طرح بڑھتے تھے جس طرح وہ جوان ہوتے۔

موسیٰ (علیہ السلام) کی قبر

امام عبد بن حمیدؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ پتھر کو اپنی لاٹھی سے مارو تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ موسیٰ نے ان سے فرمایا لوٹا دو گدھوں کے لشکر کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی۔ تو نے میرے بندوں کو گدھوں کا لشکر کہا اس لیے میں نے تم پر مقدس زمین حرام کر دی ہے۔ فرمایا اے میرے رب میری قبر ارض مقدس سے اتنی دور بنا دے جتنی دور پتھر پھینکا جاتا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اگر تم موسیٰ (علیہ السلام) کی قبر کو دیکھو البتہ تم اس کو دیکھو گے اور مقدس زمین اس سے اتنی دور ہے جتنا پتھر پھینکا جاتا ہے۔

امام عبد بن حمیدؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے بارش کو طلب کیا تو ان کو پانی پلا دیا گیا پھر فرمایا اے گدھو پانی پی لو۔ تو اس سے (اللہ تعالیٰ نے) منع فرمایا اور فرمایا میرے بندوں کو اے گدھو کہہ کر نہ پکارو۔

امام ابن جریرؒ، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ لفظ آیت قلاتاس سے کیا مراد ہے فرمایا غم نہ کرو۔

امام طستیؒ نے سائل میں نافع بن ارزقؒ سے روایت کیا ہے انھوں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قوم لفظ آیت قلاتاس کے بارے میں بتایئے فرمایا اس کا معنی ہے غم نہ کرو۔ پھر پوچھا کیا عرب کے لوگ اس معنی سے واقف ہیں فرمایا کیا تو نے امراء القیس کا قول نہیں سنا۔ وقوفا بھا صحی علی مطیھم یقولون لاتھلک اسی وتجمل ترجمہ: وہاں ٹھہرنے کی حالت میں جبکہ میرے ساتھی اپنی سواریوں پر سوار تھے وہ کہتے تھے غم کو ہلاک نہ کرو اور صبر جمیل کر۔

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ ﴾

اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنایئے جب کہ ان دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی، سو ان میں سے ایک کی نیاز قبول کر لی گئی اور دوسرے کی نیاز قبول نہ کی گئی، اس نے کہا کہ میں تجھے ضرور بالضرور قتل کر دوں گا، دوسرے نے کہا کہ اللہ صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول کرتا ہے۔

ربط آیت: گزشتہ آیات میں اہل کتاب کے اس فخر اور دعوے (نحن ابناء اللہ) کا رد فرمایا اب آگے ہابیل وقابیل کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ دونوں آدم (علیہ السلام) کے صلبی بیٹے تھے مگر جس نے اطاعت

کی وہ مقبول ہوا اور جس نے نافرمانی کی وہ مردود ہوا اور آدم ؑ کا بیٹا ہونا کچھ کام نہ آیا معلوم ہوا کہ اہل کتاب کا یہ گھمنڈ کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں بالکل غلط ہے۔ نیز اس قصہ سے بنی اسرائیل کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ حسد کا انجام کیسا برا ہوتا ہے لہٰذا تم کو چاہیے کہ بنی امی فداہ نفسی وابی وامی۔ کے فضل وکمال پر حسد نہ کرو بلکہ اس پر نظر کرو کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بالکل امی ہیں کسی تاریخ کی کتاب کو پڑھ بھی نہیں سکتے مگر تمہارے سامنے توراۃ اور انجیل کے مخفی علوم اور بنی اسرائیل کے گزشتہ واقعات کو اس طرح بیان کررہے ہیں کہ تمہارے علماء اور فضلاء کو مجال انکار کی نہیں آخر یہ تو سوچو کہ یہ باتیں آپ کو سوائے خدا کے کس نے بتائیں۔

قابیل اور ہابیل کو قتل کرنے کی تفصیل

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم ؑ کے ہاں جب اولاد ہوتی تو ایک ساتھ ایک بچہ اور بچی پیدا ہوتی۔ ایک حمل سے جو لڑکا پیدا ہوتا اس کا نکاح وہ دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ کردیتے اور اس حمل کی لڑکی سے دوسرے حمل کے لڑکے کا نکاح کردیتے' حتی کہ ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے' قابیل اور ہابیل۔ قابیل زراعت کرتا تھا اور ہابیل مویشی پالتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی تھی' وہ اس لڑکی سے بہت خوبصورت تھی جو ہابیل کے ساتھ پیدا ہوئی تھی' قابیل بڑا تھا اور ہابیل چھوٹے تھے۔ قاعدہ کے مطابق ہابیل نے قابیل کی بہن سے نکاح کرنا چاہا' لیکن قابیل نے انکار کیا۔ اس نے کہا یہ میری بہن ہے اور میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اور یہ تمہاری بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس سے نکاح کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔ ابن اسحاق ؑ کی روایت

میں ہے' قابیل نے کہا ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور تم دونوں زمین پر پیدا ہوئے ہو اور میں اپنی بہن کا زیادہ حقدار ہوں۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا اے میرے بیٹے! یہ تمہارے لیے حلال نہیں ہے' قابیل نے حضرت آدمؑ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تب حضرت آدمؑ نے فرمایا اے میرے بیٹو! تم دونوں قربانی پیش کرو' تم میں سے جس کی قربانی قبول ہوگئی' وہ اس کے ساتھ نکاح کا حقدار ہوگا؟ ہابیل نے ایک کنواری بکری کی قربانی پیش کی اور قابیل نے گندم کی قربانی پیش کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک سفید آگ کو بھیجا اس نے ہابیل کی قربانی کو کھا لیا اور قابیل کی قربانی کو ترک کر دیا۔ اس پر قابیل غضب ناک ہو گیا اور ہابیل سے کہا: میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا۔ ورنہ تم میری بہن سے نکاح نہ کرنا' ہابیل نے کہا اللہ تعالیٰ متقین سے قربانی کو قبول کرتا ہے۔ [1]

متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈر کر ان فرائض کو ادا کرتے ہیں جن کا اللہ نے ان کو مکلف کیا ہے' اور جن کاموں سے اللہ نے منع کیا ہے' ان سے باز رہتے ہیں۔

ہابیل نے کہا اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبیؒ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور جمہور مفسرین نے کہا ہے کہ ہابیل' قابیل سے زیادہ طاقتور تھے' لیکن انھوں نے گناہ سے بچنے کے لیے مقابلہ نہیں کیا۔ انھوں نے کسی موحد سے قتال کرنے میں سمجھا اور ظلم سہنے پر راضی ہو گئے تاکہ ان کو آخرت میں جزا دی جائے اور حضرت عثمانؓ نے بھی اسی طرح کیا تھا' جب کہ کسی

۱۔ (جامع البیان: ج ٦ ص ٢٥٧۔٢٥٦)

انسان کا اپنے نفس کے لیے مدافعت کرنا جائز ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہابیل سوئے ہوئے تھے۔قابیل نے ایک بھاری پتھر مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔[1]

آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کی قربانی

امام ابن جریرؒ نے ابن مسعود اور صحابہؓ میں سے کچھ لوگوں سے روایت کیا ہے کہ آدم (علیہ السلام) کی جو بھی اولاد پیدا ہوتی تھی۔لڑکے کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوتی تھی۔اس پیٹ کے لڑکے کی شادی دوسرے پیٹ کی لڑکی سے کرتے تھے۔اور اس پیٹ کی لڑکی کی شادی دوسرے پیٹ کے لڑکے سے کرتے تھے۔یہاں تک کہ دو لڑکے پیدا ہوئے جن کو قابیل اور ھابیل کہا جاتا تھا۔قابیل کھیتی باڑی والا آدمی تھا اور ہابیل مویشیوں والا آدمی تھا۔قابیل ان دونوں میں سے بڑا تھا اور اس کی بہن (جو اس کے ساتھ پیدا ہوئی تھی) وہ ہابیل کی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی۔ہابیل نے قابیل کی بہن سے نکاح کرنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا۔اور وہ کہنے لگا یہ میری بہن ہے میرے ساتھ پیدا ہوئی اور یہ تیری بہن سے زیادہ اچھی اور میں حق دار ہوں کہ اس کے ساتھ نکاح کروں مگر اس کے والد (آدم (علیہ السلام) نے ہابیل سے نکاح کرنے کا حکم دیا اس نے انکار کر دیا۔اور دونوں نے اللہ کی طرف قربانی پیش کی کون اس لڑکی کا زیادہ حق دار ہے۔اور آدم (علیہ السلام) مکہ کی طرف چلے گے اور وہ اس لڑکی کی طرف دیکھ رہے تھے۔آدم (علیہ السلام) نے آسمان سے فرمایا، میرے لڑکے کی حفاظت کرو امانت کے ساتھ تو اس نے انکار کر دیا، پھر زمین سے فرمایا تو اس نے بھی انکار کر دیا۔پھر پہاڑوں سے فرمایا تو انھوں نے بھی انکار کر دیا تو قابیل سے فرمایا تو اس نے کہا ہاں میں تیار ہوں (اور اپنے والد سے کہا) کہ تو

۱۔(الجامع الاحکام القرآن، ج ۳، ص ۹۹، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

جائے گا اور واپس آئے گا اور تو اپنے اہل وعیال کو اس حال میں پائے گا جو تجھ کو خوش کر دے گا۔ جب آدم (علیہ السلام) چلے گئے تو ان دونوں نے قربانی پیش کی قابیل اس پر فخر کرتا تھا اور کہتا تھا میں تجھ سے اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ میری بہن ہے اور میں تجھ سے بڑا ہوں۔ اور میں اپنے والد کا وحی ہوں۔ جب ہابیل نے ایک موٹے مینڈھے کی قربانی کی اور قابیل نے ایک سٹوں کا گھٹا پیش کیا اس میں ایک بڑا سٹہ دیکھا اس کو ہاتھ سے صاف کیا اور کھا گیا۔ آگ آئی ہابیل کی قربانی کھا گئی اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ تو وہ غصہ ہوا اور کہنے لگا میں ضرور تجھ کو قتل کروں گا یہاں تک کہ تو میری بہن سے نکاح نہیں کر سکے گا۔ ہابیل نے کہا لفظ آیت انما یتقبل اللہ من المتقین انی ارید ان تبوا باثمی واثمک یعنی میرے قتل کا گناہ تیرے گناہ کے ساتھ مل جائے جو تیری گردن میں ہوگا۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتم اور ابن عساکرؒ نے سند جید کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آدم (علیہ السلام) کو منع کیا گیا تھا کہ اپنی لڑکی کا نکاح اس کے جڑواں بھائی سے کریں بلکہ یہ حکم کیا گیا کہ وہ اس کے دوسری باری میں پیدا ہونے والے بھائیوں سے نکاح کریں اور (اماں حوا) کے ہر پیٹ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتی تھی۔ اس دوران ایک لڑکی خوبصورت پیدا ہوئی اور دوسرے بدصورت پیدا ہوئی۔ بدصورت لڑکے کا بھائی نے کہا میں تیری بہن سے نکاح کروں گا۔ اور تو میری بہن سے نکاح کرے گا۔ اس نے کہا نہیں میں اپنی بہن کا زیادہ حقدار ہوں پھر دونوں نے قربانی پیش کی۔ بکریوں والا سفید دنبے لے آیا اور کھیتی والا غلہ کا ایک ڈھیر لے آیا دنبہ والے کی قربانی قبول کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں چالیس سال تک خزانہ کئے رکھا اور یہ وہ مینڈھا ہے جس کو ابراہیم (علیہ السلام) نے ذبح فرمایا تھا اور کھیتی والے کی قربانی قبول نہیں کی گئی اور آدمؑ کی ساری اولاد

اس کا شتکار کی اولاد ہیں۔

امام اسحاق بن بشرؒ نے المبتداء میں ابن عساکرؒ نے تاریخ میں جویبر کے طریق سے اور مقاتلؒ نے ضحاکؒ سے اور انھوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی آدم (علیہ السلام) کی چالیس اولاد پیدا ہوئی۔ بیس لڑکے اور بیس لڑکیاں ان میں سے ہابیل اور قابیل، صالح اور عبدالرحمن زندہ رہے جس کا نام عبد الحارث اور وود تھا جس کو شیث کہا جاتا تھا۔ اور اس کو ہبۃ اللہ کہا جاتا تھا۔ اور اس کے بھائیوں نے اس کو سردار بنایا تھا اور آپ کی اولاد میں سواع یغوث اور نسر پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا کہ اس بچے کی بہن کی دوسرے بچے کی بہن سے شادی کردے۔

قربانی قبول ہونے کی علامت

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا آدم (علیہ السلام) کے بیٹوں کی یہ حالت تھی کہ وہاں کوئی مسکین نہ تھا کہ ان پر صدقہ کیا جاتا اور ان کی قربانی یہ تھی کہ جسے ایک آدمی پیش کرتا تھا۔ اس دوران کے آدم کے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے اچانک ان دونوں نے کہا ہم دونوں قربانی پیش کریں گے۔ ان میں سے ایک بکریاں چرانے والا تھا اور دوسرا کھیتی کرنے والا تھا۔ بکریوں والے نے اپنی بہترین موٹی تازی بکری پیش کی اور دوسرے نے اپنی بعض کھیتی پیش کی۔ آگ نازل ہوئی اور بکری کھا گئی اور کھیتی کو چھوڑ دیا۔ جس کی قربانی قبول نہ ہوئی اس نے اپنے بھائی سے کہا تو لوگوں میں گھومے پھرے گا اور وہ جان لیں گے کہ تو نے قربانی پیش کی تھی وہ تجھ سے قبول کرلی گئی اور مجھ پر لوٹا دی گئی اللہ کی قسم لوگ میری طرف نہیں دیکھیں گے اور تیری طرف دیکھیں گے اس حال میں کہ تو مجھ سے بہتر ہوگا پھر اس نے کہا میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا اس کے بھائی نے اس سے کہا میرا کیا گناہ ہے لفظ آیت عربی میں کس سے مدد

طلب کروں گا اور میں ضرور اپنے ہاتھ کو تجھ سے روکوں گا۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا آدمؑ کے وہ بیٹے جنہوں نے قربانی پیش کی ان میں سے ایک کھیتی والا تھا دوسرا بکریوں والا تھا۔ ان دونوں کو حکم دیا گیا کہ قربانی پیش کرو۔ بکریوں والے نے اپنی ایک قیمتی اور موٹی تازی بکری پیش کی جو اس کے نزدیک بہت عمدہ تھی۔ اور کھیتی والے نے اپنی خراب کھیتی پیش کی تنگ دلی کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے بکری والے کی قربانی کو قبول فرمایا اور کھیتی والے کی قربانی کو قبول نہ فرمایا اور ان کا یہ قصہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا اور اللہ کی قسم کہ مقتول زیادہ طاقتور تھا لیکن اس کو گناہ سے بچنے نے روک دیا کہ وہ اپنے ہاتھ کو اپنے بھائی کی طرف بڑھائے۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ لفظ آیت واتل علیھم نبا ابنی آدم سے مراد ہے کہ ہابیل اور قابیل دونوں آدم کی صلب میں سے تھے۔ ہابیل نے اپنے ریوڑ میں سے عمدہ مینڈھا قربانی کے لیے پیش کیا اور قابیل نے اپنی کھیتی میں سے قربانی کے لیے پیش کیا اللہ تعالیٰ نے مینڈھے کی قربانی کو قبول کرلیا۔ اس کے بھائی نے کہا میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا پھر اس کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک ٹانگ کو اس کی پنڈلی سے اس کی ران تک چسپاں کر دیا یہ قتل کے دن سے لے کر قیامت کے دن تک سلسلہ یونہی رہنے لگا۔ اس کا چہرہ یمن کی طرف کر دیا وہ جہاں بھی جائے گا اور اس پر سردیوں میں ایک برف کا باڑہ اسے احاطہ میں لیے ہوگا۔ اور گرمیوں میں آگ کا ایک باڑہ احاطہ میں لیے ہوگا۔ اور اس کے ساتھ فرشتے ہوں گے جب بھی ایک فرشتہ جائے گا تو دوسرا آجائے گا۔

امام عبد بن حمید اور ابن جریرؒ نے حسنؒ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ آیت واتل علیھم نبا ابنی ادم بالحق کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے اور آدم کی اولاد نہ تھی اور یہ قربانی کا

سلسلہ بنی اسرائیل میں جاری ہوا تھا اور یہ پہلا آدمی تھا جو اس طریقے پر مرا۔

امام ابن ابی حاتمؒ نے ابوداؤدؒ سے روایت کیا کہ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میری ایک نماز اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے وہ مجھے دنیا مافیھا سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت انما یتقبل اللہ من المتقین۔

امام ابن ابی الدنیاؒ نے کتاب التقوی میں علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا کہ تقوی کے ساتھ عمل تھوڑا نہیں ہوتا اور وہ کیسے تھوڑا ہوگا جو قبول کر لیا جائے۔

ابن ابی الدنیاؒ سے عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے ایک آدمی کی طرف لکھا میں تجھ کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں وہ ذات تقویٰ کے بغیر (کوئی عمل) قبول نہیں کرتی۔ تقویٰ کے بغیر رحم نہیں فرماتی تقویٰ کے بغیر بدلہ عطا نہیں فرماتی اس کے وعظ کرنے والے تو بہت ہیں لیکن اس پر عمل کرنے والے تھوڑے ہیں۔

ابن ابی دنیاؒ نے یزید بن عیصؒ سے روایت کیا کہ میں نے موسیٰ ابن اعینؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت انما یتقبل اللہ من المتقین کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا تو حلال چیزوں سے بچیں کہیں ایسا نہ ہو کہ حرام میں پڑ جائیں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے متقین فرمایا ہے۔

امام ابن ابی دنیاؒ نے فضالہ بن عبیدؒ سے روایت کیا ہے اگر میں یہ جان لوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ایک رائی کے دانہ کے برابر (میرا عمل) قبول فرمایا ہے تو یہ مجھے دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لفظ آیت انما یتقبل اللہ من المتقین۔

امام ابن سعد اور ابن ابی الدنیاؒ نے قتادہؒ سے روایت کیا ہے کہ عامر بن عبد قیسؒ نے فرمایا کہ ایک آیت

قرآن مجید مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو عطاء کروں جس کے بدلہ اللہ تعالیٰ مجھے متقین میں سے بنادے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت انما یتقبل اللہ من المتقین۔

امام ابن ابی الدنیاؒ نے ھمام بن یحییٰؒ سے روایت کیا کہ عامر بن عبداللہؒ موت کے وقت روئے ان سے کہا گیا آپ کس لیے روتے ہیں؟ فرمایا کتاب اللہ میں سے ایک آیت ہے۔کہا گیا کونسی آیت؟ فرمایا لفظ آیت انما یتقبل اللہ من المتقین (تلاوت فرمائی)۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے حسنؒ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی بندے سے کوئی عمل قبول نہیں فرماتے یہاں تک کہ اس سے راضی نہ ہوجائیں۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے ثابتؒ سے روایت کیا کہ مطرفؒ فرمایا کرتے تھے اے اللہ! مجھ سے آج کے دن کا روزہ قبول کرلے۔اے اللہ! میرے لیے نیکی لکھ دے پھر اس آیت کی تلاوت کرتے لفظ آیت انما یتقبل اللہ من المتقین۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت انما یتقبل اللہ من المتقین کے بارے میں فرمایا وہ لوگ جو شرک سے بچتے ہیں۔

امام ابن عساکرؒ نے ہشام بن یحییٰؒ سے روایت کیا کہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سائل ابن عمرؓ کے پاس آیا تو انھوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا اس کو ایک دینار دیدو انھوں نے اس کو دے دیا۔ جب وہ سائل چلا گیا تو بیٹے نے کہا اے میرے باپ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے قبول فرمالیا ہے تو انھوں نے فرمایا اگر میں اس بات کو جان لوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ایک سجدہ کو یا ایک درھم صدقہ کو قبول فرمالیا ہے تو غائب چیز مجھے موت سے زیادہ محبوب نہ ہو کیا تو جانتا ہے کہ کن لوگوں سے اللہ تعالیٰ

قبول فرماتے ہیں تو یہ آیت تلاوت فرمائی لفظ آیت انما یتقبل اللہ من المتقین۔

﴿ لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡکَ لِاَقۡتُلَکَ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾ ﴾

اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاؤ گے، تو میں تمہیں قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تمہاری طرف نہیں بڑھاؤں گا، بیشک مجھے تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔

لَئِنۡ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡکَ لِاَقۡتُلَکَ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ: یعنی میں تمہیں قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تمہاری طرف نہیں بڑھاؤں گا۔ گویا اگر مقتول بھی قاتل کو قتل کرنے کے پیچھے لگا ہوا ہو تو ایسی صورت میں دونوں جہنمی ہیں۔

سیدنا احنف بن قیسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم رسید ہوں گے۔" میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! قاتل تو ٹھیک (اس کا معاملہ سمجھ میں آتا ہے) مگر مقتول کا کیا قصور (کہ وہ بھی جہنم رسید ہوگا)؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر حریص تھا۔"[1]

۱۔[بخاری، کتاب الإیمان، باب (وإن طائفتٰن من المومنین اقتتلوا۔۔الخ):۳۱۔ مسلم، کتاب الفتن، باب إذا تواجہ المسلمان بسیفیھما: ۲۸۸۸]

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے عثمانؓ کے دور میں فتنے کے موقع پر کہا تھا، میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تھا: "بلا شک وشبہ عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا کہ جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔" عرض کی، اے اللہ کے رسول! اگر کوئی شخص میرے گھر میں داخل ہو کر میری طرف اپنا ہاتھ دراز کرے، تاکہ مجھے قتل کر دے؟ آپ نے فرمایا: "اس صورت میں آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح ہو جاؤ۔"[1]

امام ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے لفظ آیت لئن بسطت الی یدک کے بارے میں فرمایا ان کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ کوئی آدمی اگر کسی دوسرے آدمی کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتا اور اپنا دفاع نہ کرتا۔

امام ابن منذرؒ نے ابن جریجؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ بنی اسرائیل پر یہ فرض کیا گیا تھا کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی پر دست اندازی کرتا تو دوسرا اس کا دفاع نہ کرتا یہاں تک کہ وہ اس کو قتل کر دیتا یا اس کو چھوڑ دیتا اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت لئن بسطت (الآیۃ)۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت انی ارید ان تبوا باثمی واثمک میرے قتل کا گناہ بھی تیرے سر ہے۔ فرمایا کہ یعنی اور اس سے پہلے جو تو نے غلطیاں کی ہیں ان کا وبال بھی تیرے اوپر ہو۔

---

[1]۔[مسند أحمد: ۱/۱۸۵، ح: ۱۶۱۴۔ ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء أنہ تکون فتنۃ القاعد فیھا خیر من القائم: ۲۱۹۴۔ أبوداؤد، کتاب الفتن والملاحم، باب النھی عن السعی فی الفتنۃ: ۴۲۵۶، ۴۲۵۷]

امام طستی ؒ نے امام ابن عباس ؓ سے روایت کیا کہ نافع بن ارزق ؒ نے ابن عباس ؓ سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت انی ارید ان تبوا باثمی واثمک کے بارے میں بتایئے تو انھوں نے فرمایا تو لوٹے گا میرے گناہ کے ساتھ اور اپنے گناہ کے ساتھ جو تو بے عمل پھر تو جہنم کا مستحق بھی بنے گا۔ پوچھا کیا عرب کے لوگ اس سے واقف ہیں؟ فرمایا ہاں کیا تو نے شاعر کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا۔ من کان کارہ عیشہ فلیا تنا یلقی المنیۃ اُو یبوء عناء ترجمہ: جس کی زندگی مکروہ ہو تو وہ ہمارے پاس آئے وہ موت سے ملاقات کرے گا یا مشقت کو ٹھکانا بنائے گا۔

امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذی اور اس کو حسن ؒ نے بھی کہا ہے اور حاکم ؒ نے (اور اس کو صحیح بھی کہا ہے) سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا عنقریب فتنہ ہوگا بیٹھنے والا بہتر ہوگا کھڑے ہونے والے سے۔ اور کھڑا ہونے والا بہتر ہوگا چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے، پھر پوچھا آپ بتایئے اگر کوئی میرے گھر میں داخل ہو جائے اور میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے تاکہ مجھ کو قتل کر دے۔ آپ نے فرمایا آدم کے بیٹے کی طرح ہو جاؤ۔ اور یہ آیت پڑھی لفظ آیت انی ارید ان تبوا باثمی واثمک۔

امام احمدؒ، مسلم اور حاکم ؒ نے ابوذر ؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گدھے پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھایا پھر فرمایا اے ابوذر ؓ! تم بتاؤ اگر لوگوں کو بھوک پہنچ جائے اور تو اپنے بستر سے مسجد کی طرف اٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر تو کیسے کرے گا؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے ابوذر! پاک دامن رہ۔ پھر فرمایا بتاؤ اگر لوگوں کو شدید موت پہنچ جائے جس سے بندہ کا گھر قبر ہو۔ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ

جانتے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے ابوذر صبر کرو، پھر فرمایا تم بتاؤ اگر لوگ بعض کو قتل کرنے لگیں یہاں تک کہ حجارۃ الزیت خون سے غرق ہو جائے تو پھر تو کیا کرے گا۔ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا اپنے گھر میں بیٹھ کر دروازہ بند کر لے میں نے کہا اگر مجھے پھر بھی نہ چھوڑا جائے؟ آپ نے فرمایا لفظ آیت فات من انق منھم فکن فیھم میں نے کہا میں اپنا ہتھیار لے لو؟ فرمایا تب بھی تو ان میں شریک ہو جائے گا ان کے اس کام میں جن میں وہ ہیں۔ لیکن اگر تو ڈرے اس بات سے کہ وہ تجھ کو خوف زدہ کریں گے تلوار کی چمک سے تو اپنے چہرہ پر اپنی چادر کے ایک کنارے کو ڈال لے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اور تیرے گناہ کا مستحق ہو جائے۔ اور وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائے گا۔

امام بیہقیؒ نے ابوموسیٰؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا توڑ دو اپنی تلواروں کو یعنی فتنہ میں۔ اور کاٹ دو اپنی کمان کی تانتوں کو اور گھروں کے اندر (بیٹھ جانے کو) لازم پکڑو اور اس میں آدم (علیہ السلام) کے بیٹوں میں سے خیر کی طرح ہو جاؤ۔

قتل سے کنارہ کشی اختیار کرنا

امام ابن مردویہؒ نے حذیفہؓ سے روایت کیا اگر تم ایک دوسرے سے لڑو تو میں ضرور انتظار کروں گا اپنے گھر کے آخری کمرے میں۔ اور میں ضرور اس سے چمٹ جاؤں گا۔ اگر مجھ پر بھی کوئی داخل ہو گیا تو میں ضرور کہوں گا لوٹ جا اپنے اور میرے گناہ کے ساتھ جس طرح آدم کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے نے کیا تھا۔

امام ابن سعد اور ابن عساکر و ابونصرہؒ سے روایت کیا ہے کہ ابوسعید خدریؓ حرہ کے دن نماز میں داخل

ہو گئے ایک آدمی نماز میں داخل ہو گیا۔ ابو سعیدؓ کے پاس تلوار تھی انھوں نے تلوار کو رکھ دیا اور (اس سے) فرمایا لوٹ جا اپنے اور میرے گناہ کے ساتھ اور تو دوزخ والوں میں سے ہو جا۔ ابن سعدؒ کے الفاظ یوں ہیں ابو سعیدؓ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ لفظ آیت انی ارید ان تبوا باثمی واثمک فتکون من اصحب النار اس نے کہا کیا تو ابو سعید خدریؓ ہے آپ نے فرمایا ہاں اس نے کہا میرے لیے استغفار کیجئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ کو بخش دے۔

امام عبدالرزاق اور ابن جریرؒ نے حسنؒ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں کو اس آیت کے لیے بطور مثال ذکر کیا گیا۔ اس میں سے جو اچھا ہے اس کو اپنا لو۔

امام عبد بن حمیدؒ نے حسنؒ سے روایت کیا ہے کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے لوگو! خبردار بلاشبہ آدم کے بیٹوں کو تمہارے لیے بطور مثال بیان فرما دیا۔ سو مشابہت اختیار کرو۔ ان میں سے جو اچھا ہے۔ اور نہ مشابہت اختیار کرو ان میں سے جو برا ہے۔

امام ابن جریرؒ نے معتمر بن سلیمانؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اکبر بن عبداللہؒ سے کہا کیا آپ کو یہ بات پہنچی ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آدم کے بیٹوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ ان میں سے جو اچھا ہے اس کو اپنا لو اور ان میں سے جو برا ہے اس کو چھوڑ دو۔ انھوں نے فرمایا ہاں مجھ کو یہ بات پہنچی ہے۔

امام حاکمؒ نے سند صحیح کے ساتھ ابو بکرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا خبردار عنقریب فتنے ہوں گے۔ خبردار ایک فتنہ ہوگا اس میں بیٹھنے والا بہتر ہوگا کھڑے ہونے والے

سے، اور کھڑے ہونے والا اس میں بہتر ہوگا چلنے والے سے اور چلنے والا اس میں بہتر ہوگا اس کی طرف دوڑنے والے سے، جب فتنہ نازل ہوجائے تو جس کا اونٹ ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے اونٹ سے چمٹ جائے اور جس کی زمین ہو تو وہ اپنی زمین سے مل جائے۔ کہا گیا یا رسول اللہ! آپ بتایئے اگر اس کے لیے یہ بھی نہ ہو تو؟

اس کو چاہیے کہ ایک پتھر لے لے۔ اور اس کے ساتھ اپنی تلوار کی دھار کو توڑ دے۔ پھر چاہیے کہ وہ نجات پا جائے اگر وہ نجات پانے کی طاقت رکھتا ہے (پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا) اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا یہ بات آپ نے تین مرتبہ دہرائی۔ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! آپ بتایئے اگر مجھ کو مجبور کر کے دو صفوں میں سے ایک صف کی طرف لے جایا جائے۔ اور ایک آدمی مجھ پر تیر پھینکے یا وہ مجھ کو تلوار سے مارے اور مجھ کو قتل کر دے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وہ اپنے اور تیرے گناہ کا مستحق بن گیا۔ اور وہ دوزخ والوں میں سے ہو گیا اس کو تین مرتبہ فرمایا۔ امام حاکمؒ نے (اور اس کو صحیح بھی کہا ہے) حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ ان سے کہا گیا ہم کو آپ کیا حکم فرماتے ہیں جب نمازیوں کو قتل کیا جائے؟ فرمایا میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ اپنے گھر کے دور حصے میں داخل ہو کر انتظار کر۔ اگر وہ تجھ پر داخل ہو جائے تو اس سے کہہ لوٹ جا اپنے اور میرے گناہ کے ساتھ تو تو بھی آدم کے بیٹوں کی طرح ہو جائے گا۔

امام احمد اور حاکمؒ نے خالد بن عرفطہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے خالد! عنقریب میرے بعد بڑے بڑے حادثات فتنے اور اختلاف ہوں گے۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو اللہ کا مقبول بندہ بن اور قاتل نہ بن تو ایسا کر لے۔

﴿ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَاِثۡمِكَ فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ ﴾

میں یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ لے کر لوٹے، پھر تو آگ والوں میں سے ہو جائے اور ظالموں کی یہی جزا ہے۔"

اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَاِثۡمِكَ: "تو میرا گناہ اور اپنا گناہ لے کر لوٹے" میرا گناہ یعنی جو مجھے اس صورت میں ہوتا جب میں بھی تجھے قتل کرنے کے درپے ہوتا، جیسا کہ اوپر کی حدیث میں ہے، یا یہ کہ میرے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ڈالا جائے گا، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس شخص نے کسی دوسرے کی آبرو یا اور کسی چیز کے معاملہ میں ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ آج اس سے معاف کرا لے، اس دن سے پہلے کہ (جس دن) نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم۔ اگر ظالم کا کوئی عمل صالح ہوگا تو اس کے ظلم کے برابر اس سے لے لیا جائے گا اور اگر ظالم کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہوں میں سے بعض گناہ ظالم پر لاد دیے جائیں گے۔"[1]

سیدنا ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول! اس سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ اگر مجھے زبردستی (باہم دست و گریباں ایمان والوں کی) دو صفوں یا جماعتوں میں شامل کر دیا جائے، پھر کوئی شخص مجھے اگر مجھے زبردستی (باہم دست و گریباں ایمان والوں کی) دو صفوں یا جماعتوں میں شامل کر دیا جائے، پھر کوئی شخص مجھے اپنی تلوار سے قتل کر دے، یا کوئی تیر آئے اور مجھے قتل کر دے

۱۔ [بخاری، کتاب المظالم، باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل: ۲۴۴۹]

(تو میرا کیا حشر ہوگا؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "(تم پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ ایسی صورت میں) وہ (جس نے تمہیں قتل کیا ہے) اپنے اور تمہارے گناہ کو لے کر (اللہ کے پاس) لوٹے گا اور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔" (۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

احنف بن قیس ؒ بیان کرتے ہیں کہ میں اس شخص (حضرت علی ؓ) کی مدد کے لیے روانہ ہوا' میری حضرت ابوبکرہ ؓ سے ملاقات ہوئی' انھوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں اس شخص کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا واپس جاؤ' کیونکہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلواروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو قاتل ہے' مقتول کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی تو اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (۲)

گویا کہ ہابیل نے یہ ارادہ کیا کہ میں تمہارے قتل پر حریص نہیں ہوں۔ پس وہ گناہ جو میرے حریص ہونے کی صورت میں مجھے لاحق ہوتا' میرا ارادہ ہے کہ وہ بھی تم کو لاحق ہو' کیونکہ صرف تم میرے قتل پر حریص ہو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ ؓ نے کہا ہم میں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ پیسے ہوں اور نہ سامان ہو۔

۱۔ [مسلم، کتاب الفتن، باب نزول الفتن کمواقع القطر: ۲۸۸۷]

۲۔ (صحیح البخاری' ج ۱' رقم الحدیث: ۳۱)

آپ نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نمازیں' روزے اور زکوۃ لے کر آئے اور اس نے کسی کو گالی دی ہو' کسی پر تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون بہایا ہو' اور کسی کو مارا ہو تو اس کو اس کی نیکیوں میں سے دیا جائے گا' اور اگر ان کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو ان کے گناہ اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ---- (۱)

اس حدیث کے اعتبار سے ہابیل کے قول کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم مجھے قتل کرو گے تو تمہاری نیکیاں مجھے مل جائیں گی' اور پھر بھی حق پورا نہ ہوا تو میرے گناہ تم پر ڈال دیئے جائیں گے' سو تم میرے اور اپنے گناہوں کے ساتھ لوٹو گے اور دوزخ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ نیز قرآن مجید ہے:

(آیت) "ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم"۔ (العنکبوت: ۱۳)

ترجمہ: اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا' تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ پہلے ابن آدم پر ہوگا' کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کو ایجاد کیا۔ (۲)

ابوالحسن بن کیسانؒ سے سوال کیا گیا ایک مسلمان یہ ارادہ کس طرح کر سکتا ہے کہ اس کا بھائی گناہ گار ہو

۱۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: المسلسل ۲۵۸۱' رقم الحدیث: الکتاب ۵۹)

۲۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۳۳۴' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۶۷۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۶۸۲' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۳۹۹۶' سنن ابن ماجہ' ۲۶۱۶' مسند احمد ج ۲' رقم الحدیث: ۳۶۳۰' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث: ۱۹۷۱۸' مصنف ابن ابی شیبہ' ج ۹ ص ۳۶۴' سنن کبریٰ' ج ۸' ص ۱۵)

اور دوزخ میں داخل ہوجائے۔ انھوں نے کہا کہ ہابیل نے یہ ارادہ اس وقت کیا تھا جب قابیل ان کی طرف قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ پھر ان سے سوال کیا گیا ہابیل نے یہ کیسے کہا: میرے گناہ اور تمہارے گناہ' جبکہ انھیں ظلماً قتل کیا گیا تھا اور انھوں نے گناہ نہیں کیا تھا؟ انھوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ میرے قتل کا گناہ اور تمہارا وہ گناہ جس کی وجہ سے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی' تم ان دونوں گناہوں کا بوجھ اٹھاؤ گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تم مجھ کو قتل کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے اور مجھ پر زیادتی کرنے کا گناہ اٹھاؤ گے۔ [1]

فتنوں سے پناہ مانگنی چاہیے

امام ابن ابی شیبہؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا فتنے برپا ہوں گے۔ اس میں نیند کرنے والا جاگنے والے سے بہتر ہوگا۔ اور جاگنے والا بیٹھنے والے سے بہتر ہوگا اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اس کے تمام قاتل آگ میں ہوں گے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! میرے بارے میں کیا حکم ہے اگر میں ایسے حالات پالوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اپنے گھر میں داخل ہوجا۔ میں نے عرض کیا آپ بتایئے اگر وہ مجھ پر داخل ہوجائے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس کو کہہ دو لوٹ جا، میرے اور اپنے گناہ کے ساتھ اور اللہ کا مقبول بندہ بن جا۔

امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ابن عساکرؒ نے اوزاعیؒ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص ظلماً قتل کردیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر گناہ کو مٹا دیں گے۔ اور یہ بات قرآن میں سے (یعنی) لفظ آیت انی ارید

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن' ج ۳ ص ۹۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان تبوا باثمی واثمک۔

امام ابن منذرؒ نے خباب بن ارتؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فتنہ کا ذکر فرمایا (پھر فرمایا) بیٹھنے والا اس سے بہتر ہوگا کھڑے ہونے والے سے۔ اور کھڑا ہونے والا اس سے بہتر ہوگا چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے اگر تو اس فتنے کو پائے تو اللہ کا مقبول بندہ بن اور اللہ کا قاتل بندہ نہ بن۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ اس کے پاس ایک آدمی اس کو قتل کرنے کے لیے آئے۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر کہے تو وہ ابن آدم کے دو بیٹوں میں سے اچھے بیٹے کی طرح ہو جائے تو وہ جنت میں ہوگا۔ وہ جنت میں ہوگا اور جبکہ اس کا قاتل آگ میں ہوگا۔

﴿ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ﴾

بالآخر اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس کو قتل کر ڈالا

جس کے نتیجے میں وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔(۳۰) پھر بھیجا اللہ نے ایک کوے کو جو زمین کریدنے لگا، تا کہ وہ اس کو دکھلائے (سکھلائے) کہ وہ کس طرح ٹھکانے لگائے اپنے بھائی کی لاش کو، اس پر اسنے کہا ہائے افسوس میں تو اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو خود چھپا لیتا، پس وہ ہو گیا ندامت اٹھانے والوں میں سے۔(۳۱)

قابیل کے قتل کرنے کی کیفیت

امام محمد ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج ؒ نے بیان کیا کہ جس وقت ہابیل بکریاں چرا رہے تھے تو قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ قابیل' ہابیل کے پاس گیا اور اس کو یہ سمجھ نہیں آ سکا کہ وہ اس کو کس طرح قتل کرے۔ اس نے ہابیل کی گردن مروڑی اور اس کے سر کے بالوں کو پکڑ لیا' تب شیطان آیا' اس نے کسی جانور یا پرندے کو پکڑا اس کا سر ایک پتھر پر رکھا' پھر دوسرا پتھر اس کے سر پر دے مارا' قابیل دیکھ رہا تھا' اس نے بھی اسی طرح ہابیل کو قتل کر دیا۔

امام ابن جریرؒ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور یہ خبر چاہیے جتنا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بتلایا ہے۔[1]

امام مسلم بن حجاج قشیری ؒ ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

۱۔(جامع البیان' جز ۶ ص ۳۱' ۔۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت جریر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس نے اسلام میں نیک طریقہ ایجاد کیا اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا' اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل اجر لکھا جائے گا' اور ان کے اجروں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی' اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا اور اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا' اس کے لیے بھی اس پر عمل کرنے والوں کی مثل گناہ لکھا جائے گا اور ان کے گناہوں میں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔ [1]

نیز امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم کو یہ نصیحت کی مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے' وہ گمراہ کرنے والے ائمہ ہیں۔ [2]

تاہم ہر برائی کی ابتداء کرنے والے کو بعد کے عمل کرنے والوں کی مثل گناہ اس وقت ہوگا جب وہ اس گناہ سے توبہ نہ کرے' اور اگر وہ اس گناہ سے توبہ کرلے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت آدم (علیہ السلام) پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود انسانوں میں سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی' کیونکہ قرآن مجید نے خود شہادت دی ہے' کہ حضرت آدم (علیہ السلام) بھول گئے تھے۔" (آیت) "فنسی ولم نجد لہ عزما" (طہ: ۱۱۵) "سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان

۱۔ (صحیح مسلم' ج ۴' رقم الحدیث: ۲۶۷۴' ۲۶۷۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۶۰۹' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۶۸۳' سنن ابن ماجہ ج ۱' رقم الحدیث: ۲۰۷' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۵۰۷' مسند احمد' ج ۱۴' رقم الحدیث: ۱۹۰۵۷' ج ۹" رقم الحدیث: ۱۰۵۰۴' بتحقیق احمد شاکر' سنن دارمی' ج ۱' رقم الحدیث: ۵۱۳)

۲۔ (مسند احمد' ص ۴۱۱' طبع قدیم' بیروت' علامہ احمد شاکر نے کہا' اس حدیث کی سند صحیح ہے' مسند احمد' بتحقیق احمد شاکر' ج ۱۸' رقم الحدیث: ۲۷۳۵۸' مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ)

کی نافرمانی کا قصد نہیں پایا اس کے باوجود حضرت آدم (علیہ السلام) نے توبہ کر لی تھی اور بھولنے والے اور توبہ کرنے والے سے مواخذہ نہیں ہوتا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) سب سے پہلے توبہ کرنے والے ہیں اور بعد کے تائبین کے عمل سے ان کو حصہ ملتا رہے گا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسد بہت سنگین نفسانی مرض ہے۔ اس حسد کی وجہ سے قابیل نے ہابیل کے ساتھ خونی رشتہ کا لحاظ نہیں کی اور اپنے سگے بھائی کو قتل کر دیا۔

امام عبد بن حمیدؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے قتادہؒ سے روایت ہے لفظ آیت فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ کے بارے میں فرمایا کہ طوعت کا معنی ہے زینت یعنی اس کے دل نے یہ کام اس کے لیے مزین کر دیا۔

امام ابن جریرؒ نے ابن مسعود اور صحابہؓ میں سے کچھ لوگوں سے روایت کیا ہے لفظ آیت فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ (اس کے نفس نے اس بات پر آمادہ کیا) کے اس کو قتل کر دے اس وجہ سے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں میں نکل گیا۔ ایک دن وہ اپنے بھائی کے پاس آیا جبکہ وہ اپنی بکریاں چرا رہا تھا اس حال میں کہ وہ سویا ہوا تھا۔ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور اس سے اس کا سر کچل ڈالا جس سے وہ مر گیا۔ اس نے اس کو کھلے میدان میں چھوڑ دیا اور وہ جانتا نہیں تھا کہ کس طرح اس کو دفن کرے۔ اللہ تعالیٰ نے دو کوؤں کو بھیجا جو آپس میں لڑنے لگے اور ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا۔ پھر اس نے اس کے لیے ایک گڑھا کھودا (اس کو ڈال کر) اس پر مٹی ڈال دی جب اس نے کوے کو دیکھا تو کہنے لگا ہائے افسوس میں اس کوے جیسا ہونے سے بھی عاجز ہوں۔

امام ابن جریرؒ نے ابن جریجؒ سے روایت کی ہے کہ آدمؑ کے جس بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ کس طرح اس کو قتل کرے۔ ابلیس ایک پرندے کی شکل میں بن کر آیا اس نے ایک اور

پرندے کو پکڑا اور اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ دیا پھر اس کے سر کو کچل دیا۔ (اس کو دیکھ کر) اس نے بھی قتل کرنا سیکھ لیا۔ مجاہدؒ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام ابن جریرؒ نے خیثمہؒ سے روایت کی کہ جب آدمؑ کے بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کیا تو زمین اس کے خون کو پی گئی اور پھر اس قاتل پر لعنت کی۔ اس کے بعد زمین نے کسی کا خون نہیں چوسا۔

امام ابن عساکرؒ نے علیؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا دمشق میں ایک پہاڑ ہے جس کو قاسیون کہا جاتا ہے اس میں آدم کے بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کیا۔

امام ابن عساکرؒ نے عمر بن خبیر الشعبانیؒ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں کعب الاحبارؒ کے ساتھ ایک پہاڑ دیر المران کے مقام پر تھا۔ ہم نے ایک پہاڑ میں گہرا پانی بہتا ہوا دیکھا۔ انھوں نے فرمایا آدمؑ کے بیٹے نے یہاں اپنے بھائی کو قتل کیا تھا اور یہ اس کے خون کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں والوں کے لیے اس کو نشانی بنا دیا۔

امام ابن عساکرؒ نے ایک اور سند سے کعبؒ سے روایت کی ہے کہ وہ خون جو قاسیون پہاڑ پر ہے وہ آدمؑ کے بیٹے کا خون ہے۔

امام ابن عساکرؒ نے وھبؒ سے روایت کیا ہے کہ زمین نے آدم کے بیٹے کا خون پی لیا جو مقتول ہوا تھا اور آدم کے بیٹے نے زمین پر لعنت کی۔ اس وجہ سے ہابیل کے خون کے بعد زمین کوئی خون نہیں چوستی اور یہ سلسلہ قیامت کے دن تک یونہی جاری رہے گا۔

نعیم بن حمادؒ نے فتن میں عبدالرحمن بن فضالہؒ سے روایت کیا کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی عقل کو مسخ کر دیا اور اس کا دل رنجیدہ کر دیا وہ یونہی سرگردان پھرتا رہتا یہاں تک کہ مر گیا۔

امام احمد والبخاری ومسلم وترمذیؒ، النسائیؒ، ابن ماجہؒ، ابن جریر اور ابن منذرؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کوئی جان ظلماً قتل ہوتی ہے تو اس کا وبال آدم (علیہ السلام) کے بیٹے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس نے قتل کرنے کا طریقہ رائج کیا تھا۔

ہر قتل کا گناہ قابیل کے سر پر

امام ابن منذرؒ نے براء بن عازبؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کوئی جان ظلماً قتل ہوتی ہے تو اس کا وبال آدم (علیہ السلام) کے بیٹے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس نے قتل کا طریقہ رائج کیا۔

امام ابن جریرؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا لوگوں سے بہت سے زیادہ بدبخت آدمی آدم کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا (اس کے بھائی کے قتل ہونے کے بعد) قیامت کے دن تک جو بھی زمین میں (ناحق) خون بہایا جائے گا تو اس کا وبال بھی اس سے پہلے قاتل کو پہنچے گا۔ اسی وجہ سے کہ یہ پہلا آدمی ہے جس نے قتل کا طریقہ رائج کیا۔

امام طبرانیؒ نے ابن عمروؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت تین ہیں۔ قوم ثمود کی اونٹنی کے پاؤں کاٹنے والا، آدم کا وہ بیٹا جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا جو بھی زمین پر (ناحق) خون بہتا ہے تو اس کا گناہ اس کو بھی ملتا ہے۔ کیونکہ یہ پہلا آدمی تھا جس نے قتل کا طریقہ رائج کیا۔

امام ابن جریر اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ابن عمروؓ سے روایت کیا کہ ہم آدم (علیہ السلام) کے بیٹے کو قاتل پاتے ہیں جس نے پہلا قتل کیا تھا دوزخیوں میں صحیح طور پر تقسیم ہوتی ہے اس قاتل کو ان

دوزخیوں کے عذاب کا آدھا دیا جاتا ہے۔

ابن ابی الدنیاؒ نے کتاب من عاش بعد الموت میں عبداللہ بن دینار کے طریق سے ابوایوب یمانیؒ سے روایت کیا کہ انھوں نے اپنی قوم کے ایک آدمی سے روایت کیا جس کو عبداللہ کہا جاتا ہے کہ وہ اور اس کی قوم میں سے ایک جماعت سمندر کے سفر پر گئے ان دنوں سمندر میں بہت زیادہ اندھیرا تھا۔ پھر اس سے وہ اندھیرا صاف ہوگیا۔ اور یہ لوگ ایک بستی کے قریب تھے۔ عبداللہ نے کہا میں پانی کو تلاش کرتے ہوئے باہر نکلا۔ اچانک (میں نے دیکھا) کہ کچھ دروازے بند ہیں جن میں ہوا ٹکرا رہی ہے۔ میں تردد سے چلایا مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ میں اسی طرح کھڑا تھا۔ اچانک دو گھڑسوار ظاہر ہوئے۔ ان دونوں نے مجھ سے میرے کام کے بارے میں پوچھا۔ میں نے ان کو بتایا جو سمندر میں ہم کو تکلیف پہنچی تھی۔ اور (یہ بھی بتایا) کہ میں پانی کی تلاش میں نکلا ہوں۔ دونوں نے کہا اس گلی میں چلے جاؤ آخر میں تو ایک تالاب پر پہنچ جائے گا جس میں پانی ہوا تو اس میں سے پانی لے لینا اور ہرگز خوف زدہ نہ ہونا اس چیز سے جو اس کے اندر ہے۔

میں نے ان بند گھروں کے بارے میں ان سے پوچھا جن سے ہوا ٹکرا رہی تھی۔ تو انھوں نے بتایا کہ یہ مردہ روحوں کے گھر ہیں۔ میں چلا اور تالاب تک پہنچ گیا۔ اچانک (دیکھا) ایک آدمی الٹا سر کے بل اس میں لٹکا ہوا ہے۔ وہ پانی کو لینے کا ارادہ کرتا ہے اپنے ہاتھ سے مگر اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب اس نے مجھ کو دیکھا تو مجھ کو زور سے آواز دی اور کہا اے عبداللہ! مجھ کو پانی پلا۔ میں نے پیالے کو بھرا تا کہ اس کو پانی پلاؤں تو میرا ہاتھ رک گیا۔ میں نے کہا مجھ کو بتا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں آدم کا بیٹا ہوں جس نے سب سے پہلے زمین میں خون بہایا۔ سند ضعیف جداً۔ طاہر تحکیم

قابیل کا انجام

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ روایت کرتے ہیں:

ضحاکؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قابیل ہابیل کو ایک جراب (چرمی تھیلا) میں ڈال کر ایک سال تک اپنے کندھے پر اٹھائے پھرتا رہا' اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس لاش سے کس طرح گلو خلاصی حاصل کرتے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کرید رہا تھا' پھر اس نے زمین میں اس مردہ کوے کو دفن کر دیا۔ تب اس نے کہا ہائے افسوس! میں اس کوے جیسا بھی نہیں ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پس وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔ [1]

علامہ ابو عبداللہ قرطبی مالکیؒ متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

قابیل کا پچھتانا اس کی توبہ نہیں تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اس پر افسوس کر رہا تھا کہ اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا تھا' اس کے قتل کرنے پر افسوس نہیں کیا تھا' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر وہ اس کے قتل پر نادم ہوتا تو یہ ندامت توبہ ہو جاتی' وہ اس وجہ سے نادم تھا کہ اس قتل سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا' ماں باپ' بہن اور بھائی ناراض ہوئے اور مقصود حاصل نہ ہوا' یا اس وجہ سے کہ ایک سال تک بھائی کی لاش دفن نہ ہو سکی۔

روایت ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) اور حواء (علیہ السلام) ہابیل کی قبر پر گئے اور کئی دن تک روتے رہے' پھر قابیل ایک پہاڑ کی چوٹی پر گیا' وہاں ایک بیل نے اس کو سینگھ مار کر نیچے گرا دیا اور وہ مر گیا۔ ایک روایت یہ ہے حضرت آدم (علیہ السلام) نے اس کے خلاف دعا کی' تو وہ زمین میں دھنس گیا۔

۱۔ (جامع البیان' جز ۶ ص ۲۶۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

ایک قول یہ ہے کہ وہ ہابیل کو قتل کرنے کے بعد جنگلوں میں چلا گیا' وہ کسی جانور کو بلندی سے زمین پر گرا دیتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کو کھا لیتا' چوٹ کھانے سے مرا ہوا جانور اس دن سے حرام کر دیا گیا۔

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا بنو آدم (علیہ السلام) میں سے سب سے پہلے جہنم میں جانے والا قابیل ہے۔ اس ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو آدم میں جو شخص سب سے پہلے فوت ہوا' وہ ہابیل تھا۔ اسی وجہ سے قابیل اس کے دفن کرنے کے طریقہ کو نہیں جان سکا۔ [1]

امام عبد بن حمید اور ابن جریر ؒ نے عطیہ ؒ سے روایت کی کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو نادم ہوا۔ اس کو اٹھا کر چل دیا یہاں تک کہ لاش خراب ہونے لگی۔ اور اس نے اس پر پرندوں اور جنگلی جانوروں کو روکے رکھا جو اس انتظار میں تھے کہ یہ کب اس کو پھینکے گا کہ ہم اس کو کھا لیں قابیل نے یہ ناپسند کیا کہ آدم (علیہ السلام) آئیں اور یہ دیکھ کر غم گین ہوں تو اللہ تعالیٰ نے دو کوؤں کو بھیجا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ اور وہ اس کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی چونچ اور پانے پنجوں سے ایک گھڑا کھودا یہاں تک کہ اس کے لیے (جگہ بنانے پر) قادر ہو گیا پھر اس کو دھکیلا یہاں تک کہ اس کو گھڑے میں ڈال دیا۔ پھر اپنے پنجوں سے اس پر مٹی ڈال دی یہاں تک کہ اس کو چھپا دیا۔ جب اس نے کوے کو دیکھا جو کچھ اس نے کیا تھا تو کہنے لگا لفظ آیت قال یویلتی اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب فاواری سوء ۃ اخی کوا کے ذریعہ دفن کا طریقہ سکھلایا۔

امام عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم ؒ نے ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوؤں کو بھیجا جو ایک دوسرے سے لڑے اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا پھر اس پر مٹی ڈالنی شروع کی

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۳ ص ۹۷ مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

یہاں تک کہ اس کو چھپا دیا تو اس وقت آدم (علیہ السلام) کے بیٹے قابیل نے کہا لفظ آیت قال یویلتی اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب فاواری سوءۃ اخی۔

ابن جریر اور امام ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ ایک کوا ایک مردہ کوے کے پاس آیا اس پر مٹی ڈال کے اس کو چھپا دیا یہ دیکھ کر اس نے کہا جس نے اپنے بھائی کا قتل کیا لفظ آیت قال یویلتی اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب فاواری سوءۃ اخی۔

امام ابن جریرؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ قابیل اپنے بھائی کی لاش بوری میں ڈال کر ایک سال تک اٹھائے پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوؤں کو بھیجا تو اس نے ان کو گڑھا کھودتے ہوئے دیکھا تو (قابیل نے) کہا لفظ آیت قال یویلتی اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراباس کے بعد اس نے اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا۔

امام ابن جریر اور ابن عساکرؒ اور سالم بن ابی الجعدؒ سے روایت کیا ہے کہ جب آدم (علیہ السلام) کے ایک بیٹے نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ تو آدم (علیہ السلام) ایک سو سال تک اس پر غم کی وجہ سے نہ ہنسے جب سو سال پورے ہو گئے ان سے کہا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتے ہیں۔ ایک بچے کی بشارت دیتے ہیں۔ تو اس وقت وہ ہنس پڑے۔

ڈاکٹر اسلامی ریسرچ اسکالر محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا